کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی



تقدیر
کس طرح بدلتی ہے؟
واقعات کس طرح پلٹا
کھاتے ہیں؟ اور انقلاب
کا چکر کس طرح چلتا ہے؟
"کشمیر اور جوناگڑھ کی
کہانی" اسی اجمال کی تفصیل
ہے۔

وی۔پی مینن کی
کتاب سے ماخوذ۔

ترجمہ و تحشیہ

رئیس احمد جعفری

تحفہ از
جناب علامہ مضطر عباسی

کشمیر اور جُوناگڈھ
کی
کہانی

ترجمہ و تحشیہ
(سید رئیس احمد جعفری)

کتاب منزِل، لاہور

ہندوستان کی مسلم ریاستوں اور پاکستانی سرحد سے متصل ہندو ریاستوں نیز

کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی!

رائے بہادر وی پی مینن سکریٹری وزارت امور ریاست حکومت
ہند کی کتاب "ہندوستانی ریاستوں کی داستان الحاق"

کے متعلقہ حصص کا اردو ترجمہ مترجم کے ایضاحات کے ساتھ،

ہندوستان کی مسلم ریاستوں اور پاکستانی سرحد سے متصل ہندو ریاستوں نیز

کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی

تالیف

رائے بہادر وی، پی مینن

ترجمہ و تہذیب

رئیس احمد جعفری

ناشر

کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۶۸

تالیف ــــــــــ رائے بہادر وی، پی مینن
ترجمہ و تہذیب ــــــــــ رئیس احمد جعفری
طابع ــــــــــ شیخ نیاز احمد
مطبع ــــــــــ علمی پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر ــــــــــ شیخ غلام علی اینڈ سنز
اشاعت ــــــــــ اوّل سنہ ۱۹۶۰ء

شیرِ کشمیر شیخ عبداللہ کے نام

ہو رہے ہیں جورِ ہفت افلاک کے
امتحاں ہیں ایک مشتِ خاک کے

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

غلام کشمیر

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
سینۂ افلاک سے اُٹھتی ہے آہِ سوزناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستاں بے دردیٔ ایّام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر
آہ یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیرگیر؟

(اقبال)

کشمیر

رخت بہ کاشمر گشا کوہ و تل و دمن نگر،
سبزہ جہاں جہاں بہ بیں، لالہ چمن چمن نگر
بادِ بہار موج موج، مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج ، بر سر نارون نگر
لالہ زخاک بر دمید، موج بہ آب جو تپید
خاک شرر شرر بہ بیں، آب شکن شکن نگر
زخمہ بہ تار ساز زن، بادہ بہ ساتگیں بریز
قافلۂ بہار را، انجمن انجمن نگر ــــــ!

(اقبال)

فہرست

پیشِ لفظ

سر اسٹیفرڈ کرپس کا والیان ریاست سے وعدہ، ——— ریاستوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی، ——— نواب بھوپال اسٹیج پر نمودار ہوتے ہیں، ——— ایوان والیان ریاست میں نواب بھوپال کی تجویز، ——— ریاستوں کی طرف سے جنگ کا اعلان، ——— لارڈ ویول کی دوبارہ یقین دہانی، ——— وزیر ہند کی یقین دہانی ریاستوں کو، ——— کابینہ وفد نے نمائندگان رعایا سے ملاقات نہیں کی، ——— نواب بھوپال کے مطالبات کابینہ وفد سے، ——— چھوٹی ریاستیں بھی آزادی کی طالب تھیں، ——— مہاراجہ ڈونگر پور کا میمورنڈم، ——— راجہ بلاسپور جنگ پر آمادہ تھے، ——— سر سی پی آر کا مطالبہ، ——— حیدرآباد آزاد رہے گا، ——— سر مرزا اسماعیل ریاستوں کی تائید میں ——— کابینہ وفد کی واضح یقین دہانی ریاستوں کو،

(۴) خانہ جنگی کا پیش خیمہ صـ۵۳

دستور ہند کا پہلا اجلاس، ——— اقتدار ملتے ہی رنگ بدلنے لگا ——— ایوان والیان ریاست کا مطالبہ ——— نہرو کی یقین دہانی ریاستوں کو ——— پٹیل کا ریاستوں سے مطالبہ ——— نشۂ طاقت کا کرشمہ: بدعہدی، ——— لیاقت علی کا جواب، ——— جبر نہ کرنے کا وعدہ کرنے والے آمر بن گئے ——— نواب بھوپال کا استعفا ——— ایک عظیم خطرہ ——— نہرو اور پولیٹیکل ایجنٹ میں سوال جواب ——— جناح نے نہرو کی تائید کی، ——— ٹراونکور کا اعلان آزادی،

(۵) لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے خدمات جلیلہ ——— خلا پُر کر لیا گیا صـ۶۲

محکمہ امور ریاست ——— ایک محکمہ دو وزیر ——— والیان ریاست کے لئے دام ہمرنگ زمیں، ——— ہندو مسلم کشت وخون کا اثر والیان ریاست پر ——— دفاع کا معاہدہ ہر موقع پر کام دے سکتا تھا، ———

بغیر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تعاون کے کچھ نہیں ہو سکتا، ——— ماؤنٹ بیٹن کو سارے اختیارات سونپ دیے گئے ——— پولیٹیکل ایجنٹ سے میری لڑائی، ——— والیان ریاست کے لئے تسلی بخش بیان ——— والیان ریاست کس طرح جال میں پھانسے جاتے؟ ——— مسلم لیگ بھی اپنا کام کر رہی تھی، ——— پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ دردِ سر بن گیا ——— سر سی پی: "نہ بہ زاری نہ بہ زورے، نہ بہ زری آید" ——— ماؤنٹ بیٹن نے ٹراونکور کو جیت لیا، ——— اور آخر کار، ——— مہاراجہ جودھ پور کی جناح سے سازباز ——— ماؤنٹ بیٹن نے جودھ پور فتح کر لیا، ——— مہاراجہ جودھ پور نے پستول سے مجھ پر نشانہ باندھا ——— بھوپال کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے زیر کر لیا، ——— نواب بھوپال اور سردار کی پُر لطف خط و کتابت ——— مہاراجہ اندور بھی بن گئے ——— عظیم فاتح ماؤنٹ بیٹن

(۶) جوناگڑھ

واقعات و حقائق کی عبرت خیز کہانی ص ۵۸

پاکستان سے الحاق ——— جوناگڑھ کی تاریخ ——— نواب سگ پرست ——— جوناگڑھ کے نواب کا تلون ——— نبی بخش ہندوستان سے الحاق چاہتے تھے ——— سر شاہ نواز بھٹو، ——— دستاویز الحاق ——— سر شاہ نواز کی فریب کاری ——— جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کیوں کیا؟ ——— حکومت ہند کو مطلع نہیں کیا گیا ——— پاکستان سے الحاق کے متوقع خطرات ——— پاکستانی ہائی کمشنر کے نام مراسلہ ——— ماؤنٹ بیٹن کا انتباہ پاکستان کو ——— برطانیہ کے وزیر دولت مشترکہ کی رائے ——— لارڈ اسمے کی بھی نہ سنی گئی، ——— خطوط جو دستیاب ہوئے ———

نواب جوناگڑھ کا خط جناح کے نام ——— کاٹھیاواڑی ریاستوں کی
برہمی ——— جام نوانگر مخبر کی حیثیت سے ، ———
پاکستان کی صفائی لارڈ اسمے کی طرف سے ، ——— ہندوستانی فوج
کی نقل و حرکت ، ——— انگریزوں کی بنائی ہوئی ریزیڈنسی کا منظر ——
——— ریاستیں عام آدمی پر ایک بوجھ ہیں ، ——— سر شاہ نواز
بھٹو کا طرز عمل ، ——— سر شاہ نواز سے میری گفتگو ، ———
——— جوناگڑھ کی مجلس وزراء کا فیصلہ ، ——— بھٹو کے دلائل
اور میرا جواب ———
——— سر شاہ نواز ہندوستان سے الحاق کے حق میں
تھے ، ——— بھٹو کا قول : جناح ضدی آدمی ہے ———
میری پریس کانفرنس ، ——— کاٹھیاواڑی ریاستوں کا نقطۂ نظر ،
——— سامل داس گاندھی کی عارضی حکومت ———
مسٹر مرارجی ڈیسائی سخت اقدام کے طالب تھے ——— سردار منواڑی
حکومت سے خوش نہ تھے ، ——— حکومت ہند اپنا فرض ادا کرے
گی ، ——— وزیر اعظم پاکستان کا تار ، ——— لارڈ ماؤنٹ
بیٹن کی نصیحت ، ——— فوجی نقل و حرکت کا آغاز ———
کانگرسی لیڈروں نے عارضی حکومت بنالی ، ——— حکومت ہند کا بیان
صفائی ——— ماؤنٹ بیٹن کی لیاقت علی سے گفتگو ———
نواب نے راہ فرار اختیار کی ——— عارضی حکومت کا حوصلہ بڑھ گیا
——— بھٹو کا خط جناح کے نام ، ——— ایوان والیان
ریاست کو سب کچھ کرنے کا اختیار ، ——— عارضی حکومت سے
گفتگوئے صلح ، ——— آدھی رات کا فون ، ———
وزیر اعظم پاکستان کے نام تار ——— سردار استصواب رائے کے

(۷) جوناگڑھ سے ملحقہ مسلم ریاستیں ص ۱۱۲

مانگرول ص ۱۱۲

مانگرول میں استصواب کا نتیجہ،

(۸) مانا ودر ص ۱۱۹

مانا ودر کا الحاق — سے لیس و پیش، — خان آف مانا ودر سے ملاقات — خان مانا ودر سے میری صاف صاف گفتگو، — خان نے دوبارہ ملاقات نہیں کی، — خان کا تشدد سیاسی مخالفین پر، — مانا ودر پر بھارت کا قبضہ — مانا ودر میں استصواب رائے عامہ،

(۹) بابریا واڑ ص ۱۲۳

جوناگڑھ کی دراز دستی، — بھارت سے الحاق کی استدعا، — جوناگڑھ سے ہمارا مطالبہ، — جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لینے کی فوج کو ہدایت — "بابریا واڑ جوناگڑھ کا ہے" — سردار کا سخت رویہ، — سردار نے ماؤنٹ بیٹن کی نہیں سنی، — حکومت ہند کا بابریا واڑ پر قبضہ، — بابریا واڑ میں ریفرنڈم،

(۱۰) سردار گڑھ اور بانٹوا ص ۱۲۶

دو آزاد ریاستیں، — حکومت ہند نے تاج برطانیہ کے اختیارات سنبھال لئے، — سردار گڑھ اور بانٹوا پر بھارت کا قبضہ — سردار گڑھ و بانٹوا میں ریفرنڈم کا نتیجہ —

(۱۱) اڑیسہ کی ہندو ریاستیں، پٹھان اور پنجابی مسلمان ص ۱۲۹

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی — "اقلیت" کی حکومت — پٹھانوں اور پنجابی مسلمانوں کا تقرر ناقابل برداشت — ایجی ٹیشن جاری رہا، — ذمہ دار حکومت بھی کامیاب نہ ہوئی، —

ذمہ دار حکومت بے معنی چیز ہے، ——— ذمہ دار حکومت بھی نہ بچا سکی،
——— میری تدبیر کام آئی،

(۱۲) ایک ہندو ریاست جس کا حیدرآباد سے سودا ہو رہا تھا، ص۱۳۵

ایک نئی مصیبت، ——— پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کی شرارت، ———
——— سردار کی سرکار فیلڈ سے گفتگو، ——— مہاراجہ بستر سردار
کی دھمکی ——— اندیشہ صحیح نکلا۔

(۱۳) کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کا خاتمہ، مسلمانوں اور انگریزوں کا دور ص۱۴۰

کاٹھیاواڑ کی مذہبی عظمت، ——— کاٹھیاواڑ پر مسلمانوں کی حکومت
——— طاقتور کی منطق، ——— کاٹھیاواڑ یونین میں
ریاستوں کا ادغام ——— ایک اور رقت انگیز منظر، ———
موروی کی خوبی بھی اسے نہ بچا سکی، ——— کاٹھیاواڑ یونین کا افتتاح،

(۱۴) دکن کی مسلم ریاستیں، ص۱۴۵

جنجیرا اور سوانور ——— یونین کے تخیل سے نہرو کا اتفاق ———
سردار کی زبان پر کچھ تھا دل میں کچھ، ——— سردار یونین کے مخالف بن گئے
——— سردار کا حکم! بمبئی میں مدغم ہو جاؤ ——— والیان ریاست ملازمت کی تلاش میں ———
جنجیرا کو بھی ادغام پر راضی ہونا پڑا،

(۱۵) گجرات کی مسلم ریاستیں ص۱۴۹

پاکستان کی سرحد سے قریب، ——— یونین بنانے کی اجازت
نہ ملی،

(۱۶) بندیل کھنڈ کی ریاستیں ص ۱۵۱

عہد اکبر کی ایک ریاست ——— شہنشاہ اکبر کے قبضہ کے بعد ——— مہاراجہ استصواب چاہتے تھے، ——— وہ رعایت جو حیدرآباد کو نہیں ملی، ——— عوامی لیڈر مہاراجہ کے ساتھ تھے ——— عوامی وزارت رشوت خور ثابت ہوئی، ——— سردار کا فیصلہ: یونین توڑ دی جائے، ——— کانگرس سردار کی مخالف تھی، ——— استصواب رائے سے ہیرا انکار ——— ریوا میں ہیرے خلاف خطرناک عوامی مظاہرہ ——— مہاراجہ نے ڈر کر دستخط کر دیئے، ——— دندھیا پردیش پر یوپی اور سی پی کا جھگڑا،

(۱۷) گوالیار، اندور، اور مالوہ کی مسلم ریاستیں ص ۱۵۸

مالوہ کی تاریخ میں مسلمانوں کا حصہ، ——— مالوہ کی مسلم ریاستیں، ——— رہنمائے مالوہ کو سردار کا حکم ——— سردار کا حکم نافذ ہو گیا۔

(۱۸) مشرقی پنجاب کی سکھ اور مسلم ریاستیں ص ۱۶۱

عہد بابر و شاہجہان کی ایک یادگار ——— کپور تھلہ کی مسلم اکثریت، ——— مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں مسلم و غیر مسلم کا تناسب ——— شیخ عبداللہ و راجہ فرید کوٹ میں جنگ ——— فرید کوٹ پر حکومت ہند کا قبضہ ——— مہاراجہ گوالیار پر دہشت کا دورہ ——— نواب مالیر کوٹلہ سب سے اچھے آدمی تھے ——— پیپسو کا قیام،

(۱۹) **الور اور بھرت پور** ص ۱۱۹

میواتی مسلمانوں کے قتل عام کی گونج

مسلمانوں کے حملہ سے پہلے، ——— اکبر کی رواداری پالیسی، ——
ریاست بھرت پور —— ریاست الور ——— میواتی مسلمانوں پر الور میں ظلم و ستم
——— ڈاکٹر کھارے کا طرز عمل ——
——— میں اچانک الور جا پہنچا ——— گاندھی جی کا قتل اور
مہاراجگان الور و بھرت پور ——— مہاراجہ الور کی نظر بندی ———
بھرت پور پر حکومت ہند کا قبضہ، ——— الور اور بھرت بے قصور
ثابت ہوئے، ——— آخری اعزاز: راج پرکھ ———

(۲۰) **ٹونک** ص ۱۷۳

راجپوتانہ کی واحد مسلم ریاست،

(۲۱) **ریاست کچھ** ص ۱۷۵

سندھی مسلمانوں کے حملے، ——— مہاراؤ کچھ سے میری گفتگو، ——
——— پاکستان کی وجہ سے کچھ کی اہمیت ——— کچھ کے لئے
تعمیری منصوبے ——— ادغام کا معاہدہ،

(۲۲) **ریاست تریپورہ** ص ۱۷۹

مشرقی پاکستان کی ہمسایہ ریاست، ——— تری پورہ کی اہمیت سیاسی
——— ہندوستان سے سلسلہ منقطع ہو گیا، ———
چیف کمشنر کا صوبہ،

(۲۹) ریاست کوچ بہار صـ ۲۰۲

مشرقی پاکستان سے ملی ہوئی ہندو ریاست،

(۳۰) ریاست رام پور صـ ۲۰۴

روہیلہ عہد حکومت کی یادگار ——— نواب کی ہندوستان سے وفاداری،
——— رام پور کا قابل فخر مشرقی کتب خانہ

(۳۱) کشمیر اور جموں صـ ۲۰۷

کشمیر کی قدامت، ——— کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ
کشمیر سکھوں کے قبضہ میں، ——— گلاب سنگھ جموں کا مالک بن گیا،
——— گلاب سنگھ نے کشمیر خرید لیا، ——— صرف پچھتر لاکھ روپے میں ———
افسر بکار خاص، رزیڈنٹ بنا دیا گیا ——— کشمیر کی بین الاقوامی سرحدیں
——— کشمیر کے چار قدرتی حصے ——— تقسیم کے بعد
فرقہ وارانہ تناسب میں فرق آ گیا ——— مسلم کانفرنس، پھر نیشنل کانفرنس
——— گلگت ایجنسی ——— پنڈت کاک ہندوستان کے
خلاف تھے، ——— ماؤنٹ بیٹن کے ہری سنگھ سے پرانے تعلقات
——— لارڈ ماؤنٹ بیٹن کشمیر میں ——— لارڈ اسمے
سری نگر بھیجے گئے، ——— بیچارے مہاراجہ مجبور بھی تھے، ———
——— مہاراجہ نے شیخ چلی کا دماغ پایا تھا، ———
پنڈت کاک رخصت کر دیے گئے، ——— کشمیر پاکستان سے نالاں تھا
——— پاکستان نے کشمیر پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، ——— مہر چند مہاجن وزیر اعظم بن گئے، ———
وزیر اعظم برطانیہ سے فریاد، ——— کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ ———

—— بریگیڈیر راجندر سنگھ کی ہلاکت، —— حملہ آوروں کے عزائم، —— حکومت ہند سے مہاراجہ کی درد بھری اپیل، —— فیلڈ مارشل آکنلک ہمارے ساتھ تھے، —— سری نگر کا ہوائی اڈہ قبرستان بن گیا تھا، —— مہاراجہ دبکے بیٹھے تھے، —— مہاراجہ کشمیر کو بھاگنے کا مشورہ میں نے دیا، —— میں بھی بھاگ کھڑا ہوا —— ماؤنٹ بیٹن کا عیارانہ مشورہ —— مہاراجہ سب کچھ جموں لے گئے —— مہاراجہ کو شیخ عبداللہ پر اعتماد نہ تھا، —— بزدل مہاراجہ کی شیخی، —— سردار ہوائی اڈہ پر بیرے منتظر کھڑے تھے، —— ہندوستانی فوجیں انگریزوں کی جان بچانے کشمیر گئیں، —— دنیا کی تاریخ جنگ کا نادر واقعہ —— ماؤنٹ بیٹن دنگ رہ گئے، —— سری نگر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ، —— کرنل رائے کو ہلاک ہونے کے بعد تمغہ ملا، —— جناح کا حکم "کشمیر پر حملہ کردو" —— انگریز کمانڈر انچیف نے جناح کا حکم نہ مانا، —— نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کو سردار کی جھاڑ —— لاہور جانے سے پہلے نہرو بیمار پڑ گئے، —— حکومت پاکستان کا اشتعال انگیز بیان، —— عبداللہ وزیر اعظم بن گئے، —— گلگت پر پاکستان کا قبضہ، —— لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جناح سے گفتگو، —— نشری تقریر میں نہرو کا وعدہ، —— لیاقت علی خاں کی نشری تقریر، —— سردار اور بلدیو سنگھ سری نگر میں —— میجر جنرل کلونت سنگھ —— عبدالرب نشتر اور چودھری محمد علی —— قبائلی حملہ آوروں کی پسپائی —— نہرو کا پارلیمنٹ میں بیان —— لیاقت علی خاں کا تکلیف دہ تار، —— سردار کا نیا شگوفہ، —— نہرو لیاقت علی ماؤنٹ بیٹن —— لیاقت علی خان کا جواب —— نہرو نے لیاقت علی خاں سے کیا کہا —— گفت و شنید ناکام —— ماؤنٹ بیٹن کی تجویز مان لی گئی، —— سردار خلاف تھے، ——

نہرو کی فرد قرار دادِ جرم ———— ہندوستان کا پاکستان سے مطالبہ،
———— لیاقت علی خاں کی طرف سے جوابی الزامات، ————
میجر جنرل تھمیا کے کارنامے، ———— جنگ جواناں، ————
ایر وائس مارشل مکوجی اور مہر سنگھ ———— جنگ بند کرنے کا اعلان
———— جنگ بندی کے وقت ہمارا پلہ بھاری تھا، ————
کانگرس نے دو قومی نظریہ پر تقسیم منظور نہیں کی تھی، ———— جناح نے
جودھ پور وغیرہ سے ساز باز کیوں کی، ———— الحاق کے سلسلہ میں حکومت ہند
کا اصول، ———— مجھے محمود غزنوی کے حملے یاد آرہے ہیں، ————
ہمارا مقصد توسیع مملکت نہ تھا، ———— قبائلی حملہ آوروں کا نقشہ جنگ
انگریزوں نے بنایا تھا، ———— ہمارے مخصوص معلومات
———— کننگھم بھی مخبر تھا ———— انگریز موقع پر خضرِ راہ ثابت
ہوئے، ———— جنرل طارق یعنی میجر اکبر خان، ————
قبائلیوں کی لالچ نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

(۳۲) کشمیر اور فیلڈ مارشل اکنلک، ص ۲۵۵

(۳۳) بڑودہ اور جوناگڑھ کا فرق ص ۲۶۰

گراں بہا تحفہ، ———— مہاراجہ اور سیتا دیوی، ————
مہاراجہ کی شرط تعاون، ———— مہاراجہ گجرات کے بادشاہ بننا چاہتے تھے،
———— سردار کا کورا جواب، ———— ذمہ دار حکومت
کا قیام، ———— وزیر اعظم بڑودہ کے انکشافات، ————
مہاراجہ کی معزولی کا مطالبہ، ———— مہاراجہ نے خزانہ اور جواہر خانہ صاف
کر دیا، ———— عوامی وزارت سے مہاراجہ کی ان بن ————
مہاراجہ کی بے اعتدالیاں، ———— صدر جمہوریہ کی خدمت میں معروضہ

——— مہاراجہ نے عوام کی تنظیم شروع کردی، ———
حکومت کا انتظام ناقص تھا، ——— مہاراجہ کی معزولی کا فیصلہ،
——— مرارجی ڈیسائی کا خط، ——— بڑودہ کا انجام
دیکھ کر دوسرے ڈر گئے، ——— صدر جمہوریہ سے فریاد
——— مہارانی شانتا بائی، ——— مہاراجہ نے ہتھیار
ڈال دیئے، ——— مہارانی شانتا دیوی کی اپیل،

(۳۱) جھلکیاں ص۲۷۲

کانگرسی لیڈر بھی روڑا اٹکاتے تھے ——— مسٹر منشی آزاد گجرات کے حامی تھے
——— سردار نے مجوزہ معاہدہ نہیں مانا ———
مرہٹہ برہمن فساد ——— عبرت ——— سبق آموز واقعہ،
——— مثال بھی کام نہیں دیتی تھی، ——— اشک شوئی
——— کولھاپور پر کس طرح قبضہ کیا گیا، ———
سردار معاہدہ بھی منسوخ کر دیتے تھے، ——— انگریزوں کی تقلید
——— جادو کی چھڑی ——— شاہنشاہ جہانگیر کا عطیہ
شاہجہان کا عطیہ ——— سرکاری ملازمت ———
"مرزا" راجہ جے سنگھ ——— خلاف قانون ——— سردار کی
خود اعتمادی ——— مہاراجہ سے گفتگو ——— گورنر جنرل کی بات نہیں مانی گئی، ———
مہاراجہ کو چین کی یاد خدا ——— کبھی ایسا بھی ہوتا تھا ———
حیدر آباد کا اصول الگ کشمیر کا الگ؟ ——— کشمیر اور حیدر آباد کا فرق
——— کشمیر کے مسلمان اور حیدر آباد کے ہندو ———
ریاستہائے ہند کا انجام ——— عجیب انکشافات ———
——— ملحقہ ریاستوں کے بدقسمت باشندے، ———

تلون کیشیاں ——— بے نغار یاستوں کا حال ——— اعتراف قصور
——— غلام کی آزادی ——— کشمیر کی سعادت مندی
——— صیاد کا اقبال ——— ایک اور عہد شکنی ———
وعدے : جو فراموش کر دیئے گئے ——— نظام سے "حسن سلوک"
——— نظام پر عنایتوں کی بارش ——— سٹریں خبر کا پہلو،
——— شیخ عبداللہ کا جرم ——— مطلق العنانی کی تعریف
قیمت خرید ——— اصول میں لچک ——— کانگرس کی بے بسی،

(۳۵) ہندوستان کی خاص خاص ریاستیں صـ ۲۹۳ رقبہ، آبادی، آمدنی،

ریاست جونا گڑھ ——— اڑیسہ کی ریاستیں ——— ریاستہائے دکن
——— ریاستہائے گجرات ——— بندیل کھنڈ کی ریاستیں ———
ریاست ریوا ——— باگھیل کھنڈ اور متعلقہ ریاستیں ——— مالوا کی
ریاستیں، ——— پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کی ریاستیں ——— نیسا یونین ——— راجستان
یونین ——— گریٹر راجستان یونین ——— ٹراونکور کوچین یونین ——— ریاست کچھ ———
ریاست تری پورہ ——— ریاست منی پور ——— ریاست بلاسپور ———
——— پنجاب ہل اسٹیٹس ——— ریاست پڈوکوٹائی ———
ریاست بنگا پلانی ——— ریاست سندور ——— ریاست کوچ بہار
——— ریاست دوجانہ ——— ریاست لوہارو ——— ریاست
پٹودی، ——— ریاست رام پور ——— ریاست بنارس
——— ٹہری گڑھوال ——— ریاست حیدر آباد، ———
ریاست بڑودا،

•

سنہ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس بہ مقام لندن منعقد ہوئی، جس میں ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں مدعو کی گئیں، والیان ریاست کو بھی نمائندگی دی گئی، تشکیل وفاق کے لئے جو سب کمیٹی لارڈ سینکے کی صدارت میں "فیڈرل اسٹرکچر" کمیٹی کے نام سے بنی اس میں کانگرس کے واحد نمائندے گاندھی جی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"کانگرس نے ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرکے انکی بہت بڑی خدمت کی ہے"!

•

پیش لفظ

آزادیٔ ہند کے بعد ضرورت تھی کہ انتقالِ اختیارات اور ریاستہائے ہند کے الحاق سے متعلق کوئی معتبر و مستند کتاب لکھی جاتی، یہ کام وہی شخص کرسکتا تھا جو عملی طور پر ان تمام مراحل میں شریک رہا ہو۔ ہندوستان نے اپنا فرض ادا کر دیا، پاکستان نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی۔

راؤ بہادر وی پی مینن تقسیمِ ہند کے وقت وائسرائے کے دستوری مشیر تھے اور تقسیم ہند کے بعد جب وہ اپنی ملازمت کے تیس سال ختم کر چکے تھے تو سردار پٹیل نے انھیں وزارت امورِ ریاست کا سیکرٹری بنا لیا۔ گویا انتقالِ اختیارات کے تمام مراحل اور انڈین یونین سے ریاستی ہند کے الحاق وادغام کے تمام مورچے طے اور سر کرنے میں مینن صاحب ایک فعال کارکن کی حیثیت سے شریک رہے۔ انھوں نے ان دونوں مسائل پر الگ الگ کتابیں لکھیں۔ انتقالِ اختیارات سے متعلق ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا Transfer of power in India کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ ریاست ہائے ہند کے الحاق وادغام کی داستان The Integratior of the Indian States کے نام سے سپردِ قلم کی۔

ان کتابوں کی طبع واشاعت کے مصارف کا بڑا حصہ راک فیلر فاؤنڈیشن Rockfeller foundation نے عطا کیا ہے۔ چونکہ راک فیلر فاؤنڈیشن ایک غیر ملکی ادارہ ہے جس نے ایک نہایت مختلف فیہ اور نزاعی مسئلہ کی یک طرفہ تاریخ لکھنے کے سلسلہ میں بیش قرار مالی امداد دی تھی۔ اس لئے مینن صاحب نے اس کا شکریہ ادا کرتے کے بعد مندرجات کی تمام ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے اور غلطی کی برأت کا اعلان کر دیا ہے۔

مجھے یہ تسلیم ہے کہ مسٹر مینن انڈین سول سروس کے ممتاز اور قابل ترین افراد میں سے ہیں اور یہ دونوں کتابیں ان کی ذہانت اور قابلیت کا شاہکار ہیں، لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک مؤرخ کی حیثیت سے نہیں، وکیل کی حیثیت سے لکھا ہے۔ انھوں نے غیر جانبداری کے ساتھ تمام واقعات و مسائل کا جائزہ نہیں لیا۔ بلکہ ایک ہوشیار وکیل کی طرح اپنے موکل کا مقدمہ زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقدمہ کتنا ہی کمزور ہو لیکن اگر کوئی وکیل قابلیت کے ساتھ اسے پیش کرے تو ناکام ہونے کے باوجود وہ سزاوار تحسین و آفرین قرار دیا جاتا ہے۔ مسٹر مینن کا مقدمہ کمزور ہے لیکن جس قابلیت سے اپنے کمزور مقدمہ کو انھوں نے پیش کیا ہے اس کی داد نہ دینا ظلم ہے۔

ایسی کتابیں دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ پاکستان سول سروس کے وہ افراد جو انتقال اختیارات کے مراحل میں شریک اور وزارت امور ریاست سے متعلق رہے اس طرح خاموش ہیں جیسے نہ انھیں لکھنا آتا ہے نہ یہ بولنا جانتے ہیں۔

یہ حضرات بھی اگر قلم اٹھاتے یا زبان کھولتے تو تصویر کے دونوں رخ سامنے آجاتے اور پھر ایک غیر جانبدار قاری آسانی سے فیصلہ کر سکتا تھا کہ حقیقت واقعہ کیا ہے؟

میں نے ریاستہائے ہند کے الحاق سے متعلق مسٹر مینن کی کتاب جب پڑھی تو اندازہ ہوا کہ یک طرفہ اور ایک ہی نقطۂ نظر کی حامل ہونے کے باوجود یہ بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے وہ سیاستدان جو برسہا برس تک عدم تشدد کے پرستار رہے، جنھوں نے اپنی روحانی تطہیر کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ جو رائے عامہ کے معمار، قائد اور پاسبان تھے، جنھوں نے رائے عامہ کی تشکیل میں غیر معمولی اور نمایاں حصہ لیا۔ جن کی زبان پر حق خود ارادیت کا نعرہ تھا جو کبھی اور کسی حال میں فریب کاری کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ جب عنانِ اختیار ان کے ہاتھ میں آئی تو ——— آپ بھی غالب ہمیں سے ہو گئے۔

الحاق کے سلسلہ میں کانگریس نے یعنی حکومتِ ہند نے جو اصول طے کیا تھا وہ قدم قدم پر واقعات

وحقائق کی چٹان سے ٹکرایا، چورچور ہو گیا لیکن کانگرس کی جبین سیاست پر نہ عرق ندامت کے قطرے نظر آئے، نہ چہرے سے ضمیر کی خلش کا اظہار ہوا۔ جس اصول کی وہ حیدر آباد میں علمبردار تھی، جوناگڑھ میں اس پر قائم نہ رہی جس اصول کا اس نے جوناگڑھ میں مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا اطلاق کشمیر میں نہ کر سکی جو بات اسے گوالیار اور اندور میں درست نظر آئی، بھوپال اور رام پور میں وہ غلط ہو گئی، خاص طور پر اسٹیٹس کو اس نے جو سہولتیں دیں، وہ جنجیرہ، کھمبایت، مانگرول، مانا ودر، پالن پور، ٹونک اور دوسری مسلم ریاستوں کو نہ دے سکی۔ حکومت کے نشے نے اسے بے اصول بنا دیا۔ طاقت کے زعم نے اس کا ضمیر مردہ کر دیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخ اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

میں نے پوری کتاب کا ترجمہ نہیں کیا، صرف ان ریاستوں کے بیان الحاق پر اکتفا کیا ہے جو مسلمان تھیں یا وہ ہندو ریاستیں جو پاکستان میں شرکت کی متمنی تھیں۔ یا وہ بدقسمت ہندو ریاستیں جو پاکستانی سرحد کے قریب واقع ہوئی تھیں اور اس لئے ہدف ستم بننے سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اس سلسلے میں جو واقعات نظر کے سامنے آئیں گے وہ اپنی معنویت اور دلچسپی کے اعتبار سے ناقابل فراموش ہوں گے۔

زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہو گی کہ ہندوستان کی کوئی ریاست خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی رضاکارانہ طور پر انڈین یونین سے الحاق پر رضامند نہیں تھی اور کانگرس از روئے معاہدہ کسی ریاست کو الحاق پر مجبور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن عملی طور پر کانگرس نے نہ صرف ہندوستانی ریاستوں کو انڈین یونین سے ملحق کیا بلکہ ریاستوں کی سالمیت اور انفرادیت کا خاتمہ بھی کر دیا۔

مستقبل کا مورخ انہی دستاویزی تحریروں کو سامنے رکھ کر اپنی تاریخ مرتب کرے گا میں نے اردو میں اس کا کچھ مسالہ فراہم کر دیا ہے۔

مسٹر مینن نے ریاست حیدر آباد پر، وہاں کی سیاست، حیدر آباد اور حکومت ہند کی کش مکش اور پھر پولیس ایکشن پر جو گوہر افشانیاں کی ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ملیں گی۔ کیونکہ اس پورے حصہ کا ترجمہ میں اپنی دوسری کتاب "حیدر آباد —— جو کبھی تھا" میں دے چکا ہوں۔ اب اس کے اعادہ اور تکرار کی ضرورت نہ تھی۔ مذکورہ کتاب بھی میسرز شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کی ہے۔

ہماری اردو زبان میں سیاسیات پر بہت کم مواد موجود ہے۔ اس لئے کہ لوگ سیاسی مسائل

سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ میں اپنے ناشرین کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مالی منفعت کا خیال کئے بغیر محض جذبۂ خدمت سے متاثر ہو کر یہ کتابیں شائع کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ان کی اس حوصلہ افزائی نے مجھ میں ولولۂ کار پیدا کیا۔ میں نے خدا کا نام لے کر اہم اور ضروری حصص اردو میں منتقل کر دیئے۔

رئیس احمد جعفری
۸۹۔ ٹیگور پارک۔ لاہور

(۱)

بازی گاہِ عمل

جغرافی وحدت ہندوستان ایک جغرافی وحدت ہے، لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وسیع سرزمین سیاسی وحدت کبھی نہ حاصل کر سکی، اگرچہ شروع زمانہ ہی سے ایک وحدت بنانے کی کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا، چھٹی صدی قبل مسیح میں مگدھ فرماں رواؤں نے یہ کوشش کی، لیکن تین سو سال بعد جا کر کہیں یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ موریا بادشاہوں، اور خاص طور پر اشوکا کے زمانہ میں ہندوستان کا ایک بہت وسیع حصہ ایک ہی جھنڈے تلے آگیا۔

موریا خاندان صرف ایک صدی تک تخت حکومت پہ قابض رہا، اس کے خاتمہ کے بعد ملک پھر بہت سی چھوٹی چھوٹی آزاد اور خود مختار حکومتوں میں بٹ گیا، پھر پانچ سو برس بعد چندر گپتا اور اس کے زندہ جاوید فرزند سمدرا گپتا نے ملک کے ایک بہت بڑے حصے کو زیر نگیں کر لیا، پھر ساتویں صدی میں ہرش نے پورے شمالی ہند میں اپنی سلطانی کا جھنڈا گاڑ دیا، یہ اور اس طرح کی دوسری کوششیں جو وحدت ہند کے لئے بروئے کار لائی گئیں، بار بار ناکامی سے دوچار ہوئیں، اور اس ناکامی کا اصل سبب یہ تھا کہ ملک کی فلاح و ترقی کا انحصار شخصیتوں پر یعنی بادشاہ کی ذات پر تھا، جہاں کوئی اس طرح کی ما فوق الانسان ہستی دنیا سے رخصت ہوئی اس کی شاہی اور کار فرمائی کا بھی خاتمہ ہو گیا،

جب کبھی بھی بادشاہ وقت کی قوت کمزور پڑی فوراً ہی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے آزادی اور خود مختاری حاصل کرلی، بالادستی کے لئے ایک مسلسل کشمکش جاری تھی، باہمی رشک و رقابت اور خانہ جنگی نے، ہندوستان کو منظم غیر ملکی حملوں کی آماجگاہ بنادیا،

محمد بن قاسم سے علاؤالدین خلجی تک

چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑی آسانی سے، ہندو سلطنتوں اور بادشاہتوں کا شمالی ہند میں نام و نشان مٹادیا، مسلمانوں کو پہلی فتح آٹھویں صدی میں حاصل ہوئی، جب عربوں نے محمد قاسم کی سربراہی میں سندھ فتح کیا لیکن شمالی مغربی علاقہ سے مسلم حملہ آوروں کا تانتا گیارھویں صدی میں محمود غزنوی کے فتوحات سے شروع ہوتا ہے، شمالی ہند میں مسلمانوں کی حکومت ۱۲۰۶ء میں قائم ہوئی جبکہ قطب الدین ایبک نے اپنے سلطان دہلی ہونے کا اعلان کیا، ۱۲۰۶ء سے لیکر ۱۵۲۶ء تک دہلی پر یکے بعد دیگرے پانچ مسلمان خاندانوں اور ۳۲ سلطانوں نے حکومت کی، ان سلاطین نے وقتاً فوقتاً اپنے حدود مملکت میں توسیع کی مسلسل جدوجہد کی، اور علاؤالدین خلجی پہلا مسلمان فرماں روا تھا جس نے عملی طور پر سارے ہندوستان کو مکمل طور پر زیر نگیں کرلیا،

بابر سے اکبر تک

مغل ۱۵۲۶ء میں نمودار ہوتے ہیں، جبکہ بابر نے پانی پت کے میدان میں سلطان دہلی کو شکست فاش دی، اس نے راجپوتوں کی مضبوط اور مقتدر قوتوں کو بھی توڑ کر رکھ دیا۔ آخری معرکہ کھنوا میں ہوا، جس نے راجپوتوں کی کمر توڑ دی اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہمیشہ کے لیے کردیا، اور اس طرح خاندان مغلیہ کی نبیاد پڑی، بابر کے پوتے اکبر کے زمانہ میں مغلوں کا آفتاب اقبال نصف النہار تک پہنچ گیا۔

سلاطین دہلی اور مغلوں میں سے کسی نے بھی، ماتحت فرماں رواؤں کا سلسلہ ختم نہیں کیا اور ایسا کرنا کسی طرح ممکن بھی نہ تھا، اکبر پہلا شخص ہے جس نے باج گزار ریاستوں اور شہنشاہ مطلق کے مابین تعلقات کے سلسلہ میں بنیادی اصول وضع کئے، اس نے اپنی بالادستی ان باج گزار ریاستوں کا الحاق کرکے قائم کرلی۔ شہنشاہ کا اختیار و اقتدار غیر مشروط طور پر قبول کرلیا گیا، اس نے یہ اختیار بھی حاصل کرلیا کہ وفاداری کے الزام میں جس راجہ کو چاہے معزول کردے، البتہ اندرونی طور پر اپنے حدود ریاست میں انھیں وہی اختیارات حاصل تھے جو شہنشاہ کو سارے ملک میں

حاصل تھے۔

انگریزوں کا شاندار کارنامہ

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال مغل حکومت کے خاتمہ کا نشان تھا، دکن کے مسلمان سلاطین بیجاپور اور گولکنڈہ کو شکست دینے اور مرہٹوں کو ختم کرنے کے لئے اس نے جو طویل اور مسلسل جنگ جاری رکھی اس نے سلطنت کے وسائل کمزور اور محدود کر دیے، علاوہ ازیں مذہبی تعصب اور تنگ نظری نے اسے ہندوؤں کی وفاداری اور تعاون سے بھی محروم کر دیا، ایک مرتبہ جب اس کا مضبوط ہاتھ موت کے پنجہ میں آیا تو ماتحت اور باج گزار ریاستوں، نیز گورنروں اور اورنگ زیب کے وائسرایوں نے اپنی اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور فوراً ہی سیاسی اور جنگی زور آزمائیوں نے ساری سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے صرف ۲۵ سال کے اندر مغل حکومت پارہ پارہ ہوگئی، اور ملک طوائف الملوکی کا شکار ہوگیا، لاقانونی اور بدامنی عام ہوگئی۔

یہ بات بہرحال پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہندو اور مغل حکومت کے عہد بہار میں بھی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سارا ملک ایک سیاسی جھنڈے تلے آگیا ہو، یہ کارنامہ صرف انگریزوں کے مقسوم میں لکھا تھا کہ انھوں نے اس ملک میں سیاسی و انتظامی وحدت پیدا کر دی، کچھ انگریزوں کے اس کارنامہ کے باعث، اور کچھ جذبۂ قومی کی بیداری کے باعث آزاد ہندوستان کی حکومت کو ریاستی ہند کے الحاق میں جبر اور زبردستی سے کہیں شاذ ہی دوچار ہونا پڑا، اور آج پہلی مرتبہ صورت حال یہ ہے کہ ایک مرکزی حکومت، گیلاش پربت سے کنیا کماری تک، اور کاٹھیاواڑ سے کامروپ (آسام کا قدیم نام) تک برسرکار ہے، اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ ایک نظر اس امر پر بھی ڈال لی جائے کہ انگریزوں نے اپنے آپ کو کس طرح مستحکم کیا اور ریاستی ہند کا وجود قائم رکھا؟

مرہٹوں سے عوام نفرت کرتے تھے

مغل حکومت کا شیرازہ جب بکھرا تو جو قوت پوری شان جبروت کے ساتھ نمودار ہوئی، وہ مرہٹے تھے، شیواجی نے ایک مضبوط و مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی، لیکن ہندو ایمپائر کے احیاء کا یہ سنہلا خواب اہل جانشین سے محروم رہا، شیواجی کی وفات کے بعد، رفتہ رفتہ پیشوا، وزارت سے تخت حکومت

تک پہنچ گئے، شروع شروع میں تو ان کی روش سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ عظیم مرہٹہ حکومت کو قائم رکھ سکیں گے، لیکن جو کچھ پہلے ہندوؤں پر، اور پھر مغلوں پہ گزری تھی، وہی پیشواؤں پر بھی گزری۔ پیشوا کا دربار سازش اور استحصال کا مرکز تھا، علاوہ ازیں سندھیا اور ہلکر کی آویزش بھی ایک موثر عامل تھی، ان دونوں چیزوں نے ملکر مرہٹوں کا اتحاد ختم کر دیا، مرہٹہ فوجوں کا فریضہ یہ تھا کہ بہ جبر و قوت عوام سے محاصل اور ٹیکس وصول کریں، اس جبر و قوت کے مظاہرے میں اتنی یکسانیت تھی کہ انھوں نے ہندو مسلم امتیاز بھی نہیں روا رکھا، دونوں کو ایک ہی تیر سے شکار کیا، مفتوحہ علاقوں میں "چوتھ" اور "سردیش مکھی" کے نام سے بڑے بڑے محاصل کا نافذ کرنا، اور ان محاصل کو وصول کرنے کے لئے "ملک گیری"[۱] کے ذریعہ جبر و جور کا مظاہرہ، ایسی چیز تھی جس نے لوگوں کے دل میں ان کے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کر دی۔

لارڈ ویلزلی کی پالیسی

اٹھارویں صدی کے بالکل آخر میں، ویلزلی ہندوستان کا گورنر جنرل ہو کر آیا۔ حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانیہ کے لئے سارے ہندوستان میں بالادستی حاصل کر لینے کے روشن اور واضح امکانات موجود ہیں۔ لارڈ ویلزلی Wellesley کے فوجی اقدامات و فتوحات سے قطع نظر اس کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے ہندوستانی والیان ریاست کے ساتھ، ایک اصول کے ماتحت فوجی امداد کا نظام قائم کر لیا، اس اصول کے مطابق، کوئی ریاست جو انگریزوں کی فوجی امداد سے متمتع ہو، ان کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کسی دوسری ریاست سے نہ جنگ شروع کر سکتی تھی، نہ اس سے کسی طرح کے معاملات طے کر سکتی تھی، بڑی ریاستیں اس امر پہ مجبور تھیں کہ اپنی ریاست میں جو فوج رکھیں اس کے کماندار انگریز ہوں، تاکہ عام امن و امان قائم رہے اس اعانتی فوجی انتظام کو قائم اور مستحکم رکھنے کے لئے والیان ریاست کوئی علاقہ انگریزوں کو دے سکتے تھے تاکہ آسانی سے مصارف کی پابجائی ہو سکے، چھوٹی ریاستیں، ایسٹ انڈیا کمپنی کو خراج

---

(۱) "ملک گیری" مرہٹوں کی اس فوج کا نام تھا جو "چوتھ" اور "سردیش مکھی" وصول کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔

دیتی تھیں، اس علاقہ اور خراج کے جواب میں انگریز ان والیان ریاست کو اندرونی خلفشار سے بچاتے تھے، اور دشمن سے محفوظ رکھتے تھے، یعنی اندرونی بغاوت، اور بیرونی حملہ سے بچاؤ کی ذمہ داری، انگریزوں نے لے لی تھی، ہر اس ریاست میں جس نے یہ اعانتی اسکیم منظور کی تھی، انگریزوں نے ایک ریزیڈنٹ بھی مقرر کر دیا۔

۱۸۰۵ء میں جب ویلزلی کا دور ختم ہوا تو برطانوی حکومت کے حدود میں قابل لحاظ توسیع ہو چکی تھی، ویلزلی نے کامیابی کے ساتھ ٹیپو سلطان کو ختم کر دیا، ٹیپو سلطان کی شکست اور موت نے (جو ۱۷۹۹ء میں واقع ہوئی) برطانوی حکومت کو ایک بہت بڑے خطرے سے بچا لیا، پھر اس نے آسانی کے ساتھ ہندوستان میں فرانسیسیوں کا اثر و نفوذ بھی ختم کر دیا، ان کامیابیوں کے علاوہ ویلزلی نے حیدر آباد، ٹراونکور، میسور، بڑودا، اور گوالیار کو، اعانتی فوجی اسکیم کے جال میں پھانس لیا، اس پالیسی کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانے میں اس کے رفقاء، جان مالکم Jhon Malcolm چارلس مٹکاف Charles Metcalfe الفنسٹن Elphinstone اور اس کے عظیم بھائی آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن Duke of Wellington کے نام سے مشہور ہوا) نے بھی غیر معمولی حصہ لیا،

وارن ہیسٹنگز کا دور ۱۸۱۳ء میں وارن ہیسٹنگز Warren Hastings گورنر جنرل ہو کر آیا، اس نے نیپال کو زیر کیا، پنڈاریوں کا خاتمہ کیا، مرہٹوں کی قوت پارہ پارہ کر دی، ۱۸۲۲ء میں جب یہ اپنی میعاد پوری کر کے واپس گیا، تو ہندوستان میں برٹش امپائر قائم ہو چکی تھی، ہندوستان کی ہر ریاست پنجاب اور سندھ کے سوا ایسٹ انڈیا کمپنی کی بالادستی قبول کر چکی تھی، گورنر جنرل کی سرکاری مہر پر اب "مغلیہ حکومت کا جان نثار خاص" کندہ نہیں ہوتا تھا، کیونکہ اب اس کی جگہ برطانوی حکومت نے لے لی تھی، کمپنی کا اقتدار اب اتنا بڑھ گیا تھا کہ ریزیڈنٹ کی حیثیت ایک غیر حکومت کے نمائندہ کی نہیں رہی، بلکہ حکومت مسلطہ کے با اختیار کارفرما کی ہو گئی، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ کرنل میکاولی Col. Maculay نے ایک مرتبہ راجہ کوچین کو لکھا۔

ہ ریذیڈنٹ کو خوشی ہوگی اگر اس کے کوچین پہنچنے کے وقت راجہ کوچین ملاقات کے لئے حاضر رہیں گے،"!!

۱۸۳۴ء میں کورگ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا، سندھ پر بغیر کسی وجہ اور سبب کے لارڈ ایلن برو Lord Ellen Borough کے عہد گورنری میں قبضہ کر لیا گیا، لارڈ ڈلہوزی Dalhousie نے کمپنی کے لئے اور بھی بہت سی ریاستیں مہیا کر دیں، ستارہ ناگ پور، جھانسی، سمبل پور اور دوسری کئی ریاستیں اس نے زبردستی کمپنی کے علاقہ میں شامل کر لیں۔

پالیسی میں تبدیلی

لیکن ۱۸۵۸ء میں یہ پالیسی بدل گئی، غدر میں انگریزوں نے محسوس کیا کہ برطانوی حکومت کے قیام و استحکام میں ان سے کافی مدد مل سکتی ہے، چنانچہ ملکہ وکٹوریہ نے اپنے مشہور اعلان میں کہا۔

ہم اپنے علاقائی مقبوضات میں مزید توسیع کے خواہشمند نہیں ہیں، اور جہاں ہم اپنے حدود مملکت میں یا اپنے حقوق پر کسی طرح کا حملہ اور مداخلت برداشت نہیں کر سکتے، وہاں ہم دوسروں سے بھی وہی برتاؤ کریں گے، دیسی والیان ریاست کے حقوق، وقار اور احترام کا تحفظ ہمارا فرض ہے، اور ہماری تمنا ہے کہ وہ بھی بہتر مستقبل سے بہرہ ور ہوں جو صرف داخلی امن اور اچھی حکومت کا نتیجہ ہو سکتا ہے"۔

لارڈ ڈلہوزی نے جتنی بے دردی کے ساتھ الحاق کی پالیسی پر عمل کیا تھا کہ اس کا رد عمل ——— ریاستوں کے دوام و استمرار کی صورت میں رونما ہوا،

۱۸۶۰ء کے ایک مراسلہ میں لارڈ کیننگ Canning نے برطانوی حکومت سے سفارش کی کہ ریاستوں کا وجود نہ صرف دوامی اور استمراری طور پر قائم رکھا جائے بلکہ انھیں اپنے جانشین منتخب کرنے کا اختیار بھی دیا جائے۔ وزیر ہند نے یہ سفارش منظور کر لی اور ایک سند میں اس امر کی وضاحت کر دی۔

ایک نئی پالیسی انگریزوں نے یہ طے کی کہ اگر کوئی والیٔ ریاست بدانتظامی کا مجرم ثابت ہو تو اسے معزول کر دیا جائے گا، لیکن اس کی ریاست قائم رکھی جائے گی،

ریاستی رعایا برطانوی رعایا نہیں

دستوری طور پر ہندوستان کی ریاستیں برطانوی ہند سے الگ تھیں، ان کی رعایا برٹش رعایا نہیں تھی، برطانوی پارلیمنٹ کوئی قانون کسی ریاست، یا رعایائے ریاست کے بارے میں منظور کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی، ریاستیں برطانوی ہند سے اسی طرح الگ کر دی گئی تھیں، جیسے ہندوستان کو ایشیا سے الگ کر دیا گیا تھا، حد یہ ہے کہ حکومت ہند کے اعلیٰ عہدہ دار بھی پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی اجازت حاصل کئے بغیر کسی ریاست میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے،

مانٹیگو چیمسفورڈ سفارش

۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں مانٹیگو Montagu اور چیمسفورڈ Chelmsford نے دستوری اصلاحات سے متعلق اپنی مشترک رپورٹ شائع کی، اس رپورٹ میں والیان ریاست کو زریں الفاظ میں ان خدمات پہ جو انھوں نے جنگ عظیم میں انجام دیے تھے، خراج تحسین پیش کیا گیا تھا، اس رپورٹ کی ایک سفارش یہ بھی تھی ——— کہ ایک ایوان والیان ریاست قائم کیا جائے، اور والیان ریاست کی ایک مجلس قائمہ ہر سال منتخب ہوتی رہے، جو ان معاملات پہ جو ریاستوں سے متعلق ہوں، پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو مشورے دیتی رہے، اس رپورٹ میں یہ سفارش بھی کی گئی تھی کہ اگر کچھ ریاستوں میں باہمی تنازعہ ہو یا کسی ریاست اور صوبے میں تنازعہ ہو، یا کسی ریاست اور حکومت ہند میں تنازعہ ہو تو وائسرائے ایک کمیشن مقرر کریں گے، جو ہائی کورٹ کے ایک جج اور طرفین کے ایک ایک نمائندے پر مشتمل ہوگا۔ نیز اگر کسی والیٔ ریاست کو اس کے حقوق اور اعزاز سے محروم کرنے اور تخت ریاست سے معزول کرنے کا سوال پیدا ہو تو وائسرائے ایک کمیشن مقرر کریں گے، جو ہائی کورٹ کے ایک جج دو والیان ریاست اور دو نامزدگان حکومت ہند پر مشتمل ہوگا،

۸۔ فروری ۱۹۲۱ء کو شاہی اعلان کے مطابق ایوان والیان ریاست وجود میں آگیا، جس کا افتتاح بادشاہ کی طرف سے دہلی کے لال قلعہ میں ڈیوک آف کناٹ Duke of Connaught نے کیا۔

لیکن حیدر آباد اور میسور کی ریاستیں ایوان والیان ریاست میں شریک نہیں ہوئیں۔ (۱)

---

(۱) نظام حیدر آباد نے ایوان والیان ریاست میں اس لئے شرکت نہیں کی تھی کہ وہ اپنے آپ کو عام زمرۂ والیانِ ریاست سے الگ سمجھتے تھے، ان کا دعویٰ تھا کہ وہ معاملات خارجہ، اور دفاع و مواصلات کے علاوہ اندرونی اور داخلی طور پر آزاد، اور خود مختار ہیں، حیدر آباد میں جو حیثیت نظام کی ہے وہی انگلستان میں بادشاہ برطانیہ کی۔

اس موقف پر حیدر آباد آخر وقت تک قائم رہا، یہاں تک کہ آزاد ہندوستان نے پولیس ایکشن کرکے اس کا وجود ہی ختم کر دیا۔

(۲)

سنگِ گراں

دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا سالانہ جلسہ ناگپور میں ہوا، اس اجلاس میں کانگریس کی یہ پالیسی واضح طور پر طے کی گئی کہ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں وہ مداخلت نہیں کرے گی جنوری ۱۹۲۵ء میں گاندھی جی نے کاٹھیاواڑ پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جس طرح نیشنل کانگریس ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی حکومت کے معاملات میں کوئی مؤثر آواز نہیں رکھتی اسی طرح وہ ہندوستانی ریاستوں اور ریاستوں کی رعایا کے مابین بھی کوئی اثر انگیز مداخلت نہیں کرسکتی۔

اپریل ۱۹۲۶ء میں لارڈ ارون (IRWIN) وائسرائے ہوکر ہندوستان آئے ان کی تحریک پر مارچ ۱۹۲۷ء میں ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پر نظرثانی اور مزید سیاسی اصلاحات کی سفارش کرنے کے لئے سرجان سائمن (Sir Jhon Simon) کی زیر صدارت نومبر ۱۹۲۷ء میں ایک کمیشن کا اعلان ہوا۔

ہندوستانی ریاستیں اس فریم سے باہر نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو سرہارکورٹ بٹلر (Sir Harcourt Butler) کی زیر صدارت ایک کمیشن کا تقرر کیا گیا جنوری ۱۹۲۸ء

میں کمیشن نے سولہ ریاستوں کا دورہ کیا کمیشن نے ریاستی ہند کے عوامی نمایندوں سے کوئی گفت و شنید نہیں کی، والیانِ ریاست نے برطانیہ کے ممتاز قانون داں اور ماہر دستور سر لیزلی اسکاٹ (Sir Leslie Scott.) کی سربراہی میں متعدد وکیل اپنی طرف سے پیروی کے لئے مقرر کیے، حیدرآباد، میسور، ٹراونکور اور کاٹھیا واڑ کی بعض ریاستوں نے براہ راست اپنا کیس تحریری طور پر پیش کیا۔

سر لیزلی اسکاٹ نے اپنی بحث میں اس بات پر زور دیا کہ دیسی ریاستیں بنیادی طور پر اختیاراتِ خود مختاری رکھتی ہیں۔ سوا ان معاملات کے جو انھوں نے اپنی مرضی سے تاجِ برطانیہ کو سونپ دیئے ہیں۔ موصوف نے اپنی بحث میں یہ بھی کہا کہ بالادستی کے اختیارات تاجِ برطانیہ صرف ریاستوں ہی کی منظوری سے برت سکتا ہے۔ موصوف نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ تاجِ برطانیہ بلا شبہ بعض صورتوں میں مداخلت کا حق رکھتا ہے، لیکن اس حق کا مطلق طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا، سر لیزلی اسکاٹ نے ایک اور نظریہ بھی پیش کیا، انھوں نے کہا کہ بالادستی کی قوت صرف تاجِ برطانیہ کو حاصل ہے، نہ کہ کسی اور کو، اور وہ تاجِ برطانیہ ہی ہے جسے ریاستوں نے معاملاتِ خارجہ، بیرونی و اندرونی تحفظ کی ذمہ داری سونپی ہے، لہٰذا ریاستوں کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی وفاداری تاجِ برطانیہ کے علاوہ کسی تیسری پارٹی کی طرف منتقل کر دیں۔

بٹلر کمیٹی نے سر لیزلی اسکاٹ کی کئی باتیں نہیں مانیں لیکن یہ نامعقول مطالبہ منظور کر لیا کہ والیانِ ریاست کو بغیر ان کی رضامندی کے برطانوی ہند کی حکومت ہند کے حوالے نہیں کیا جائے۔ بٹلر کمیٹی نے یہ بھی تجویز کیا کہ وائسرائے نہ کہ گورنر جنرل ان کونسل ریاستوں کے تمام معاملات میں تاج کا نمایندہ تسلیم کیا جائے گا۔

۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی زیرِ صدارت ایک دستوری کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ نہرو کمیٹی صرف برطانوی ہند کے لئے دستور بنانے پر مامور تھی، لیکن دورانِ کار میں اس نے محسوس کیا کہ ریاستوں کو بھی زیرِ بحث لانا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ایک انڈیا فیڈریشن کی تجویز منظور کی، کہ یہی ریاستوں کی دشواری کا حل تھا۔ نہرو کمیٹی نے ریاستوں کو یقین دلایا کہ اگر انھوں نے وفاق میں شرکت منظور کر لی تو ہم دلی مسرت سے انھیں خوش آمدید کہیں گے اور اپنے امکان بھر انھیں

پورے طور پر ان کے حقوق سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہاں کے نظام حکومت میں اصلاح کی جائے۔ نہرو کمیٹی نے اپنے دستوری مسودے میں ایک دفعہ یہ رکھی کہ وہ تمام معاہدات جو والیانِ ریاست اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوئے، نیز بعد کے وہ معاہدات جو اب تک نافذ ہیں برطانوی حکومت ان سب کو تسلیم کرلینے کی پابند ہوگی۔ نہرو کمیٹی نے بٹلر کمیشن کی یہ تجویز بھی منظور کرلی کہ بالادستی کا حق وائسرائے استعمال کرے گا نہ گورنر جنرل ان کونسل۔

۱۹۳۰ء کے موسم سرما میں پہلی گول میز کانفرنس کا لندن میں انعقاد ہوا، اس وقت کے وزیراعظم مسٹر ریمزے میکڈانلڈ (Ransy MacDonald) نے صدارت کی، اس کانفرنس میں برطانوی ہند کے ستاون نمایندے اور ریاستی ہند کے سولہ نمایندے شریک ہوئے۔ ان نمایندوں میں کشمیر، بڑودہ، پٹیالہ، اندور، بیکانیر، بھوپال، ریوا، الور، نوانگر، دھولپور، سانگلی کے فرمانروا شریک ہوئے، حیدرآباد کی نمایندگی سر اکبر حیدری نے، میسور کی نمایندگی سر مرزا اسماعیل نے اور گوالیار کی نمایندگی سر کیلاش نارائن ہکسر نے کی۔

کانفرنس کے پہلے اجلاس میں سر تیج بہادر سپرو نے اعلان کیا کہ ہم ہندوستان میں وفاقی طرزِ حکومت نافذ کرنا چاہتے ہیں، وحدانی طرزِ حکومت نہیں نافذ کرنا چاہتے۔

اس موقع پر مہاراجہ بیکانیر نے تقریر کرتے ہوئے کہا: میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ ہندوستان وفاق کے ذریعہ سے ایک بنادیا جائے، بشرطیکہ یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ والیانِ ریاست صرف اسی صورت میں شریک وفاق ہوسکیں گے جبکہ ان کے تحفظ حقوق کی ضمانت دی جائے۔ نواب سر حمیداللہ خاں فرماں روائے بھوپال نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، انھوں نے کہا کہ ہم صرف آزاد وفاقی ہندوستان سے راستہ استوار کریں گے۔

لیکن تمام والیانِ ریاست نظریہ وفاق کی تائید پر آمادہ نہ تھے ایک طرف کچھ والیانِ ریاست مہاراجہ بیکانیر نواب بھوپال فیڈریشن کی حمایت میں تھے تو دوسری طرف والیانِ ریاست کا ایک اور گروہ مہاراجہ پٹیالہ کی سرکردگی میں اس کی مخالفت کر رہا تھا۔

گول میز کانفرنس نے مجلس تشکیل وفاق (Federal Structure Committee) (SANKEY) کی صدارت میں قائم کی، جس میں برطانوی ہند اور ریاستی ہند کے نمایندے

شریک تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو اس کی رپورٹ شائع ہوئی، جس میں کہا گیا تھا کہ وفاقی مجلس آئین ساز برطانوی ہند کے نمایندوں اور والیانِ ریاست کے نامزد نمایندوں پر مشتمل ہوگی۔

۴ اگست ۱۹۳۵ء کو انڈیا ایکٹ منظور ہوگیا، اس ایکٹ کی رو سے ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند میں اتحاد کی بنیاد وفاق قرار دیا گیا تھا، اس ایکٹ کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ صوبوں کو لازمی طور پر وفاق میں شریک ہونا تھا، لیکن ریاستیں صرف رضا کارانہ طور پر شریک ہوسکتی تھیں، اس ایکٹ کی رو سے کسی ریاست کا وفاق سے الحاق اسی صورت میں مانا جاسکتا تھا جبکہ فرماں روائے ریاست نے دستاویزِ الحاق پر دستخط کر دیئے ہوں اور ملک معظم کی حکومت نے اسے تسلیم کرلیا ہو، یہ معاہدہ الحاق وفاقی حکومت، وفاقی مجلس آئین ساز اور وفاقی عدالت کو ریاستوں میں صرف وہی حقوق استعمال کرنے کا اختیار دے گا، جو مذکورہ بالا وفاق کو تفویض کئے گئے ہوں، نیز ریاستوں میں وفاق کی کارفرمائی صرف اسی صورت میں جائز ہوگی جبکہ والیٔ ریاست نے اس کی اجازت دی ہو

وفاق کے ایوانِ زیریں اور ایوانِ بالا میں ریاستوں کے وہی نمایندے شریک ہوسکینگے جو والیانِ ریاست کے نامزد کردہ ہوں، نہ کہ منتخب شدہ۔

والیانِ ریاست اور تاج برطانیہ کے مابین تعلقات کی مزید ہمواری کے لئے نمایندہ تاج کا منصب قائم کیا گیا، وفاق کے ممبر کی حیثیت سے ریاستیں گورنر جنرل سے متعلق تھیں لیکن تاج برطانیہ سے تعلق تمام معاملات نمایندہ تاج کے سپرد تھے۔

۱۹۳۷ء میں مارکوئیس آف زٹلینڈ (Marquess of Zetland) وزیر ہند نے ان والیانِ ریاست اور ہندوستانی سیاست دانوں سے گفتگو کی جو انگلینڈ میں موجود تھے۔ زٹلینڈ کا خیال تھا کہ والیانِ ریاست عام طور پر فیڈریشن میں شامل ہونے سے کتراتے ہیں۔

اگست ۱۹۳۹ء تک یہی صورت قائم رہی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق ۱۹۳۷ء میں صوبائی مجالس قانون ساز کے انتخابات ہوئے، چھ صوبوں میں کانگرس کو نمایاں تر کامیابی حاصل ہوئی اور جولائی میں اس نے وزارتیں قائم کرلیں، کچھ عرصہ بعد بعض آزاد ممبروں کے تعاون سے کانگرس نے آسام اور صوبہ سرحد میں

بھی اپنی وزارت قائم کر لی۔

کانگرس کی نمایاں کامیابی نے ریاستی رعایا میں ذمہ دار حکومت کا شعور پیدا کیا، میسور، ٹراونکور، کشمیر حیدر آباد، جے پور، راجکوٹ اور اڑیسہ کی ریاستوں میں بے چینی کے آثار پیدا ہوئے، ——————

—————— اُڑیسہ کی ریاستوں میں لاقانونی پھوٹ پڑی،

ریاست رام پور میں پولیٹکل ایجنٹ میجر بزل گیٹ (Major Bazalgette) مار ڈالے گئے، میسور میں ایجی ٹیشن عروج پر پہنچ گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس بمقام کلکتہ منعقد ہوا، جس میں حکومت میسور کے ظلم وتشدد پر سخت الفاظ میں احتجاج کیا گیا، اور ریاستی رعایا اور برطانوی ہند کے باشندوں سے اپیل کی گئی کہ میسور میں جنگِ آزادی چھیڑنے والے لوگوں کی پوری پوری حوصلہ افزائی کی جائے جب تک ذمہ دار حکومت وہاں نہ قائم ہو جائے۔

لیکن گاندھی جی کانگرس کی اس تجویز سے خوش نہ تھے، انھوں نے اپنے اخبار "ہریجن" میں اس کے خلاف ایک مضمون لکھا اور اعلان کیا کہ کانگرس ریاستوں میں مداخلت نہ کرنے کے عہد سے پھر رہی ہے۔ گاندھی جی کے ان خیالات کا سرکاری حلقوں میں پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، اس میں ایک تجویز، ٹراونکور، حیدر آباد، کشمیر اور اڑیسہ کی ریاستوں کے خلاف منظور کی گئی، جو اپنی حریت خواہ رعایا پر مظالم کر رہی تھیں۔ ریاستوں سے ملحقہ صوبوں کی وزارتوں نے صاف الفاظ میں اپنی پالیسی واضح کر دی کہ صوبوں میں رہ کر ریاستوں کے خلاف جو تحریک چلائی جائے گی اس کے خلاف وہ کوئی اقدام نہیں کرے گی، ۳ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو گاندھی جی نے ایک اعلان کیا کہ ریاستی عوام کی بیداری تقاضائے وقت ہے۔ اور وہاں ذمہ دار حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔

---

(۳)

وداعی تحفہ

لارڈ لن لتھ گو کا اعلان

۱۸- اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لارڈ لن لتھ گو Lord Linlithgow وائسرائے ہند نے ایک اعلان شائع کیا، کہ ہندوستان کی منزل مقصود درجۂ نو آبادیات ہے، انھوں نے اعلان کیا کہ اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کے متعدد فرقوں، جماعتوں، اور مفادوں کے نمائندوں سے نیز والیان ریاست سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی ترمیم و تبدیلی سے مشورہ کر کے کوئی قابل قبول نکالا جائے گا۔ انھوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ ایک مجلس مشاورت کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں جس میں ہندوستان کی تمام ممتاز سیاسی جماعتوں کے نمائندے، نیز والیان ریاست کے نمائندے شریک ہوں گے لیکن یہ تجویز پروان نہ چڑھ سکی، کیونکہ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے اسے مسترد کردیا،

والیان ریاست کا وائسرائے سے مطالبہ

اس اعلان کے بعد، ۲۵- جنوری ۱۹۴۰ء کو وائسرائے نے ایوان والیان ریاست کی مجلس قائمہ سے گفتگو کی والیان ریاست کا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ان کی منظوری کے بغیر کوئی ایسی تقنین وضع نہ کی جائے جس سے والیان ریاست کے حقوق اور مفادات متاثر ہوتے ہوں،

اسی موقع پر لارڈ لن لتھ گو نے ملک معظم کی حکومت کی طرف سے اس بات کی ذمہ داری لی

اتحاد طاقت ہے!



کہ جملہ معاہدات کا پورا پورا احترام حکومت ملحوظ رکھے گی، نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے کی اس یقین دہانی کے بعد مارچ ۱۹۴۲ء میں ایوان والیان ریاست کا اجتماع ہوا، جس میں والیان ریاست نے جنگ کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانے کے لئے ہر امکانی امداد کا وعدہ کیا، اور اتحادیوں کے جنگی مقاصد سے اتفاق کامل کا اظہار کیا،

سر اسٹیفرڈ کرپس کا والیان ریاست سے وعدہ

۲۲- مارچ ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفرڈ کرپس Sir Stafford Cripps: کابینۂ برطانیہ کی طرف سے دستوری تجاویز لے کر آئے جن کا اعلان انہوں نے ۲۹- مارچ کو کیا، ریاستوں کے بارے میں ان کا موقف یہ تھا کہ:

"ریاستوں کو اس بات کی آزادی ہوگی کہ وہ نئے دستور کو منظور کریں یا نہ کریں"!

۲- اپریل ۱۹۴۲ء کو والیان ریاست نے سر کرپس سے ملاقات کی، جام صاحب نوانگر اس وقت ایوان والیان ریاست کے چانسلر تھے ——— مرحوم مہاراجہ بیکانیر، اور مہاراجہ پٹیالہ نے والیان ریاست کی نمائندگی کے فرائض انجام دیے، نواب چھتاری نمائندہ نظام کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس موقع پر والیان ریاست نے کئی سوالات اٹھائے،

پہلا سوال یہ اٹھایا گیا کہ اگر کچھ ریاستیں مجوزہ دستور کے ماتحت انڈین یونین میں نہ شریک ہونا چاہیں تو آیا ایسی ریاستیں یا ایسی ریاستوں کی یونین کو مکمل طور پر خود مختار رہنے کی اجازت ہوگی،؟

سر کرپس نے جواب دیا۔

"ذاتی طور پر تو میں اس میں کوئی دشواری نہیں دیکھتا، لیکن چونکہ اسکیم میں اس پہلو پر غور نہیں کیا گیا تھا، لہٰذا کوئی قطعی جواب دینا میرے لئے مشکل ہے"!

پھر بالادستی کا سوال اٹھایا گیا تو سر کرپس نے کہا،

"کسی حالت میں بھی، تاج برطانیہ کی بالادستی کسی دوسری جماعت کو منتقل نہیں کی جائے گی، اگر کوئی ریاست انڈین یونین میں شامل ہو جاتی ہے تو قدرتاً تاج برطانیہ کی ذمہ داریاں

ختم ہو جائیں گی اور اگر کوئی ریاست انڈین یونین میں شامل نہیں ہوئی تو تاج برطانیہ کی بالادستی قائم رہیگی۔

ریاستوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی

ایک اور سوال کے جواب میں سر کرپس نے کہا،!

" ہندوستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو انڈین یونین میں شامل ہونے یا نہ شامل ہونے کی پوری آزادی حاصل ہوگی،!"

۱۵- اپریل کو نواب چھتاری کے ایک مکتوب کے جواب میں سر کرپس نے لکھا،:

" ہزاگزالٹڈ ہائی نس نظام کو آزادی حاصل ہوگی کہ وہ انڈین یونین میں شریک ہوں یا نہ ہوں، اگر ہزاگزالٹڈ ہائی نے یہ فیصلہ کیا کہ حیدر آباد انڈین یونین میں نہ شامل ہو تو پھر حیدر آباد اور تاج برطانیہ میں موجودہ تعلقات بدستور قائم رہیں گے، ان میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوگی ———— !"

نواب بھوپال اسٹیج پر نمودار ہوتے ہیں

۱۸- اگست ۱۹۴۲ء کو کانگرس نے "ہندوستان خالی کردو" والی تجویز منظور کی، جس پر اسے غیر قانونی جماعت قرار دے دیا گیا، ۲۴- اکتوبر ۱۹۴۲ء لارڈ لن لتھگو رخصت ہو گئے، اور ان کی جگہ لارڈ ویول Lord Wavell وائسرائے ہو کر آئے،

۱۹۴۲ء کے آخر میں حالات نے دوسرا پلٹا کھایا، اسٹالن گراڈ کے جانبازانہ دفاع نے ہٹلر کے بڑھتے ہوئے قدم روک دئے، اور اس کی فوجیں اقدام و ہجوم کے بجائے دفاع پر اتر آئیں، جاپان کے پائے ثبات بھی لڑکھڑانے لگے، ہندوستان کی سیاسی فضا بالکل ساکن تھی،

ٹھیک اس موقع پر نواب بھوپال ایوان والیان ریاست کے چانسلر منتخب ہوئے، انھوں نے ایوان میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑادی، اور والیان ریاست کی جماعت کو ایک موثر ذریعہ بناکر ریاستوں کو ہندوستان کی "تیسری طاقت" بنادیا، نواب بھوپال، کمزور مرکز Loose Centre کے نقیب تھے، وہ مرکز کو صرف وہ اختیارات دینا چاہتے تھے، جو والیان ریاست خود اپنی مرضی سے اسے تفویض کریں۔ ان کا خیال تھا اس طرح ریاستی ہند کے ہاتھ میں سیاست

ہند کا توازن آجائے گا،

ایوان والیان ریاست میں نواب بھوپال کی تجویز

۱۸ ستمبر ۱۹۴۴ء کو ایوان والیان ریاست کا جو اجلاس دسمبر میں منعقد ہونے والا تھا، اس میں حسب ذیل تجویز پیش کرنے کا نوٹس دیا، !

"ایوان والیان ریاست کی یہ پختہ رائے ہے کہ ریاستوں سے تاج برطانیہ کے تعلقات، اور ریاستوں سے متعلق تاج برطانیہ کے اختیارات، قطعاً اور کسی صورت میں بھی، کسی تیسری پارٹی کو نہ منتقل ہو سکتے ہیں نہ ہونے چاہئیں، جب تک خود والیان ریاست اس پر رضامند نہ ہوں، !"

کافی اختلاف و مباحثہ کے بعد، ۲۵۔جون ۱۹۴۵ء کو لارڈ ویول نے والیان ریاست کو یقین دلایا کہ:

"والیان ریاست کی منظوری اور رضامندی کے بغیر تاج برطانیہ کو جو اختیارات ریاستوں سے متعلق حاصل ہیں وہ کسی پارٹی یا جماعت کو منتقل نہیں کئے جائیں گے،

ریاستوں کی طرف سے جنگ کا اعلان

۲۶۔جولائی ۱۹۴۵ء کو برطانیہ میں لیبر پارٹی کی وزارت قائم ہو گئی، مسٹر اٹیلی Mr. Attlee وزیر اعظم منتخب ہوئے، ستمبر میں لارڈ ویول لندن گئے، اور واپس آکر اپنے پلان کا اعلان کیا کہ بہت جلد دستور ساز اسمبلی قائم کر دی جائے گی، اور ریاستوں سے استصواب کیا جائے گا کہ وہ کس طرح مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں حصہ لے سکتی ہیں؟

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ریاستوں کی نمائندگی کا حق کسے حاصل ہوگا؟ کانگرس کا باصرار مطالبہ تھا کہ یہ حق ریاستی رعایا کے منتخب اور مقبول نمائندوں کا ہے، جو عام حق رائے دہی بالغاں کے اصول پر منتخب ہوئے ہوں گے۔ اس موقع پر ایک ممتاز فرمانروائے ریاست نے ایک زوردار بیان دیتے ہوئے کہا،

"قوت و حکومت حاصل کرنے کے لئے ہم نے جنگ کی، مصائب برداشت

کئے اور اپنا خون بہایا، ہم جانتے ہیں کہ قوت اور حکومت کو کس طرح قائم رکھیں؛ اگر کانگرس ہمیں غارت کرنا چاہتی ہے اگر انگریز ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں، تو ہمارا فیصلہ بھی یہ ہے کہ لڑیں گے، !" (۱)

لارڈ ویول کی دوبارہ یقین دہانی

۱۷- جنوری ۱۹۴۶ء کو ایوان والیان ریاست کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت لارڈ ویول نے کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے کہا،

"میں یقین دلاتا ہوں کہ تاج برطانیہ سے والیان ریاست کے تعلقات اور معاہدات اور انتظامات میں بغیر ان کی منظوری اور رضامندی کے کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جائے گی ——!"

وزیر ہند کی یقین دہانی ریاستوں کو

۱۹- فروری ۱۹۴۶ء کو ایٹلی نے کابینہ وفد ہندوستان میں بھیجنے کا اعلان کیا، تاکہ دستور ہند کا مسئلہ طے کیا جائے۔

یہ وفد جو لارڈ پیتھک لارنس Lord Pethic-Lawrence سر اسٹیفرڈ کرپس اور اے وی الیگزنڈر A. V. Allexander پر مشتمل تھا، ۲۴- مارچ کو دہلی پہنچا،

ایک پریس کانفرنس میں سوال کیا گیا کہ ریاستوں کے نمائندے والیان ریاست کے نامزد ہوں گے یا رعایا کے منتخب کئے ہوئے لوگ، لارڈ پیتھک لارنس نے جواب دیا،

"برطانوی وفد موجودہ صورت احوال میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتا، ہم کوئی نیا مسئلہ نہیں پیدا کرنا چاہتے، !"

کابینہ وفد نے نمائندگان رعایا ریاست سے ملاقات نہیں کی

طے کیا گیا کہ مشن چھوٹی اور بڑی ریاستوں کے فرماں رواؤں سے یا ان کے نمائندوں

---

(۱) مسٹر مینن نے نام نہیں لکھا ہے، لیکن یہ بیان مرحوم نواب صاحب بھوپال کا تھا، (رئیس احمد جعفری)

سے تبادلہ خیال کرے، اس موقع پر ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ ریاستی رعایا کے نمائندوں کو بھی شرف ملاقات بخشا جائے، لیکن یہ تجویز نہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے مانی، نہ ایوان والیان ریاست کے چانسلر نے، نہ کابینہ وفد نے۔

نواب بھوپال کے مطالبات کابینہ وفد سے

۲- اپریل کو کابینہ وفد اور وائسرائے سے گفتگو کرتے ہوئے نواب بھوپال نے صاف طور پر کہہ دیا کہ:

• ——— ہندوستانی ریاستیں زیادہ سے زیادہ آزادانہ حقوق واختیارات اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتی ہیں،

• ——— ہندوستانی ریاستیں اپنے اندرونی معاملات میں برطانوی ہند کی مداخلت ہرگز نہیں برداشت کریں گی،

• ——— برطانوی ہند میں ایک پریوی کونسل . Privy Council کا قیام، انہی لائنوں پر جو سائمن رپورٹ نے تجویز کی تھی ناگزیر اور لازمی ہے،

• ——— والیان ریاست کا عام نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ہندوستان دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک تیسرا ہندوستان وجود میں نہ آئے جو ریاستہائے ہند پر مشتمل ہو،

• ——— کوئی والیٔ ریاست بھی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مجوزہ دستور میں شرکت نہیں کر سکتا، ———!

• ——— البتہ ایک کمزور مرکز قبول کیا جا سکتا ہے،

• ——— بالادستی کسی حالت میں بھی حکومت ہند کو منتقل نہ کی جائے۔

چھوٹی ریاستیں بھی آزادی کی طالب تھیں

۴- اپریل کو کابینہ وفد نے مہاراجگان ڈونگر پور- اور بلاسپور سے ملاقات کی، جو چھوٹی ریاستوں کے نمائندے بنکر آئے تھے۔

———

مہاراجہ ڈونگرپور کا میمورنڈم | مہاراجہ ڈونگرپور نے ایک میمورنڈم پڑھا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ چھوٹی ریاستوں کو ایک بڑے گروپ میں تبدیل کر کے آزاد کر دیا جائے، یہ گروپنگ لسانی اور علاقائی بنیاد پر ہونی چاہیے۔

راجہ بلاسپور جنگ پر آمادہ تھے | راجہ بلاسپور نے کہا کہ ہر ریاست کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، وہی آزادی حاصل ہونی چاہیے، جو برطانوی اقتدار سے پہلے حاصل تھی، اور اسے اختیار ہونا چاہیے کہ اپنے لئے جو راہ عمل چاہے اختیار کرے، راجہ بلاسپور نے مزید کہا

"ریاستوں کو بھی آزادی کا اتنا ہی حق حاصل ہے، جتنا برطانوی ہند کو۔"

اگر ضرورت ہوئی تو بلاسپور اپنا یہ حق حاصل کرنے کے لئے جنگ سے بھی گریز نہیں کرے گا، !"

سر سی پی آئر کا مطالبہ | سر، سی پی راما سوامی آئر وزیر اعظم ٹراونکور نے ۹-اپریل کے انٹرویو میں کابینہ وفد سے کہا کہ وہ ان معاہدوں کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے جو انگریزوں سے ریاستوں کے ہوئے تھے وہ صرف اس بات پر واضح اور ناقابل مفاہمت طور پر زور دیتے ہیں کہ بالادستی ہرگز اور کسی صورت میں برطانوی حکومت کی جانشین حکومت ہند کو منتقل نہ کی جائے۔

حیدر آباد آزاد رہے گا | حیدر آباد کے نمائندے نواب چھتاری نے کابینہ وفد اور وائسرائے کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ حیدر آباد کو وہ علاقے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس سے لئے تھے واپس مل جانے چاہئیں،

نواب صاحب نے نظام کی طرف سے یہ بات بھی صاف کر دی کہ تقسیم ملک کے بعد بھی حیدر آباد جغرافی دشواریوں کے باعث پاکستان سے، اور نظریاتی اختلاف کے باعث ہندوستان سے ملحق نہیں ہو گا، لہٰذا وہ اپنی آزادی، اور انفرادیت قائم رکھے گا،

نواب چھتاری نے اس گفتگو میں برار کی واپسی کا مطالبہ بھی کیا،

سر مرزا اسماعیل ریاستوں کی تائید میں | سر مرزا اسماعیل نے جے پور کی طرف سے

حق نمائندگی ادا کرتے ہوئے پہلے تو کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلافات ختم کرانے پر زور دیا، پھر ریاستوں کے بارے میں کہا، کہ مرکز کی عارضی حکومت میں ریاستوں کی طرف سے ایک ہندو اور ایک مسلمان نمائندہ لیا جائے،

سر مرزا نے کہا کہ ریاستوں کا مسئلہ، در اصل والیان ریاست کے شاہی خاندانوں کے تحفظ کا مسئلہ ہے،

موصوف نے مزید فرمایا:

"میری یہ پختہ رائے ہے کہ ریاستوں کے شاہی خاندانوں کو برقرار رہنا چاہیئے، ان کا وجود، ہندوستانی کلچر، تہذیب، اور روایات کا مجموعہ ہے،

آخر میں سر مرزا نے کہا،

"برطانوی حکومت کے لیے یہ معقول طرز کار نہ ہوگا کہ وہ ہندوستان کے معاملات کو نا تصفیہ شدہ چھوڑ کر یہاں سے رخصت ہو جائے۔

کابینہ وفد کی واضح یقین دہانی ریاستوں کو

کابینہ وفد نے اپنے تجاویز میں یہ اصول طے کر لیا تھا کہ ریاستیں ان اختیارات کے علاوہ ——— دفاع، اور خارجہ، اور رسائل ——— جو وہ انڈین یونین کو تفویض کریں گی باقی تمام معاملات میں آزاد اور خود مختار ہوں گی،

۱۶- مئی کو وزیر اعظم ہند اور سر اسٹیفرڈ کرپس نے اپنی نشری تقریر میں ریاستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ تاج برطانیہ کو جو بالادستی ریاستوں پہ حاصل ہے وہ کسی اور کو منتقل نہیں کی جائے گی، ہندوستان اور ریاستوں کے آئندہ تعلقات باہمی گفت و شنید ہی سے طے ہو سکتے ہیں، (۱)"

۲۲- مئی کو کابینہ وفد نے ریاستوں سے متعلق ایک میمورنڈم شائع کیا جو ۱۲- مئی ہی کو ایوان والیان ریاست کے چانسلر کو دے دیا گیا تھا، اس یادداشت میں کہا گیا تھا کہ:

ریاستوں نے جو حقوق و اختیارات تاج برطانیہ کو سپرد کئے۔ تھے وہ انہیں واپس مل جائینگے.

(۱) مسٹر مینن کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ والیان ریاست میں عام اس سے کہ وہ بڑی ریاست کے

بقیہ اگلے صفحہ پر

فرماں رواہوں، یا چھوٹی ریاست کے، آزادی اور حریت کا جذبہ کارفرما تھا، کوئی والی ریاست بھی انڈین یونین سے الحاق پر راضی نہیں تھا، اور اس مطالبہ میں والیان ریاست کی رعایا بھی بڑی حد تک شریک تھی، اگر ریاستوں کے سامنے پاکستانی ہوا نہ کھڑا کر دیا گیا ہوتا، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کانگرس کے آلۂ کار نہ ثابت ہوتے اور اٹیلی کی حکومت تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ان دیرینہ فداکاروں اور جاں نثاروں کو یکہ و تنہا نہ چھوڑ دیتی تو قطعاً ریاستی ہند ہندوستان کا ایک "تیسرا" آزاد اور خود مختار حصہ بن جاتا،

سوال پیدا ہوتا ہے کہ والیان ریاست ——— چھوٹے چھوٹے رجواڑوں کے فرماں رواتک ——— آزادی پر کیوں لپسند تھے ؟

جواب بالکل صاف اور واضح ہے، چھان بین کی جائے تو اس جذبہ کے محرکات اور عوامل میں چند خاص چیزیں کارفرما نظر آئیں گی،

۱- گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے پہلے تک عام طور پر والیان ریاست کا رجحان متحدہ ہندوستان کی طرف تھا، وہ وفاق کے پُرزور حامی تھے، کانگرسی لیڈروں سے ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے، کانگرسی تحریکوں کی موقع بہ موقع وہ پشت پناہی بھی کرتے تھے،

نواب بھوپال نے گاندھی جی کو لاکھوں روپیہ چندہ دیا، ان کی شاندار مہمانداری کی، بھوپال سے جب وہ لوٹے تو تعریف میں اتنا مبالغہ کیا کہ نواب کے دورِ حکومت کو عہد عمرؓ سے تشبیہ دے ڈالی۔

مہاراجہ نابھہ اتنے حریت مآب تھے اور کانگرسی زعما سے اتنا میل جول رکھتے تھے کہ یہ چیز تخت حکومت سے جدائی پر منتج ہوئی، اور وہ جلاوطن کر کے کوڈائی کنال بھیج دیے گئے۔

کوچین ٹراونکور اور میسور وغیرہ میں باقاعدہ کانگرس کمیٹیاں قائم تھیں اور مصروف جہد و عمل تھیں،

والیان ریاست کے یہی خدمات تھے جن کے پیش نظر کانگرس اصولی طور پر، ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی کا اعلان کر چکی تھی۔

لیکن ۱۹۳۷ء میں جب پراونشل اٹانومی کا آغاز ہوا، اور اکثر صوبوں میں کانگرس برسراقتدار آئی تو اس کا رویہ بدل گیا، اور انگریزوں کے جانے سے پہلے وہ ان کی جانشین بننے کا خواب دیکھنے لگی، چنانچہ اس نے ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینا بھی شروع کر دیا، جس پر علی الاعلان گاندھی جی نے ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا،

اس صورت حال نے والیان ریاست کو چوکنا کر دیا، اور وہ سمجھنے لگے کہ آزاد ہندوستان میں ہماری خیریت نہیں۔

۲ - ہندوستان کی ہر ریاست اپنا ایک مخصوص کلچر رکھتی تھی، اس کے خاص روایات تھے، وہ اپنی جداگانہ تہذیب، تمدن اور معاشرت کی حامل تھی، اور کوئی شبہ نہیں یہ چیزیں مستقل اقدار کی مالک تھیں، لہذا قدرتاً ہر ریاست اپنی انفرادیت قائم رکھنے پر بضد تھی، اور اس باب میں رعایا کا بڑا طبقہ بھی اس کا ہم نوا تھا،

۳ - ہندوستان میں جو ہندومسلم کشمکش نظر آرہی تھی، ریاستیں بڑی حد تک اس سے محفوظ تھیں، رعایائے ریاست اپنے فرماں روا کی وفادار تھی، خواہ دونوں میں مذہبی اختلاف کیوں نہ حائل ہو، حیدرآباد کے سقوط کی خوش خبری سنکر لکھنؤ یونیورسٹی یونین ہال میں صوبہ کی گورنر ہوتے ہوئے سروجنی دیوی کا رو پڑنا، اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے ۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات میں، مشرقی پنجاب جیسے خطرناک ترین مقام کی ایک چھوٹی سی مسلم ریاست مالیر کوٹلہ، آتش زنی، قتل و غارت کے اور خوں ریزی کے سمندر میں امن و عافیت کا جزیرہ بنی ہوئی تھی، جے پور کے مہاراجہ نے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے بہت کچھ کیا، لیکن کانگرس کی بظاہر سیکولر، اور درحقیقت فرقہ پرست حکومت نے ریاستوں کے فرماں رواؤں اور رعایا دونوں کے دل میں یہ اندیشہ پیدا کر دیا کہ انفرادیت کھو دینے کے بعد ریاستوں کی سرزمین بھی میدان جنگ بن جائے گی، اور بعد میں یہ اندیشہ درست بھی ثابت ہوا۔

۴ - آزادی کا وہ فطری جذبہ جو قدرت نے ہر شخص کو ودیعت کیا ہے، اور جس سے کانگرس بہت زیادہ بہرہ ور تھی، ریاستوں میں بھی کارفرما تھا، اگر انگریزوں کے مستبد

دور حکومت میں ان کی انفرادیت قائم رہ سکتی تھی تو کانگرس کے قومی راج میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا تھا، ؟

غرض یہ تھے وہ عوامل جنھوں نے والیان ریاست کے دل میں آزادی اور حریت کا جوش پیدا کر دیا، ؂

(رئیس احمد جعفری)

(۴)

خانہ جنگی کا پیش خیمہ

دستوریہ ہند کا پہلا اجلاس

ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا پہلا اجلاس ۹ دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا، ڈاکٹر راجندر پرشاد کو صدر منتخب کر لیا گیا، پھر فوراً ہی بعد متعدد ذیلی مجالس Sub-Committees مختلف دستوری مسائل طے کرنے کے لئے قائم کر دی گئیں،

۲۱- دسمبر کو دستوریہ ہند نے ایک مجلس گفت و شنید Negotiation Committee قائم کی، جس کا دائرۂ کار یہ تھا کہ ایوان والیان ریاست کی مجلس گفت و شنید سے تبادلۂ خیال کر کے دستوریۂ ہند میں ریاستہائے ہند کی نمائندگی کا مسئلہ طے کرے،

اقتدار ملتے ہی رنگ بدلنے لگا

اس تجویز پر تقریر کرتے ہوئے نہرو نے کہا،

"میں صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں والیان ریاست کی، ——— نہ کہ نمائندگان ریاست کی ——— مجلس گفت و شنید سے معاملات طے کرنا پڑ رہے ہیں، میرا خیال ہے کہ جہاں تک ریاستوں کا تعلق ہے یہ بات حیثیت رعایائے ریاست کے نمائندگان سے ہونی چاہیے تھی، پھر بھی میرا خیال ہے کہ یہ مجلس گفت و شنید اگر ٹھیک کام کرنا چاہتی

ہے تو اسے رعائے ریاست کے نمائندوں کو کسی نہ کسی حد تک ضرور شامل کر لینا چاہیئے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس مرحلہ پر ہم اپنے اس مطالبہ پر زور نہیں دے سکتے، لیکن اس طرح سے آغاز کار میری نظر میں تو بدشگونی ہے۔"

ایوان والیان ریاست کا مطالبہ

اس کے جواب میں ۲۹۔جنوری ۱۹۴۷ء کو ایوان والیان ریاست کی مجلس قائمہ کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں مجلس نے ایک تجویز منظور کی، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ:۔

• ——— انڈین یونین میں ریاستوں کی شرکت صرف بات چیت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور آخری فیصلہ بہرحال ریاست ہی کے ہاتھ میں ہوگا،

• ——— دستور یہ ہند میں ریاستوں کی شرکت ان پر کسی طرح کی پابندی نہیں عائد کرتی، ان کا آخری فیصلہ اسی وقت ہوگا جب پورا دستور نظر کے سامنے ہوگا۔

• ——— ریاستیں جو اختیارات یونین کو خود تفویض کریں گی ان کے علاوہ سارے اختیارات کی وہ غیر مسئول طور پر مالک ہوں گی۔

• بالادستی کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے گا،

• ——— یونین ہرگز اور کسی صورت میں ریاستوں کے منظور شدہ دستوران کی علاقائی سالمیت اور خاندان شاہی کے قیام و بقا کے سلسلہ میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی۔

• ——— ریاستوں کی موجودہ سرحدات میں کوئی تبدیلی ریاستوں کی آزادانہ رضامندی کے بغیر عمل میں نہیں آئے گی۔

• ——— دستور یہ ہند ریاستوں کے اندرونی اور دستوری معاملات میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کر سکے گی،

نہرو کی یقین دہانی ریاستوں کو

اس رزولیوشن کی اشاعت نے ہنگامہ آرائی کا اچھا خاصا سامان مہیا کر دیا، خود بعض والیان ریاست بھی آپس میں دست و گریباں ہو گئے،

ایوان والیان ریاست کے چانسلر نواب بھوپال نے مجلس قائمہ میں اعلان کر دیا کہ جب

تک بنیادی مسائل نہ طے ہو جائیں دستوریہ ہند میں شرکت بے کار ہے۔

پنڈت نہرو نے یقین دہانی کرتے ہوئے کہا، :

"یہ گفت و شنید کابینہ پلان کے ماتحت ہو رہی ہے، جسے ہم من و عن قبول کر چکے ہیں، برطانوی ہند کے نمائندگان دستوریہ ریاستوں کے شاہی نظام سلطنت میں حارج نہیں ہونا چاہئے، کانگرس ریاستوں کی سرحدات میں بغیر رضامندی طرفین کوئی تبدیلی نہیں کرے گی، نہ اس سلسلہ میں کسی دباؤ سے کام لیا جائے گا، نیز کابینہ وفد کے پلان کے لحاظ سے ریاستوں کی شرکت رضاکارانہ بنیاد پر ہوگی۔ نہ کہ جبر اور دباؤ کے ماتحت ——— !"

اٹیلی کا ریاستوں سے وعدہ

۲۰- فروری ۱۹۴۷ء کو اٹیلی نے لارڈ ماؤنٹ کی وائسرلٹی کا اعلان کرتے ہوئے ریاستوں کے بارے میں کہا

"ملک معظم کی حکومت کا قطعاً یہ ارادہ نہیں ہے کہ اپنے اختیارات بالادستی کسی اور حکومت یا حکومتوں کو منتقل کر دے، !"

نواب بھوپال چانسلر ایوان والیان ریاست نے مطالبہ کیا کہ ان یقین دہانیوں کی تصدیق دستوریہ ہند کو کرنی چاہیے، بغیر اس کے ریاستیں دستوریہ میں شریک نہیں ہوں گی۔ پنڈت نہرو نے کہا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ دستوریہ ہند اس سلسلہ میں کوئی تجویز منظور کرے،

نشۂ طاقت کا کرشمہ: بدعہدی

۱۸- اپریل ۱۹۴۷ء کو "کل ہند انجمن ریاست ہائے ہند" کے سالانہ جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے نہرو نے کہا، :

"جو ریاست دستوریہ ہند میں شرکت سے انکار کر دے گی، اسے ملک سے باغی اور غدار قرار دیا جائے گا، اور اس صورت میں اس سے جو سلوک کیا جائے گا، اس کی ذمہ داری اسی پر، اور صرف اسی پر ہوگی، !"

لیاقت علی کا جواب

نہرو کی اس تقریر کا جواب فوراً ہی لیاقت علی خاں نے دیا، "کانگرس ریاستوں کو مجبور کرنے اور ان پر دباؤ ڈالنے

کا کوئی حق نہیں رکھتی، کابینہ وفد کے پلان اور حکومت برطانیہ کی تصریحات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ ریاستوں کو دستور یہ ہند میں شریک ہونے یا نہ ہونے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

جبر نہ کرنے کا وعدہ کرنے والے آمر بن گئے

انجمن رعایائے ہند کے سالانہ اجلاس میں ایک تقریر کرتے ہوئے نہرو نے کہا، !

جو ریاستیں اقتصادی طور پر اپنا وجود قائم رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتیں انھیں پڑوس کے صوبوں میں مدغم کر دیا جائے گا، کسی دوسری ریاست کے ساتھ ان کا الحاق ہرگز نہیں کیا جائے گا، !"

نواب بھوپال کا استعفا

۳۔ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے تقسیم ہند کے پلان کا اعلان کیا، اس اعلان میں ریاستوں کے بارے میں وہی موقف قائم رکھا گیا جو کابینہ وفد نے پہلے طے کیا تھا،

ماؤنٹ بیٹن پلان کے اعلان کے فوراً بعد نواب بھوپال نے ایوان والیان ریاست کی چانسلر شپ سے استعفا دیدیا، انھوں نے وائسرائے کو لکھا، !

"جیسا کہ آپ نے ملک معظم کی حکومت کی پالیسی کا اعلان ریاستوں کے مستقبل سے متعلق کیا ہے، اور چونکہ بالادستی کے ختم ہوتے ہی حکومت بھوپال اپنی آزادی اور خود مختاری کے اعلان کا فیصلہ کر چکی ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے ایوان والیان ریاست کی چانسلر شپ سے مستعفی ہو جانا چاہیئے، جو موجودہ حکومت کا ایک دستوری جزو ہے۔

ایک عظیم خطرہ

تاج برطانیہ کی بالادستی کا ریاستوں سے ختم ہوتے ہی کیا نتیجہ ہوگا، یہ بات کانگرس کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی، کرسی وزارت پر بیٹھنے کے کچھ ہی عرصہ بعد رہنمایان کانگرس نے محسوس کر لیا کہ بالادستی کے خاتمہ نے کیسی

پیچیدہ اور خانہ جنگی و انارکی سے ملتی ہوئی کیفیت پیدا کر دی ہے، نہرو اور پٹیل کو اطلاعات مل رہی تھیں کہ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ ریاستوں سے متعلق ہر طرح کا ریکارڈ برباد کیے دے رہا ہے، نیز ریذیڈنٹوں کو واپس بلا رہا، اور چھاؤنیوں کا علاقہ، متعلقہ ریاستوں کو واپس کر رہا ہے،

۱۲- جون کی پارٹی لیڈرس کانفرنس میں نہرو نے یہ سوال اٹھایا، اس کانفرنس میں کانگرس کی نیابت، نہرو، پٹیل اور کرپلانی کر رہے تھے، لیگ کی جناح، لیاقت علی خاں اور عبدالرب نشتر.. سکھوں کی سردار بلدیو سنگھ، سر کانراڈ کار فیلڈ

تاج برطانیہ کے مشیر سیاسی بھی تشریف رکھتے تھے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے کہا، جس دن ہندوستان اور پاکستان کو اختیارات حکومت منتقل ہوں گے اسی دن ریاستوں پر سے بالادستی کا خاتمہ بھی ہو جائے گا، اور پھر قدرۃً "پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ" بھی بند کر دیا جائے گا،

نہرو اور پولیٹیکل ایجنٹ میں سوال جواب

نہرو نے اس موقع پر کہا، جہاں تک تاج برطانیہ کی بالادستی کے خاتمہ کا تعلق ہے بات ٹھیک ہے، لیکن وہ سرے تمام معاملات جو نمائندہ تاج CROWN REPRESENTATIVE اور پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ استعمال کرتے تھے، انھیں اب حکومت ہند انجام دے گی،

سر کانراڈ نے کہا، اس طرح کی تقسیم ناممکن ہے، نمائندہ تاج کے پس پشت جو چیز کام کر رہی تھی وہ یہ کہ ریاستیں ہندوستان کے معاملات اور ہندوستان ریاستوں کے معاملات میں دخیل نہ ہو سکیں۔

نہرو نے کہا پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی پالیسی کابینہ پلان، اور ماؤنٹ بیٹن پلان کے خلاف ہے،

سر کانراڈ نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کیا،

نہرو نے کہا ریاستیں پاکستان یا ہندوستان سے تو ملحق ہو سکتی ہیں، لیکن وہ آزاد نہیں رہ سکتیں،

سر کانراڈ نے کہا، وہ سکتی ہیں یہ ان کا دستوری اور قانونی حق ہے،

نہرو نے تجویز پیش کی کہ فی الحال پولٹیکل ڈپارٹمنٹ بھی قائم رہنا چاہیے، اور ریزیڈنٹ بھی قائم رکھے جائیں،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوستان اور پاکستان کو ریاستوں سے اپنے معاملات طے کرنے اور استوار رکھنے کے لئے ایک مستقل محکمہ کی ضرورت ہے لیکن اس کا نام پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کیوں ہو؟ محکمۂ امور ریاست کیوں نہ ہو؟

جناح نے نہرو کی تائید کی

اس کے بعد نمائندہ تاج کی طرف سے ریاستی ریکارڈ ضائع کرنے کا سوال اٹھایا گیا نہرو نے کہا، مجھے کوئی شبہہ نہیں کہ ضائع شدہ ریکارڈ کا بڑا حصہ حکومت ہند کے لئے بڑے کام کا تھا، میری رائے ہے کہ ایک کمیٹی جو تاریخ دانوں اور دوسرے ماہرین پر مشتمل ہو قائم کر دی جائے۔ جو اس سارے مسئلہ کا جائزہ لے، آخر اس قدر تیزی سے ریکارڈ ضائع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جناح نے نہرو کی تائید کی، اور کہا، میں نہرو کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں، میں اس بات کا بھی سخت مخالف ہوں کہ موجودہ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ خود ہی جج بنکر فیصلہ کرے، اور یہ طے کرے کہ کون سا ریکارڈ ضائع کرنا چاہئے اور کون سا نہیں؟

سر کانراڈ نے کہا، موجودہ کارروائی، امپیریل ریکارڈ آفس کے مشورہ سے کی جا رہی ہے، جو اس معاملہ میں آخری حیثیت رکھتی ہے، میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ کوئی اہم یا قیمتی ریکارڈ ضائع نہیں کیا جائے گا، ہم جو ریکارڈ چھانٹ رہے ہیں، اس میں ایسا ریکارڈ بھی ہے، جو حکومت ہند کو نہیں دیا جا سکتا، میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تمام اہم کاغذات و دستاویزات پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کے پاس ہیں، ریزیڈنٹوں کے پاس بہت کم ہیں،

ٹراونکور کا اعلان آزادی

۱۱۔ جون کو سر سی پی راما سوامی آئر وزیر اعظم ٹراونکور نے اعلان کر دیا کہ ٹراونکور آزاد اور خود مختار رہے گا،

دوسرے روز ایسا ہی اعلان نظام کی طرف سے بھی ہو گیا، ان واقعات نے خوف پیدا کر دیا کہیں دوسری ریاستیں بھی ایسا ہی اعلان نہ شروع کر دیں، ۲۴- جون کے اجلاس کانگرس میں بڑی سخت تقریریں ہوئیں، اور ہندوستان کو دوسرا بلقان بنانے پہ زوردار احتجاج کیا گیا، اور کانگرس نے ایک تجویز منظور کی کہ بالادستی تاج برطانیہ ختم ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ریاستوں کو آزاد ہونے کا حق مل گیا، ہرگز کسی ریاست کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا،

فوراً ہی ٹراونکور نے اعلان کر دیا کہ اس کی طرف سے پاکستان میں ایک ٹریڈ کمشنر کا تقرر کیا جا رہا ہے۔

اس صورت حال نے والیان ریاست میں سودے بازی کی اسپرٹ پیدا کر دی، (۱)

---

(۱)، تاریخ کی یہ بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ کانگرس جو تحریک آزادی ہند کی علمبردار تھی، اقتدار ملتے ہی آمر بننے کی کوشش کرنے لگی، اس نے حصول مقصد کے لئے وہی تکنیک اختیار کی جو ایک موقع پرست حکومت کر سکتی ہے ———— تخویف، تہدید، سازش لالچ -

جیسے جیسے اختیارات ملتے گئے اور قوت ہاتھ میں آتی گئی، ویسے ویسے پالیسی میں تغیر ہونے لگا،

کابینہ وفد نے اعلان کیا کہ ریاستوں کو انڈین یونین سے الحاق یا عدم الحاق دونوں کا حق حاصل ہے، نہرو، پٹیل، اور دوسرے بزرگوں نے کہا، ہاں بے شک یہ حق حاصل ہے ریاستوں کو۔

پیتھک لارنس، اسٹیفرڈ کرپس، اور میجر اٹیلی نے کہا، جو بالادستی ریاستوں پر تاج برطانیہ کو حاصل ہے وہ کسی حکومت یا جماعت کو منتقل نہیں کی جائے گی، کانگرس کے ایوان سے نعرہ بلند ہوا یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں

پولیس کانفرنس میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر ہند نے کہا دستور یہ ہند میں رعایائے ریاست کے منتخب نمائندے نہیں بلکہ والیان ریاست کے نامزد اصحاب

شریک ہوں گے، کانگرس نے تائید کی، "اور کیا اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔؟!!"
ریاستوں میں بادشاہی رائج تھی، کانگرس جمہوریت کی علمبردار تھی۔ بادشاہی کتنی ہی محدود ہو اپنے مخصوص اختیارات رکھتی ہے، جمہوریت کتنی ہی ناقص ہو، رائے عامہ کی پابند ہوتی ہے، اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ یہ ناقابل مفاہمت اختلاف ہے، اس معاملہ میں طرفین صلح کر کے نہیں لڑ کر اٹھیں گے، لیکن پنڈت نہرو نے نہایت خوش اسلوبی سے یہ مشکل حل کر دی، انھوں نے فرمایا ہمیں نظام ملوکیت سے کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر کسی ریاست میں یہ نظام رائج رہتا ہے تو رہے،
ریاستوں کو ایک اندیشہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے گی، اور اس طرح انگریزوں کے زمانہ سے بدتر زمانہ میں وہ داخل ہو جائیں گے، لیکن پٹیل نے اپنی اور اپنے رفقاء کی طرف سے، ماؤنٹ بیٹن نے اپنی اور اپنی حکومت کی طرف سے، صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں یقین دلایا کہ ہم صرف، دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے سلسلہ میں بالادستی حاصل کرنا چاہتے ہیں، باقی اپنے اندرونی معاملات میں ریاستیں بالکل آزاد ہوں گی۔
ریاستوں کو ایک دھڑکا یہ بھی تھا کہ ان کا وجود ختم کر دیا جائے گا، پٹیل اور نہرو نے اس غلط فہمی کی تردید کی، اور اعلان کیا، ریاستوں کی سالمیت کا تحفظ تو ہمارا اولین فرض ہے۔

لیکن جب ——————

لیکن جب اختیارات مل گئے، تو یہ سب باتیں نسیاً منسیا ہو گئیں۔
بعض ریاستوں کو صوبوں میں مدغم کر دیا گیا، بعض کو چیف کمشنر کے ماتحت کر دیا گیا، بعض کی حکمرانی ریجنل کمشنر کو سونپ دی گئی، بعض کو جبراً کسی گروپ میں شامل کر دیا گیا۔
اس سے فراغت کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ پہلے تو والیان ریاست کو راج پرمکھ بنایا گیا، پھر وہ ایک معزز شہری بن گئے، اس کے بعد، پولیس ان کی تلاشی لینے لگی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض نے تنگ آ کر، حکومت ہند کی فارن سروس میں ملازمت کی درخواستیں

بھیجنا شروع کر دیں ————!

مسٹر مینن کہتے ہیں اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہندوستان میں طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا دور شروع ہو جاتا، لیکن مسٹر مینن یہ نہیں بتاتے کہ اگر یہ بات تھی، تو شروع ہی میں انھوں نے اپنا موقف کیوں نہیں واضح کر دیا تھا؟ فریب کاری، وقت گزاری' اور موقع پرستی کی کیا ضرورت تھی؟

اگر کانگرس نے شروع ہی میں یہ کہہ دیا ہوتا کہ ریاستوں کو آزاد ہندوستان میں موت کے گھاٹ اترنا پڑے گا تو کم از کم اس کی اصول پروری اور دیانت فکر کا سکہ بیٹھ جاتا، لیکن اپنے آپ کو کمزور پا کر ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینا، اور شہ زور پا کر، ہر مطالبہ کو مسترد کر دینا، جو کچھ بھی ہو آئین جواں مرداں تو ہرگز نہیں ہے،! ٭

(۵)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے خدمات جلیلہ

جناح نے مہاراجہ جودھپور کو پاکستان سے الحاق پر آمادہ کر لیا تھا

ٹراونکور، جودھپور، بھوپال کو ماؤنٹ بیٹن نے بالآخر جیت لیا

محکمۂ امور ریاست گزشتہ باب میں محکمۂ امور ریاست کے قیام کا ذکر ہم کر چکے ہیں اس محکمہ کو قائم کرنے کا فیصلہ ہوتے ہی اس کی کارگزاری اور حدود کار کے بارے میں نہرو نے ایک مکتوب لکھ کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار کر دیا، مجھے اس کام پر مامور کیا گیا کہ اس سلسلہ میں ضروری تجاویز پیش کر دوں، لیکن پولیٹیکل ایڈوائزر سے صلاح و مشورہ کے بعد،

ایک محکمہ، دو وزیر میں نے تجویز پیش کی کہ مجوزہ محکمہ تو ایک ہی ہو، لیکن اس کی دو شاخیں کر دی جائیں اور دونوں کے لئے الگ الگ وزیر مقرر ہوں، ایک کانگرس کی طرف سے، ایک مسلم لیگ کی طرف سے، اسی طرح دو سکریٹری بھی مقرر کئے جائیں، تاکہ تقسیم ملک کے وقت یہ محکمے دونوں حکومتوں کو تفویض ہو جائیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز منظور کر لی، اور اسے کابینہ کے ممبران کی خدمت میں بھیج دیا، نہرو نے کانگرس کی طرف سے سردار کا نام پیش کیا، جو محکمہ اطلاعات اور امور داخلہ کے بھی وزیر تھے اب وزیر امور ریاست

کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض سرانجام دیں گے، جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے عبدالرب نشتر کا نام پیش کیا۔

سردار نے اس محکمہ کی سکریٹری شپ مجھے پیش کی، ہم دونوں نے تقسیم ہند کے نتیجہ میں ملک کی صورت احوال پہ غور کیا، خاص طور پہ ریاستوں کا معاملہ زیر بحث آیا،

میں نے سردار کو بتایا کہ کابینہ پلان کے ماتحت ریاستوں کو اختیار ہے کہ وہ پاکستان یا ہندوستان کسی کی مجلس دستور ساز میں بھی شریک نہ ہوں، البتہ انھیں اپنی پڑوسی حکومت سے ——— جو جغرافی اعتبار سے ان کے قریب ہو، ——— ضروری انتظامات طے کرلیں، ہماری یعنی ہندوستان کی طرف کے فرماں روایان ریاست ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہیں، لیکن اپنی آزادی کے متعلق وہ فکرمند ضرور ہیں، میری پختہ رائے ہے کہ ان کے ساتھ غلط برتاؤ نہ ہونا چاہیے، ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ بعض بڑی ریاستوں کے فرماں رواؤں کا طرز عمل ہمارے لئے دردسر بنا ہوا ہے اور پاکستان انھیں شکار رہا ہے، اور اس بات کی سعی کر رہا ہے کہ جو ریاستیں پاکستانی سرحد کے قریب ہیں، انھیں پاکستان میں شریک کرلے۔

سردار نے مجھ سے کہا، یہ صورت بہت زیادہ خطرناک ہے، اور اگر ہم نے اس کا تدارک فوراً اور موثر طور پہ نہ کیا، تو یہ اتنی مشکلوں سے حاصل کی ہوئی آزادی ریاستوں کے دروازے سے باہر نکل جائے گی۔

والیان ریاست کے لئے دام ہمرنگ زمیں

پھر سردار نے تاج برطانیہ کی بالادستی ختم ہوجانے کے مسئلہ پر گفتگو شروع کردی،

میں نے کہا انگریزوں نے یہ سب سے بڑا زخم چلتے چلتے ہمیں پہنچایا ہے، اس سے صرف ہمیں کو نہیں والیان ریاست کو بھی نقصان پہنچے گا، میں نے سردار سے یہ شکایت بھی کی، کہ گو میں گورنر جنرل کا سیاسی مشیر ہوں، لیکن بالادستی ختم کرنے کے سلسلہ میں مجھ سے نہ مشورہ کیا گیا، نہ رائے لی گئی، اس طرز کار نے مجھے بہت دل گرفتہ کردیا

ہے۔

اس گفتگو کے بعد جب دوبارہ سردار سے ملا تو میں نے اس پلان کی تشریح کی جو میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی خدمت میں پیش کیا تھا،

میں نے کہا اگر ریاستیں، تین بنیادی چیزیں ــــــــ دفاع، امور خارجہ، اور مواصلات ــــــــ ہندوستان کو دے دیتی ہیں تو وحدت کا مقصد اہم حاصل ہو جاتا ہے، اور دستور بننے کے بعد، ہم اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنے دائرہ میں لے آئیں گے، میں نے سردار کو یہ بھی بتایا کہ ایسا کس طرح ہوگا، ؛

میں نے بتایا :

دفاع کا معاملہ ایسا ہے کہ کوئی ریاست بھی بطور خود، یہ کام انجام نہیں دے سکتی۔ امور خارجہ کا بڑا گہرا، اور ناقابل انفصال تعلق دفاع سے ہے، یہ کام کسی بڑی سے بڑی ریاست نے بھی کبھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا نہ رکھ سکتی ہے۔

مواصلات ہی وہ چیز ہے جس سے ہم ملک کی زندگی کو قائم رکھ سکتے ہیں، اور ہمارے تعاون کے بغیر اس سلسلہ میں ریاستیں کچھ بھی نہیں کر سکتیں،

ہندو مسلم کشت و خون کا اثر والیان ریاست پر

میں نے سردار کو یہ بھی بتایا کہ شمالی ہند میں ہندو مسلم کشت و خون نے بہت سے ہندو فرماں روایان ریاست کو پاکستان سے برگشتہ کر دیا ہے، لہٰذا اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھا کر، ریاستوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی ہمیں جدوجہد کرنی چاہیے۔

دفاع کا معاہدہ ہر موقع پر کام دے سکتا تھا

مجھے سب سے زیادہ جس چیز کی فکر تھی، وہ ملک کی سلامتی اور تحفظ کی تھی، اگر ریاستیں دفاع کے سلسلہ میں ہندوستان سے ملحق ہو جاتی ہیں، تو حکومت کو ہر اس ریاست میں داخل ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، جہاں ذرا بھی داخلی گڑبڑ یا بدامنی ہو، کیونکہ دفاع صرف جارحانہ حملہ کی مدافعت ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ داخلی سلامتی کا قیام و بقا بھی اسی پر منحصر ہے،

سردار نے میرا یہ نکتہ پسند کیا۔ میں نے عرض کیا نہرو کے خیالات بھی معلوم کر لیجئے اور مجھے بتا دیجئے، کیونکہ اس مرحلہ پر اس طرح کی باتوں کو تحریر میں لانا قطعاً مناسب نہیں ہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ راز نہ رہ سکیں گی پھوٹ جائیں گی، اور اگر پہلے ہی سے ہمارا پلان اور عزم افشا ہو گیا، تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

بغیر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تعاون کے کچھ نہیں ہو سکتا

میں نے ایک نہایت ہی اہم تجویز یہ بھی پیش کی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تعاون حاصل کرنا ہمارے لئے بسا ضروری ہے، کیونکہ ان کی بلند شخصیت کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ سب سے بڑے منصب پر فائز ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ برطانیہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، قدرتاً ان کا اثر والیان ریاست پر بہت گہرا ہے،

سردار نے میری اس تجویز سے دلی اتفاق کا اظہار کیا اور مجھے تاکید کی کہ فوراً لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملوں، اور انھیں ہموار کرنے کی کوشش کروں،

ماؤنٹ بیٹن کو سارے اختیارات سونپ دیے گئے

اس گفتگو کے دو ایک روز بعد میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کی، اور سردار سے جو پلان طے پایا تھا اس کے بارے میں مفصل بات چیت کی۔

میں نے کہا جب تک آپ کی مدد شامل حال نہ ہو، امور سہ گانہ (دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل) میں ریاستیں انڈین یونین سے الحاق نہیں کریں گی، اور یہ آپ کے تدبر کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا، اگر آپ ریاستوں کو اس پر آمادہ کر لیں،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے میں نے یہ بھی کہا تقسیم ہند کا زخم آسانی سے مندمل ہو سکتا ہے۔ اگر ریاستیں حکومت ہند کے پرچم تلے آجائیں، اور آپ کے اس عظیم کارنامہ کو بھارت کی آنے والی نسلیں سپاس و تحسین کے الفاظ میں یاد کریں گی، میرے ان الفاظ سے وہ زیادہ متاثر ہوئے، کیونکہ ملک کو بنیادی اتحاد اسی طرح مل سکتا ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ وہ خود بھی یہی سوچ رہے تھے،

اس موقع پر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میرا خیال تھا لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے بعض بے تدبیر مشیروں سے بری طرح متاثر ہیں، لیکن پھر میری خوشی اور اطمینان کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ ہمارے پلان سے پورے طور پر متفق ہیں،

چنانچہ نہرو نے کابینہ کی منظوری سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو والیان ریاست سے عام طور پر اور نظام حیدرآباد سے خاص طور پر گفتگو کرنے اور معاملات طے کرانے کا اختیار دے دیا،

پولٹیکل ایجنٹ سے میری لڑائی

اسی اثناء میں سر کانراڈ پولٹیکل ایڈوائزر نے وی کرڈن نے معاہدۂ قائمہ کا ایک مسودہ ہندوستان، پاکستان اور انفرادی طور پر ریاستوں کو گشت کرایا، اس مسودہ میں ریاستوں سے جو رقم لی جاتی تھی وہ حذف کر دی گئی تھی، صرف انتظامی معاملات علی حالہٖ جاری رکھنے کا ذکر تھا، حد یہ ہے کہ معاملہ خارجہ تک کو صاحب موصوف نے نہیں چھیڑا تھا، میں نے اور سردار نے ان سے ملاقات کی، میں نے ان سے کہا،

"حکومت ہند تو یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ الحاق کی پالیسی پر عمل پیرا ہوگی،!"

یہ سننا تھا کہ سر کانراڈ وفور حیرت سے اچھل پڑے، ——————— محاورۃً نہیں واقعی طور پر ——————— انھوں نے ہماری اس پالیسی کو ضرورت سے زیادہ جاہ طلبی قرار دیا۔

میں نے بہرحال یہ بات واضح کر دی کہ گو ہم پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کی طرف سے دی گئی ہر امداد کا شکریہ کے ساتھ خیر مقدم کریں گے، لیکن والیان ریاست سے گفت وشنید کا مرحلہ بہرحال نئے محکمۂ امور ریاست ہی کو انجام دینا ہے، ——————— !!

والیان ریاست کے لیے تسلی بخش بات

میں نے ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو محکمہ امور ریاست کا چارج لیا، ۳ کو میں نے سردار سے کہا کہ ایک ایسا بیان جو والیان ریاست کے شک و شبہ کو ختم کر دے ہماری

طرف سے شائع ہونا چاہئے، سردار نے اس رائے سے اتفاق کیا اور مجھے حکم دیا کہ بیان تیار کروں، میں نے تعمیلِ حکم کی، سردار نے وہ بیان پسند کیا، کہ مختصر بھی ہے اور تسلی بخش بھی، اس بیان میں کہا گیا تھا کہ:

"ریاستوں نے یہ بنیادی اصول مان لیا ہے کہ معاملات خارجہ، دفاع اور مواصلات کے سلسلہ میں وہ انڈین یونین سے ملحق رہیں گی، ان امور سہ گانہ کے علاوہ ہم ریاستوں سے کچھ اور نہیں چاہتے، کہ ملک کا عام مفاد انہی امور سے وابستہ ہے، !"

والیان ریاست کس طرح جال میں پھانسے جاتے تھے

۲۶ جولائی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے شتر والیان ریاست اور سو کے قریب نمائندگان ریاست کے اعزاز میں ایک شاندار استقبالیہ دیا، پاکستان کے نمائندے بھی اس موقعہ پر موجود تھے،

اس استقبالیہ کی مثال ایسی تھی جیسے انتخابات کے زمانہ میں پولنگ بوتھ پر جب ووٹر پرچی ڈالنے آتا ہے تو چلتے چلتے بھی اس سے ووٹ کے لئے اپیل کی جاتی ہے کہ شاید اُدھر کے بجائے اِدھر آجائے،

جو والیان ریاست اب تک راہ راست پر نہیں آئے تھے، اور الحاق پر تیار نہیں ہوئے تھے، انھیں ایک ایک کر کے اے ڈی سی، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس لے جاتا، جب وہ کنویسنگ کر چکتے، تو اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیتے میں بھی ڈھب پر لانے کی پوری کوشش کرتا، پھر باری باری سے یہ سردار کے پاس پہنچا دیے جاتے، رہی سہی کسر وہاں پوری ہو جاتی، اس طرز کار نے بڑا اچھا اور نفسیاتی اثر ان والیان ریاست پر ڈالا جو اس موقع پر موجود تھے،

مسلم لیگ بھی اپنا کام کر رہی تھی

ابھی تک بہت سے ایسے والیان ریاست تھے جو الحاق کے سخت مخالف تھے، چنانچہ وہ اس استقبالیہ میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے، حیدر آباد اور ٹراونکور نے

تو اپنی آزادی کامل کا اعلان کر ہی دیا تھا، اب دوسرے والیان ریاست نے بھی اسی نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس مرحلہ پر رہنمایان مسلم لیگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے، تقریباً ہر روز بعض والیان ریاست سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، انھیں پاکستان میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے خوب خوب رشوتیں پیش کی جارہی تھیں مسلم لیگ کے لیڈر سب سے زیادہ زور جن ریاستوں پر دے رہے تھے وہ پاکستان کی سرحد سے قرب واتصال رکھنے والی ریاستیں تھیں،

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ دردسر بن گیا

بعض والیان ریاست اور رہنمایان مسلم لیگ کی حرکتیں ہمارے لئے کیا کم وجہ تشویش تھیں، کہ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ بھی ایک مستقل دردسر بن گیا، یہ ڈپارٹمنٹ نواب بھوپال کی اس مطالبہ میں حوصلہ افزائی کر رہا تھا کہ ریاستیں ملکر ایک تیسرا ہندوستان بنالیں،

بعض والیان ریاست نے مجھے بتایا کہ انھیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان سے ملحق نہ ہوں، اس اطلاع نے مجھے مضطرب کر دیا، میں نے جو کچھ سنا تھا، سب لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے گوش گزار کر دیا، میں نے واضح کر دیا کہ اگر سر کانراڈ اور میں، ایک ہی میدان میں مصروف کار رہے، تو ہماری سمتیں قطعاً مختلف ہوں گی، میری اس گفتگو کے چند ہی روز بعد سر کانراڈ انگلینڈ رخصت لے کر چلے گئے، اور پھر ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔

سر سی پی
نہ بہ زاری نہ بہ زور ی آید

سر سی پی راما سوامی آئر نے ٹراونکور کی آزادی کا اعلان کر کے دوسرے والیان ریاست میں ایک نئی حوصلہ مندی پیدا کر دی، چنانچہ جب ہم نے ۲۵-جولائی کو والیان ریاست کا ایک اجتماع کرنے کا دعوت نامہ بھیجا تو حکومت ٹراونکور نے جواب دیا کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ٹراونکور کے نمائندے اس اجتماع میں شریک ہوں، کیونکہ ریاست نے ہندوستان سے ملحق نہ

ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے،

اب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سرسی پی کو نئی دہلی میں بلایا، ۲۰ جولائی کو میں نے سر سی پی سے گفتگو کی، جس میں الحاق پر زور دیا، پھر میں نے کہا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میرے دل میں آپ کا انتہائی احترام ہے اس لئے بھی کہ آپ واقعات پر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے غور کرنے کے عادی ہیں، اور اس لئے بھی کہ ماضی میں آپ نے جو عظیم کارنامے انجام دیے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ آپ کے بارے میں لوگ یہ کہیں کہ جب ہندوستان پر کٹھن گھڑی آئی تھی تو آپ نے متحدہ ہندوستان کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں لیا، حالانکہ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں تھا اور آپ سب کچھ کر سکتے تھے، میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ خدارا ایسا نہ کیجئے" ——— !،

سرسی پی نے جواب میں کہا،

"میں ابھی اور فوراً کوئی جواب نہیں دے سکتا، !"

ماؤنٹ بیٹن نے ٹراونکور کو جیت لیا

۲۱ جولائی کو سرسی پی لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملے، مؤخر الذکر نے جب انھیں الحاق کی راہ پہ لانا چاہا تو کہا۔

"ٹراونکور کو یہ زریں موقع مل رہا ہے کہ وہ اپنا پارٹ انجام دے، ٹراونکور کا ہندوستان سے الحاق ایک قابل تقلید نمونہ بن جائے گا، اس مدبرانہ اقدام پہ ہر طرف سے تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے جائیں گے، !"

سرسی پی نے جواب دیا،

"میں الحاق پر تو راضی نہیں ہو سکتا البتہ امور سہ گانہ پہ معاہدہ کرنے کو تیار ہوں،

میں نے سرسی پی سے کہا حکومت ہند معاہدہ نہیں الحاق چاہتی ہے، کیونکہ دوسری

ریاستیں بھی پھر اسی کی پیروی کریں گی، اور وہ الحاق کے بجائے معاہدے کو ترجیح دیں گی لہٰذا دستاویز الحاق پہ دستخط ناگزیر ہیں۔

اور آخر کار

شروع میں تو سرسی پی چیٹان کی طرح اپنے انکار پہ جمے رہے، پھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے متعدد ملاقاتیں کرنے کے بعد وہ الحاق پہ راضی ہو گئے۔

مہاراجہ جودھپور کی جناح سے ساز باز

مرحوم مہاراجہ جودھپور بدستور اپنی ضد یعنی الحاق نہ کرنے پہ اڑے ہوئے تھے، جناح اور رہنمایان مسلم لیگ برابر ان سے ملاقاتیں کر رہے تھے، رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مہاراجہ جودھپور نے مہاراجکمار جیسلمیر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، کیونکہ مہاراجہ بیکانیر نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اور اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔
پاکستان کے علاقہ سے جغرافی طور پہ متصل یہی تین ریاستیں تھیں، مجھے بتایا گیا کہ جناح نے ایک سادہ کاغذ پہ دستخط کر کے مہاراجہ جودھپور کے حوالے کر دیا تھا، دستخط انھوں نے اپنے خاص فونٹن پن سے کئے تھے، اور کہا تھا،

"جو چاہے لکھ لیجئے، مجھے منظور ہے،!"

مہاراجہ جودھپور پاکستان سے ملحق ہونے پہ بالکل تیار ہو گئے، پھر وہ مہاراجکمار جیسلمیر کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا،

"کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟"

مہاراجکمار نے کہا۔

میں ساتھ دے سکتا ہوں لیکن ایک شرط کے ساتھ، شرط یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی ہندو مسلم جنگ شروع ہوئی تو میں ہندوؤں کے برخلاف مسلمانوں کا ساتھ نہیں دوں گا،!"

یہ ایک بم کا گولہ تھا جس نے مہاراجہ جودھپور کو بھونچکا کر دیا،

سر ظفر اللہ خاں نے مہاراجہ جودھپور پہ زور دیا کہ وہ تو بہر حال دستخط کر دیں۔ لیکن اب مہاراجہ میں فیصلہ کرنے کی ہمت نہ تھی، انھوں نے جناح سے کہا، وہ

جودھپور جارہے ہیں، دوسرے دن ——— آکر جواب دیں گے، لیکن مہاراجہ نے جے پور میں تین دن قیام کیا، کیونکہ وہاں کے جاگیردار اور عوام الحاق پاکستان کے مخالف تھے مہاراجہ چکر میں پڑ گئے، غرض مہاراجہ دہلی آئے، مجھے بتایا گیا کہ اگر میں نے فوراً انھیں ہموار نہ کیا تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ پاکستان سے الحاق کر لیں گے،

ماؤنٹ بیٹن نے جودھپور فتح کرلیا

ہوٹل امپیریل میں مہاراجہ ٹھہرے ہوئے تھے میں وہاں گیا، اور مہاراجہ سے کہا، کہ آپ کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن یاد کرتے ہیں، میں مہاراجہ کو لے کر گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچا، مہاراجہ کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ساری سرگزشت سنائی،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ کو شرف باریابی عطا کیا، اور فرمایا:

"جہاں تک خالص آئینی نقطۂ نظر کا تعلق ہے آپ بے شک پاکستان سے الحاق کر سکتے ہیں، لیکن اس کے نتائج کتنے سنگین ہوں گے یہ سوچ لینا چاہیے، آپ خود ہندو ہیں، آپ کی رعایا کی غیر معمولی اکثریت ہندو ہے، جودھپور جن ریاستوں سے گھرا ہوا ہے وہ ہندو ہیں، اور ہندو اکثریت کی حامل ہیں، ان حقائق کی روشنی میں اگر آپ پاکستان سے الحاق کرتے ہیں تو وہ بنیاد ہل جائے گی، جو تقسیم ہند کی موجب ہے، اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاست میں طوفان اٹھ کھڑا ہوگا جس کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا، اور سوچ لیجئے اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

مہاراجہ نے فوراً ہی لامتناہی مراعات کا مطالبہ شروع کر دیا، جن کا پورا کرنا قطعاً ممکن نہ تھا،

میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا اگر آپ غلط امیدوں ہی کے سہارے جینا چاہتے ہیں تو جو کیجئے ہم مان لیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ناقابل قبول ہیں،

فوراً ہی مہاراجہ نے جواب دیا، جناح نے مجھے ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے دے

دیے ہیں کہ میں جو چاہوں لکھ لوں وہ بے تامل منظور کر لیں گے،

میں نے مہاراجہ سے کہا، خدارا جھوٹے وعدوں پر بھروسہ نہ کیجئے،

آخر کافی بحث مباحثہ کے بعد میں نے ایک خط لکھ کر دیا، جس میں مہاراجہ کے کئی ناواجب مطالبات منظور کر لئے، چنانچہ بالآخر انھوں نے دستاویز الحاق پر دستخط کر دیے،

مہاراجہ جودھ پور نے پستول مجھ پر نشانہ باندھا

اس واقعہ کے چند منٹ بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن کسی کام سے اٹھ کر کمرہ سے باہر چلے گئے، مہاراجہ نے فوراً ریوالور نکالا اور اس کی نالی میری طرف کرتے ہوئے گویا ہوئے،!

"میں تمہارا حکم ماننے سے انکار کرتا ہوں،!"

میں نے اپنے حواس بحال رکھے،

"مہاراجہ صاحب آپ غلطی پر ہیں اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ مجھے ہلاک کرکے یا قتل کی دھمکی دے کر دستخط شدہ معاہدۂ الحاق کو اب منسوخ کرسکتے ہیں،!"

جیسے ہی میری یہ تنبیہہ ختم ہوئی لارڈ ماؤنٹ بیٹن واپس آگئے، میں نے انھیں سارا ماجرا کہہ سنایا، انھوں نے اس واقعہ کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی، اور اسے مذاق میں اڑا دیا۔ اس طرزِ عمل نے مہاراجہ کی برافروختگی بھی ختم کردی، اور پھر ہم ساتھ ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے،

بھوپال کو ماؤنٹ بیٹن نے زیر کرلیا

نواب بھوپال نے والیان ریاست کے اجتماع میں شرکت نہیں کی، جو ۲۵- جولائی کو منعقد ہوئی تھی، وہ مہاراجہ اندور کے ساتھ اس گروہ کی رہنمائی کر رہے تھے جو الحاق کا سخت مخالف تھا، نواب نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بھوپال کبھی بھی ہندوستان کا ایک غیر منفک حصہ بن سکتا ہے نہ پاکستان کا، البتہ دونوں ———— ہندوستان اور پاکستان ———— سے وہ معاہدے کی بنیاد پر تعلقات استوار کرے گا،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن انھیں ہموار کرنے کی سخت جدوجہد کرتے رہے ان دونوں کی

ملاقاتوں کے موقع پر میں اکثر موجود رہتا تھا۔
آخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نواب بھوپال سے دیرینہ ذاتی دوستانہ تعلقات کام آئے اور بالآخر نواب نے بھی معاہدۂ الحاق پر دستخط کر دیے۔

نواب بھوپال اور سردار کی پُر لطف خط و کتابت

سردار کو اپنے فیصلہ سے مطلع کرتے ہوئے نواب نے لکھا، :

"میں اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا کہ میں نے ہر وہ ذریعہ استعمال کیا جو میرے اختیار میں تھا، اور ریاست کی آزادی اور غیر جانبداری قائم رکھنے میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا، لیکن اب کہ میں شکست تسلیم کر چکا ہوں مجھے کہنے دیجیے کہ میں جتنا بدترین دشمن تھا، اتنا ہی وفادار دوست بھی ثابت ہوں گا، —— !"

سردار نے فوراً اس خط کا جواب دیا، :

"نہایت سچائی کے ساتھ میں کہنا چاہتا ہوں کہ دستاویز الحاق پر آپ کے دستخط کرانے سے نہ میں نے یہ تاثر لیا ہے کہ فاتح ہوں، نہ یہ سمجھا ہے کہ آپ شکست خوردہ ہیں، یہ صرف حق و صداقت کی فتح ہے جو آخر کار ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، اور حق و صداقت کی اس فتح میں میں نے اور آپ نے اپنا اپنا حصّہ ادا کیا ہے،

گزشتہ چند ماہ سے بڑے دکھ اور مایوسی کے ساتھ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ کی شک و شبہہ سے بالا قابلیت اور ذہانت سے ملک فائدہ نہیں اٹھا رہا تھا، جس کی اس نازک وقت میں شدید ضرورت تھی، لہٰذا میں خاص طور پر آپ کے تعاون اور دوستی کی یقین دہانی کا خیر مقدم کرتا ہوں، !"

مہاراجہ اندور بھی مان گئے

مہاراجہ اندور اب تک اپنے موقف پر قائم تھے، انھوں نے بھی والیان ریاست کے اجتماع میں شرکت نہیں کی، ایک مرتبہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انھیں دہلی بلانا چاہا کہ بالمشافہ گفتگو کر کے انھیں رام کرتے

کی کوشش کریں، لیکن میں نے انھیں باز رکھا اور بتایا کہ مرہٹہ والیان ریاست کی ایک جماعت مہاراجہ اندور کو منانے گئی تھی، مگر مجھے مہاراجہ بڑودہ نے بتایا کہ ہم سب مہاراجہ کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئے، اور ہم سے اس طرح آنکھیں پھیر کر اوپر چڑھ گئے، گویا ہمارا کوئی وجود ہی نہ تھا،

لیکن بہر حال لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے چند ملاقاتوں کے بعد انھوں نے بھی دستاویز الحاق پر دستخط کر دیے۔

عظیم فاتح: ماؤنٹ بیٹن

۱۵-اگست کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مجلس دستور ساز میں الحاقی پالیسی کی کامیابی کا اپنے خطبہ میں تذکرہ کرتے ہوئے اسے عظیم فتح قرار دیا، اور کوئی شبہ نہیں یہ عظیم فتح صرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بلند و بالا، طاقتور اور ہوشمند شخصیت کا نتیجہ تھی[1]۔

---

(۱) اس باب میں پاکستان، قائد اعظم، اور لیاقت علی خاں، پر جو الزامات مینن نے لگائے ہیں، مجالس مشترکہ کی جو کارروائیاں درج کی ہیں، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور پٹیل کا جو انداز فکر پیش کیا ہے، اپنی کارگزاریوں اور ہوشمندیوں کی جو روداد درج کی ہے، اندرون خانہ، اور پس پردہ کارروائیوں کا جو جائزہ لیا ہے، اور پھر، وہ تمام باتیں جو ان کے مخالف پڑ سکتی تھیں، یا جن سے ان کے دعاوی اور دلائل کا ابطال ہوتا تھا، انھیں جس طرح نظر انداز کر دیا ہے، اس سے تصویر کا صرف ایک رُخ سامنے آتا ہے دوسرا رخ جو یقیناً، زیادہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوگا، نظر سے اوجھل ہے اور اب شاید ہمیشہ اوجھل ہی رہے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹیل کو جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ گئے، تفصیل ساگی کی کتاب LIFE AND WORK OF SARDAR PATEL میں موجود ہے، نہرو کو جو کچھ کہنا تھا، اس کی تفصیل بھی مل جاتی ہے، لارڈ ماؤنٹ نے جو کچھ کیا اور کہا، اس کے لئے کیمبل جانسن کی کتاب MISSION WITH LORD MOUNT BATTEN بہترین مواد پیش کرتی ہے، مینن صاحب کے مزعومات و فرمودات کا مجموعہ یہ کتاب ہے، جو آپ کے پیش نظر ہے۔

لیکن ——————

اور یہ لیکن ایک بہت بڑا المیہ ہے'!

قائد اعظم اس دنیا سے رخصت ہو گئے، قیام پاکستان کے بعد ان پر افکار کا ایسا بار گراں آن پڑا کہ زندگی کے بقیہ دن انہی الجھنوں کی نظر ہو گئے۔

لیاقت علی خاں پردہ اٹھا سکتے تھے ان بیچارے کو موقعہ نہ ملا،

مسلمانوں کا خادم تھا لیاقت
مسلمانوں نے اس کو مار ڈالا!!

وہ بھی اس موضوع پر لب کشائی نہ کر سکے،

سردار عبدالرب نشتر مرحوم و مغفور کو، —————— خدا ان کی تربت عنبریں کرے —————— قائد اعظم نے وزیر امور ریاست نامزد کیا تھا، وہ بھی اس سلسلہ میں گراں بہا معلومات پیش کر سکتے تھے، لیکن بدقسمتی سے وہ صاحب زبان تھے، صاحب قلم نہ تھے، اگر کوئی ان سے کرید کرید کر پوچھتا، وہ کہتے جاتے، اور وہ لکھتا جاتا، تو بات بن سکتی تھی، مگر ایسا نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ بھی اس جہان گزران سے رخصت ہو گئے۔

لے دے کے اختر حسین رہ جاتے ہیں جو مینن کے ساتھ اس محکمہ کے سکرٹری تھے اور جن کے علم میں اس سلسلہ کی ہر بات ہے۔ وہ پنجاب کے چیف سکرٹری رہے۔ پھر محکمہ دفاع کے سکرٹری رہے یہ دونوں اتنی گراں بار ذمہ داریاں تھیں کہ شاید ان کے لئے تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنا مشکل بھی نہ تھا، پھر وہ مغربی پاکستان کے گورنر نامزد ہو گئے، اور کئی سال تک اس منصب رفیع پر فائز رہے، اب نسبتاً انھیں فرصت تھی وہ چاہتے تو پوری تفصیل سے یہ روداد قلمبند کر سکتے تھے، لیکن یہ موقع بھی گزر گیا، اور اب وہ محکمہ اطلاعات و نشریات کے وزیر ہیں، اب تو شاید پھر کثرت کار کے باعث اس طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر عزم ہوتا، تو ان گراں بار مصروفیتوں کے باوجود بھی اس کام کے لئے کسی نہ کسی طرح وقت نکالا ہی جا سکتا تھا، آخر جواہر لال نے اپنی خود نوشت

کے لئے راجیندر پرشاد نے اپنی کتاب تزک کے لئے، بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود وقت نکال ہی لیا، حالانکہ ایک وزیر اعظم تھا، دوسرا صدر مملکت، اور یہاں اس طرف توجہ کرنے کا وقت بھی نہ نکل سکا،

تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں!

کاش اختر حسین اب بھی وقت نکال کر، یہ کام کسی طرح کر سکیں، یہ بہت بڑی ملّی اور ملکی حکومت ہوگی۔

اس باب سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وزیر ہند، وائسرائے، وزیر اعظم برطانیہ والیان ریاست، اور دوسرے سیاستدانوں نے "دفاع" سے جو مفہوم مراد لیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ہنگامی اور جارحانہ کارروائی کی صورت میں حکومت ہند کے فوجی اقدامات کی ریاست ہائے ہند تابع ہوں گی، لیکن مینن صاحب نے اپنی ذہانت سے یہ مراد لیا کہ دفاع کی ذمہ داریاں اگر ہمارے پاس رہیں، تو دنیا کی ہر چیز، حتیٰ کہ ریاستوں کے اندرونی معاملات بھی، ہمارے دست تصرف میں آجاتے ہیں، اور چونکہ قوت ان کے پاس تھی، لہذا ——— مستند تھا ان کا فرمایا ہوا،

ایک اور نہایت دلچسپ بات جو اس باب سے واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ والیان ریاست کو قابو میں لانے کی صرف یہ صورت مینن صاحب اور پٹیل کے ذہن میں آئی کہ جس طرح بھی ہو سکے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو آلۂ کار بنایا جائے، اور اس کی دلیل یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، نائب شاہ برطانیہ ہیں، ان کی دھونس میں آکر والیان ریاست وہ باتیں مان لیں گے جو گاندھی جی، نہرو اور پٹیل، باہمہ قوت و اقتدار نہیں منوا سکتے۔

انگریزوں کی تاریخ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن شاید پہلا شخص ہے، جو نہایت آسانی اور حد درجہ سعادت مندی کے ساتھ، پٹیل، نہرو، اور مینن کا آلۂ کار بن گیا۔

والیان ریاست کو قابو میں لانے کی جو تدبیریں اختیار کی گئیں وہ بھی کسی درجہ عجیب، بلکہ ذہانت کا شاہکار کہی جا سکتی ہیں،

ایک طرف والیان ریاست کو طفل تسلیاں دی جاتی ہیں، ان کے شکوک وشبہات رفع کرنے کے لیے بار بار بیانات شائع کئے جاتے ہیں، دوسری طرف وائسرائے ہاؤس کے استقبالیہ میں ہر ہر والی ریاست پہلے ماؤنٹ بیٹن کے سامنے پیش ہوتا ہے، وہ تلقین کے بعد اسے مینن کی طرف بڑھا دیتے ہیں، وہ سبز باغ دکھا کر، پٹیل کے پاس پہنچا دیتے ہیں، وہ بیک وقت ترغیب وترہیب سے کام لیتے ہیں، اور اس نفسیاتی ہجوم اور یورش کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ بیچارہ والی ریاست ہتھیار ڈال دیتا ہے،

لطف کی بات یہ ہے کہ والیان ریاست کو آمادۂ الحاق کرنے کے لئے حکومت ہند جو چاہی کرتی جائز تھا، لیکن اصول، دستور، آئین، اور قانون کے مطابق مسلم لیگ نے اگر بعض سرحدی ریاستوں پر ڈورے ڈالے تو ہنگامہ مچ گیا،

تم بھی وہی کہو تو کہے اک جہاں بجا،
میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے فتوحات کی جو تفصیل مینن نے بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح انھوں نے ٹراونکور کے جذبۂ آزادی کو کچلا، کس طرح انھوں نے جودھپور کو اس کے حق سے محروم کیا، کس طرح انھوں نے بھوپال کو زیر کیا، ان واقعات پر آج مینن کو فخر ہے، لیکن آنے والی نسلیں ان واقعات کو پڑھ کر اپنے اجداد کی دراز دستیوں کے یہ واقعات پڑھ کر ندامت سے سر جھکا لیں گی۔ ٭

---

(۶)

جوناگڑھ

واقعات حقائق کی عبرت انگیز کہانی

پاکستان سے الحاق ریاستوں کا الحاق درحقیقت پیش خیمہ تھا، ریاستی ہند کے مسائل کو آخری طور پر حل کرنے کا، لیکن قبل اس کے کہ ہم آئندہ اقدام پر غور کرتے یکایک مغربی افق پر ایک ابر سیہ جو طوفان بلا کی آمد کی خبر دے رہا تھا نمودار ہو ــــــــ یہ واقعہ تھا نواب جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق۔

کاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں جوناگڑھ کا رتبہ اور مقام سب سے بلند تھا، یہ ریاست کاٹھیاواڑ کے جنوب مغرب میں واقع تھی، یہ ہر چہار طرف سے دوسری ہندوستانی ریاستوں سے گھری ہوئی تھی سوا جنوب، اور جنوب مغرب کے علاقہ کے جہاں بحر عرب کی موجیں تڑپ رہی تھیں،

جوناگڑھ اور پاکستان کے مابین کوئی بری راستہ نہیں تھا، جوناگڑھ کی بندرگاہ ویراول اور کراچی کے مابین تین سو میل کا فاصلہ تھا،

اس ریاست کا رقبہ ۳۳۷ مربع میل، آبادی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق، ۶ لاکھ ۷۰ ہزار ۷ سو ۱۹ نفر تھی، آبادی کا اسّی فیصد حصہ ہندو تھا،

جوناگڑھ کے متعدد علاقے پاس کی دوسری ریاستوں، گونڈل، نوانگر اور بھاؤنگر

میں واقع تھے، اسی طرح کاٹھیاواڑ کی جن ریاستوں نے ہندوستان سے الحاق کرلیا تھا، ان میں سے بھی متعدد کے علاقے حدود جوناگڑھ میں واقع تھے، علاوہ ازیں ریاست بڑودہ کے کچھ علاقے ایسے تھے کہ جوناگڑھ سے گزرے بغیر وہاں جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا، جوناگڑھ کے حدود میں ہندو اور جین مت کے پرستاروں کی متعدد زیارت گاہیں تھیں، جہاں اطراف واکناف ہند سے جوق در جوق لوگ آیا کرتے تھے، ریاست کی ریلوے اور پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف کا محکمہ ہندوستان کا غیر منفک حصہ تھا ریلوے پولیس، ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کا انتظام اور در و بست تمام تر حکومت ہند کے ہاتھ میں تھا،

جوناگڑھ کی تاریخ

سنہ ۷۳-۱۴۷۲ء تک جوناگڑھ ایک راجپوت ریاست تھی، پھر اسے احمد آباد کے فرماں روا سلطان محمد بیگڑا نے فتح کرلیا شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں یہ دہلی کی باج گزار بن گئی، لیکن اس پر سلطان احمد آباد کی بالادستی قائم رہی۔

سنہ ۱۷۳۵ء میں جب مغلیہ حکومت قریب ختم ہو چکی تھی ایک جواں بخت سپاہی شیر خاں بابی نے جو صوبیدار کے ماتحت ایک اعلیٰ افسر تھا مغل گورنر کو یہاں سے نکال دیا، اور ریاست میں اپنی حکومت قائم کرلی جوناگڑھ کا آخری نواب اسی شیر خاں بابی کی اولاد میں تھا۔

نواب سگ پرست

نواب سر مہابت خاں رسول خاں جی ایک سنکی اور بدمست قسم کے آدمی تھے، زندگی میں جس چیز سے ان کا شغف عشق کے درجہ تک پہونچا ہوا تھا، وہ کتے تھے جو سینکڑوں کی تعداد میں قصر شاہی کے اندر موجود تھے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ نواب کو اپنے کتوں سے اتنا والہانہ تعلق تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک کتے اور کتیا کی شادی کا اہتمام نہایت شاندار طور پر کیا، اس تقریب پر بہت بڑی رقم سرکاری خزانہ کی صرف کی گئی، اور اس جشن مسرت کے موقع پر ساری ریاست میں ایک دن کی تعطیل عام کا اعلان کردیا گیا،

جوناگڑھ کے نواب کا تلوّن

نواب جوناگڑھ متحدہ کاٹھیاواڑ کے زبردست داعیوں میں سے تھے، ۱۱۔ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء کو بعض افواہوں کی تردید کرتے ہوئے، جو گجراتی اخبارات میں شائع ہوئی تھیں اور جن میں ہندوستان کے نئے دستور

کے سلسلہ میں جوناگڑھ کے طرزِ عمل پہ نکتہ چینی کی گئی تھی، حکومت جوناگڑھ نے ایک اعلان شائع کیا اس پریس نوٹ کا ایک پیراگراف یہ تھا:

"جوناگڑھ پوری سرگرمی اور کاٹھیاواڑ کی انفرادیت اور آزادی کا علمبردار ہے، وہ کاٹھیاواڑی ریاستوں کے ایک متحدہ گروپ کا حامی ہے اس گروپ کی ریاستیں گو انفرادی اور داخلی طور پہ آزاد ہوں گی، لیکن عام مفاد کے معاملات میں یہ ہندوستان سے پورا پورا تعاون کرے گا، !"

اس واضح بیان نے تمام افواہوں اور شبہات کا خاتمہ کر دیا، ۲۲-اپریل کے گزٹ میں، دیوان و وزیر اعظم جوناگڑھ خاں بہادر عبدالقادر محمد حسین کی ایک تقریر شائع ہوئی اس تقریر میں دیوان نے واضح اور صاف الفاظ میں بعض دیسی اخبارات کی ان افواہ بازیوں کی تردید کی تھی کہ جوناگڑھ کا ارادہ پاکستان سے ملحق ہونے کا ہے، اس بات کی بھی تردید کی گئی تھی کہ بلوچوں اور حرّوں کی بڑی تعداد حدود ریاست میں در آمد کی گئی ہے اور اسے ریاستی افواج میں شریک کر لیا گیا ہے، اس بات کی بھی تردید کی تھی کہ جوناگڑھ کے بہاؤالدین کالج کا الحاق سندھ یونیورسٹی سے کیا جا رہا ہے۔

نبی بخش ہندوستان سے الحاق چاہتے تھے

۲۵-جولائی کو والیان ریاست کے جس اجتماع سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خطاب کیا تھا، اس میں جوناگڑھ کی نمائندگی نبی بخش نے کی تھی، جو نواب کے دستوری مشیر اور دیوان کے بھائی تھے، نبی بخش نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے متعدد سوالات کیے، جن کا جواب پوری صفائی اور بے تکلفی کے ساتھ دیا گیا،

نبی بخش نے جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے اس اجتماع کے بعد ایک نجی ملاقات کی تو فرمایا کہ میں نواب صاحب کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ وہ ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر لیں، جام صاحب نوانگر سے بھی دوران ملاقات میں نبی بخش نے یہی کہا، سردار سے بھی دوران قیام دہلی میں وہ ملے اور ان سے بھی اسی قول کا اعادہ کیا،

سرشاہ نواز بھٹو

۱۹۴۷ء کے اوائل میں جوناگڑھ کے دیوان عبدالقادر محمد حسین نے سرشاہ نواز بھٹو(۱) کو مجلس وزارت میں شرکت کی دعوت دی جو کراچی کے مسلم لیگی رہنماؤں میں شمار کئے جاتے تھے،

مئی ۱۹۴۷ء میں عبدالقادر محمد حسین بغرض علاج یورپ چلے گئے، ان کی جگہ سرشاہ نواز دیوان ریاست مقرر ہوئے، اس تقرر کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ نبی بخش بھی چلتے کر دیے گئے ان دونوں بھائیوں کے جاتے ہی نواب مسلم لیگ کے زیر اثر آ گئے، جام صاحب آف نوانگر اور مہاراجہ دھرنگادھرا نے مجھے متنبہ کیا کہ اب ریاست کی باگ سرشاہ نواز کے ہاتھ میں ہے اور اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ وہ پاکستان سے الحاق نہ کرلے۔

دستاویز الحاق

حسب قرارداد ہم نے دستاویز الحاق دستخط کے لئے نواب کے پاس بھیج دی، لیکن ۱۲-اگست ۱۹۴۷ء تک نواب کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا- میں نے یاددہانی کا تار نواب اور دیوان کے نام بھیجا، اور مطلع کیا کہ دستاویز الحاق پہ دستخط کی اطلاع دینے کی آخری تاریخ ۱۴-اگست ہے، نیز میں نے درخواست کی کہ دستاویز الحاق دستخط کے بعد جلد از جلد واپس کر دی جائے- ۱۳-اگست کو سرشاہ نواز بھٹو کا جواب ملا کہ اس مسئلہ پہ غور کیا جا رہا ہے-

سرشاہ نواز کی فریب کاری

مزید فریب کاری کا اظہار یوں ہوا کہ اسی دن سرشاہ نواز نے شہریان جوناگڑھ کے سربرآوردہ اصحاب کو مدعو کیا، ریاست کے ہندو باشندوں کی طرف سے ایک میمورنڈم دیوان کے حوالہ کیا گیا کہ وہ نواب کی خدمت میں پیش کر دیں، اس میمورنڈم میں ان خطرات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جو پاکستان سے الحاق کی صورت میں رونما ہوں گے، جغرافی حیثیت سے قطع نظر، نیز اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ ریاست کی غیر معمولی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے، اس وقت کاٹھیاواڑ میں جوناگڑھ کو جو امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی-

---

(۱) سرشاہ نواز بھٹو، پاکستان کے موجودہ وزیر ذوالفقار علی بھٹو کے والد تھے، (مترجم)

اس میمورنڈم میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ کاٹھیاواڑ کی متعدد ریاستیں نواب کو ہر سال خراج —— جسے جوناگڑھ کی اصطلاح میں زرطلبی کہا جاتا تھا —— کی معقول رقم دیتی ہیں، پاکستان سے الحاق کی صورت میں یہ بات بھی ختم ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں پاکستان سے الحاق کا اثر ریاست کی تجارت، صنعت و حرفت، اور رسل و رسائل پر بھی نہایت ناگوار پڑے گا اور اس طرح جوناگڑھ کی مالی حالت سقیم ہو جائے گی۔

اس میمورنڈم میں نواب سے استدعا کی گئی تھی کہ مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر جوناگڑھ کا الحاق فوراً ہندوستان سے کر لیا جائے۔

حاضرین میں سے ایک مسلمان سے دیوان نے اس بارے میں اس کی رائے دریافت کی، اس نے جواب دیا، رعایائے ریاست کو اس معاملہ میں لب کشائی کا حق بالکل نہیں ہے، اور یہ صرف فرماں روائے وقت کا حق ہے کہ ہندوستان یا پاکستان میں سے جس سے چاہے الحاق کرلے۔

جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کیوں کیا

اس طرح لوگوں کی آنکھ میں دھول ڈال کر کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے، وہ رائے عامہ کے مشورہ سے کیا جا رہا ہے، ۱۵۔ اگست کو جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کرلیا، اس سلسلہ میں جو کمیونکے شائع ہوا اس کی عبارت یہ ہے:

"گزشتہ چند ہفتوں سے حکومت جوناگڑھ کے سامنے یہ سنجیدہ اور سنگین مسئلہ غور و خوض کا مرکز بنا ہوا تھا کہ آیا ریاست کا الحاق ہندوستان سے کیا جائے یا پاکستان سے؟ حکومت مسئلہ زیر غور کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ فیصلہ کرتے وقت بنیادی طور پر جو بات پیش نظر رہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ جوناگڑھ کے باشندوں کی خوش حالی اور فلاح کس بات پر منحصر ہے؟ نیز یہ کہ ریاست کی انفرادیت اور سالمیت کس طرح برقرار رکھی جا سکتی ہے؟ اور زیادہ سے زیادہ اس کی خود مختاری اور بالادستی کیونکر قائم رکھی جا سکتی ہے؟"

مکمل غور و فکر اور جملہ موثرات و عوامل کا پورا پورا جائزہ لینے کے بعد ریاست نے

یہ فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان سے الحاق کر لیا جائے، چنانچہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ریاست پاکستان سے ملحق ہو گئی ہے، حکومت کو امید ہے کہ وفادار رعایائے ریاست اس فیصلہ کا دل و جان سے خیر مقدم کرے گی ——— !"

حکومت ہند کو مطلع نہیں کیا گیا

اس فیصلہ سے باقاعدہ طور پر حکومت ہند کو مطلع نہیں گیا، اس کی پہلی اطلاع ہم کو ۱۷- اگست کے ایک اخبار سے ملی، میں نے تصدیق کے لئے فوراً دیوان ریاست کو تار دیا، دوسرے دن جواب ملا :

"جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کر لیا ہے، !"

پاکستان سے الحاق کے متوقع خطرات

حکومت ہند کے لئے یہ اطلاع حد درجہ حیرت انگیز تھی،

جوناگڑھ اقتصادی اور انتظامی اعتبار سے، کاٹھیاواڑی ریاستوں سے اس طرح وابستہ تھا کہ اس کا وجود ہی ان پر منحصر ہو کر رہ گیا تھا، اس کی علیحدگی ایک ایسا سانحہ بن جائے گی، جس کا کوئی تدارک نہ ہو سکے گا،

میں سب سے زیادہ اس چیز سے فکر مند تھا کہ اس اقدام سے ہنگامہ آرائیوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہونے کا بہت قوی امکان اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، حالانکہ وقت کی پکار یہ تھی کہ ہم آہنگی اور سکون ہی کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ نواب کے اس اقدام کا نہایت ناگوار اثر ہمارے کاٹھیاواڑ کے امن و امان، اور نظم و ضبط پر، ضرور پڑے گا، اس کا ایک اثر یہ بھی ہوگا کہ جو علاقے اب تک شورش سے الگ تھلگ تھے وہاں بھی ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔(۱) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس اقدام سے حیدر آباد کے طوفان بدوش عناصر کو اور زیادہ تقویت پہنچے گی،(۲)

---

(۱) واقعی یہ ساری پیشین گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں، (مترجم)

(۲) حیدر آباد کے رضاکار لیڈر قاسم رضوی نے، اس واقعہ کے بعد ایک آتشیں تقریر میں کہا،

" سردار حیدر آباد کے خلاف کیوں گرج رہے ہیں جب کہ وہ ایک چھوٹی سی ریاست کو بھی اپنے بس میں نہ رکھ سکے، !" (مصنف)

پاکستانی ہائی کمشنر کے نام مراسلہ

۱۷۔ اگست کو مجھے ہدایت کی گئی کہ پاکستانی ہائی کمشنر متعینۂ پاکستان کو ایک خط لکھوں، جس میں انھیں اس طرف متوجہ کروں کہ جغرافی اعتبار سے کثرت آبادی کے لحاظ سے، نیز الحاق سے متعلق ریاست کی رائے عامہ کے پیش نظر پاکستان سے جوناگڑھ کا الحاق ازسرنو غور وفکر کا محتاج ہے، اور چونکہ ابھی تک پاکستان نے جوناگڑھ کی درخواست الحاق باقاعدہ منظور نہیں کی ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ حکومت پاکستان اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن واضح کردے، جواب کا ہم نے تقریباً پندرہ دن تک انتظار کیا لیکن لاحاصل،

۶۔ ستمبر کو میں نے پھر یاد دہانی کرائی لیکن اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا۔

ماؤنٹ بیٹن کا انتباہ پاکستان کو

۱۲۔ ستمبر کو نہرو نے رائے دی کہ اس سلسلہ میں لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کو ایک تار دیا جائے، کہ حکومت ہند رعایائے جوناگڑھ کے اس فیصلہ کو ماننے کی پابند ہوگی جو استصواب رائے عامہ کے بعد رونما ہوگا، خواہ وہ پاکستان سے الحاق کی صورت میں ہو یا ہندوستان سے الحاق کی صورت میں،

چونکہ اسی موقع پر، لارڈ اسمے Lord Ismay (چیف آف دی گورنر جنرل اسٹاف کراچی روانہ ہو رہے تھے لہٰذا، یہ تار، محکمہ ٹیلیگراف کے بجائے لارڈ اسمے کے ذریعہ بھیجا گیا، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تجویز کے مطابق ایک مختصر سا نوٹ بھی منسلک کر دیا گیا، جس میں ان نتائج کی نشان دہی کی گئی تھی جو پاکستان سے الحاق کی صورت میں رونما ہوں گے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لارڈ اسمے کو ہدایت کی کہ وہ حکومت پاکستان تک یہ بات پہنچا دیں کہ اگر پاکستان نے جوناگڑھ کا الحاق قبول کر لیا، تو اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ دونوں حکومتوں (پاکستان و ہندوستان) میں جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ اگر جناح کو کسی ریاست کا الحاق مطلوب ہے تو انھیں ایک تباہ حال ریاست کو منتخب نہیں کرنا چاہیے،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسمے سے کہا کہ وہ جناح تک ان کی یہ رائے پہنچا دیں کہ اگر یہ طرز عمل قائم رکھا گیا تو کسی بھی غیر جانبدارانہ مبصر کے لئے حکومت پاکستان کے موقف کی تائید و حمایت

ناممکن ہوگی،

برطانیہ کے وزیر دولت مشترکہ کی رائے

لارڈ سٹوویل Lord Listowel وزیر امور دولت مشترکہ بھی اس وقت کراچی جا رہے تھے، اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت کے مطابق میں صاحب موصوف سے ملا، اور پاکستان سے جوناگڑھ کے الحاق کے نتائج و عواقب سے انھیں باخبر کر دیا، میں نے ان کے طرز عمل سے اندازہ لگایا کہ وہ میرے دلائل سے مطمئن ہو گئے ہیں، اور پاکستان کے موقف کو اس سلسلہ میں غلط خیال کرتے ہیں، ان کی رائے ہے کہ پاکستان کو جوناگڑھ کا الحاق نہیں قبول کرنا چاہیے، انھوں نے کہا، میں جناح سے اپنی رائے ضرور بیان کروں گا ——— !"

لارڈ اسمے کی بھی نہ سنی گئی

حکومت پاکستان نے لارڈ اسمے کی معرفت بھیجے ہوئے تار پر توجہ دینے سے صاف انکار کر دیا، وجہ یہ بتائی کہ اس پر نہ نمبر درج ہے، نہ ایسا سرٹیفکیٹ جس سے معلوم ہو کہ با اختیار طور پر یہ بھیجا گیا ہے، نیز لارڈ اسمے کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وزیر متعلقہ (نہرو) نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا،

لارڈ اسمے نے قطعی طور پر اس سے انکار کیا کہ اس طرح کی کوئی بات انھوں نے کہی تھی۔

حکومت پاکستان کے اس رویہ کے خلاف کہ اس نے غلط بیانی کر کے لارڈ اسمے کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوشش کی ایک زبردست طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت تند اور سخت الفاظ میں طرفین کے مابین تاروں کا تبادلہ ہوا، آخری تار میں حکومت پاکستان نے لکھا،

"بہرحال امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے جوناگڑھ کا الحاق منظور کر لیا ہے، اور معاہدۂ قائمہ پر بھی دستخط کر دیے ہیں،

خطوط ——— جو دستیاب ہوئے

نواب اور دیوان نے جب جوناگڑھ سے راہ فرار اختیار کی، اور ہم وہاں پہنچے تو بہت سے ایسے خطوط دستیاب ہوئے جن سے یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچ گئی کہ راز و نیاز کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا۔

ایک خط میں سر شاہ نواز بھٹو نے اس ملاقات کا ذکر کیا تھا جو اول الذکر کی جناح سے ۱۶- جولائی کو ہوئی تھی، جس میں جناح نے نواب کو ہدایت کی تھی کہ ۱۵- اگست تک بالکل خاموش رہیں۔

ایک خط میں سر بھٹو نے جناح کی اس یقین دہانی کا ذکر بھی کیا تھا کہ وہ جوناگڑھ کو بھوکا نہیں مرنے دیں گے کیونکہ ویراول بندرگاہ کراچی سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے،

ایک خط میں دیوان یعنی شاہ نواز بھٹو نے یہ بھی لکھا تھا کہ

"ہندوستان کی نظر میں کاشی (بنارس) کے بعد جوناگڑھ مقدس ترین مقام ہے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سری کرشن نے جامۂ ہستی اتارا تھا، یہی وہ جگہ ہے جہاں سومنات کا مشہور مندر تھا جسے محمود غزنوی نے غارت کر دیا تھا،

آگے چل کر سر بھٹو نے لکھا تھا، :

"جوناگڑھ ہر چہار طرف سے ہندو راجاؤں کے علاقہ سے اور برٹش انڈیا کے کانگرسی صوبوں سے گھرا ہوا ہے، پاکستان سے ہمارا تعلق صرف بذریعہ سمندر قائم رہ سکتا ہے، اگرچہ اعتبار سے جغرافی پہلو پر غور کیا جائے تو پھر کچھ جام نگر اور جوناگڑھ سے دوسری منسلکہ ریاستیں بھی پاکستان ہی کا ایک حصہ ہیں، کیونکہ عہد گزشتہ میں حقیقتہً سندھ میں یہ علاقے شامل تھے، ریاست میں مسلمانوں کی تعداد اگرچہ ۲۰ فیصد ہے اور غیر مسلم اسی فیصد ہیں، لیکن کاٹھیاواڑ کے سات لاکھ مسلمان جوناگڑھ کے سبب ہمارے ساتھ ہوں گے میرا خیال ہے کوئی بڑی سے بڑی قربانی بھی ہز ہائی نس نواب صاحب کے وقار، اعزاز، احترام، خدمت اور کاٹھیاواڑ میں اسلام، اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے زیادہ نہیں ہے۔

نواب جوناگڑھ کا خط جناح کے نام

۲۴- اگست ۱۹۴۷ء کو نواب جوناگڑھ نے جناح کو حسب ذیل مکتوب لکھا تھا :

"اخبارات کے مطالعہ سے یہ حقیقت آپ پر منکشف ہو گئی ہو گی کہ جوناگڑھ

پر نکتہ چینی اور تنقید کی ہر چہار طرف سے بوچھاڑ ہو رہی ہے خدا کا شکر ہے، ہم چٹان کی طرح اپنے عزم پر قائم ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ حکومت پاکستان جونا گڑھ کے الحاق سے متعلق اپنا اعلان جلد از جلد شائع کر دے، میں مسٹر ابراہانی کو جو ریاست کے وزیر مال ہیں بھیج رہا ہوں، یہ معاہدہ فائمہ کے تمام شرائط اور اصول طے کر لیں گے، میں نے انہیں اختیار دے دیا ہے کہ میری طرف سے کاغذات متعلقہ پر دستخط کر دیں، !"

کاٹھیاواڑی ریاستوں کی برہمی

کاٹھیاواڑ کی دوسری ریاستوں نے پاکستان سے جونا گڑھ کے الحاق کے خلاف متحدہ اور متفقہ طور پر صدائے احتجاج بلند کی، اور کاٹھیاواڑ کی وحدت اور سالمیت کے لئے ایک عظیم خطرہ قرار دیا۔

راجگان بھاؤنگر موروی، گونڈل پوربندر اور ونکانیر نے بھی پر زور احتجاج کیا،

مہاراجہ دھرنگدھرا نے ایک نجی خط نواب جونا گڑھ کو لکھا اور ان سے استدعا کی کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں، کیونکہ اس سے قطع نظر کہ جونا گڑھ کا یہ اقدام سارے کاٹھیاواڑ کو مبتلائے آفات و مصائب کر دے گا، ریاست کا جغرافی اعتبار سے جو محل وقوع ہے، وہ بھی اس اقدام کے خلاف ہے اور سب سے بڑھ کر خود رعایائے ریاست کے خواہشات اور جذبات،

چند روز بعد نواب نے حسب ذیل جواب دیا:

"انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ ہرگز کسی والئ ریاست سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ الحاق کے بارے میں اپنی رعایا سے مشورہ کرے میرے خیال میں جغرافی محل وقوع کو زیر بحث لانا ایک بے جان سی بات ہے، اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو جونا گڑھ اپنی ایک آزاد بندرگاہ رکھتا ہے اس سے اور دوسرے بندرگاہوں سے پاکستان کے ساتھ بآسانی رابطہ قائم رہ سکتا ہے!"

جام صاحب نوانگر مخبر کی حیثیت سے

جام صاحب نوانگر دہلی آئے، اور محکمۂ امور ریاست پر یہ بات واضح کر دی کہ کاٹھیاواڑ کے باشندے اور والیان ریاست پاکستان کی اس حرکت پر بہت برہم ہیں کہ وہ ہندوستان کے علاقہ میں پاؤں جمانے کی کوشش کر رہا ہے جام صاحب نے بہت سی لرزہ خیز حکائتیں جوناگڑھ کے ہندوؤں کی سراسیمگی اور دہشت زدگی کی سنائیں، انھوں نے کہا کہ کاٹھیاواڑ کے باشندوں کو انتقامی کارروائیوں سے روکنا کتنا مشکل ہو رہا ہے، اب تک کاٹھیاواڑ کی ریاستیں کسی نہ کسی طرح امن وامان قائم رکھے ہوئے ہیں، لیکن اب صبر وتحمل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا ہے،

جام صاحب نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر حکومت ہند اس صورت حالات کے تدارک کے لیے کوئی فوری اور موثر قدم نہیں اٹھاتی تو اس پر سے یہ اعتماد اٹھ جائے گا کہ ریاستوں نے اس سے الحاق کر کے اپنی سالمیت اور تحفظ کا پورا پورا بندوبست کرلیا ہے علاوہ ازیں افواہیں گرم ہیں کہ پاکستان جوناگڑھ کے بندرگاہ کی توسیع واستحکام کے سلسلہ میں ایک بڑی رقم قرض دینے کا ارادہ کر رہا ہے، اور ہر طرح سے فوجی امداد واعانت کا بھی یقین دلا رہا ہے۔ (۱)

پاکستان کی صفائی لارڈ اسمے کی طرف سے

جناح سے گفتگو کرنے کے بعد لارڈ اسمے اب واپس آچکے تھے، انھوں نے ہم سے کہا کہ ان افواہوں پر کان نہ دھریں، ان کے خیال میں فوجی امداد کی ملبینہ رپورٹ تمام تر اختراع ہے، اور جوناگڑھ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اتنا بڑا بوجھ پاکستان کے لئے ہے کہ ان باتوں کے وقوع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، حکومت پاکستان ارادۃً حکومت ہند کو مشتعل کر رہی ہے کہ وہ جارحانہ اقدام کر بیٹھے،

---

(۱) حکومت جوناگڑھ اور حکومت پاکستان کے مابین جو مراسلت ہوئی تھی وہ ہمارے ہاتھ آگئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان نے پاکستان رزرو پولیس کی سات کمپنیوں کی جوناگڑھ کو پیش کش کی تھی۔

اس گفتگو سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ پاکستان کے اس اقدام کا محرک دراصل یہی جذبہ ہے، تاکہ ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ کرکے اسے بدنام کیا جائے، اور ایک چھوٹے ملک کی حیثیت سے وہ جوناگڑھ کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر دنیا کی ہمدردی مول لے سکے اور دنیا کو باور کرا دے کہ بڑا پڑوسی چھوٹے پڑوسی کو کس طرح ہدف ستم بنا سکتا ہے۔

ہندوستانی فوج کی نقل و حرکت

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو سے گفتگو کی، نیز سردار سے اور مجھ سے بھی بات چیت کی، ۱۷۔ ستمبر کو کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ملک کی حفاظت اور کاٹھیاواڑ میں نظم و قانون کی عملداری کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی فوجیں، اور پڑوسی ریاستوں کی فوجیں جوناگڑھ کے گرد چھاؤنی قائم کرلیں، لیکن انھیں تاکید کر دی گئی ہے کہ جوناگڑھ کے حدود میں نہ داخل ہوں، نہ اس کے کسی علاقہ پر قبضہ کریں،

کابینہ نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ میں جوناگڑھ جاؤں اور نواب کو دلیل اور منطق کے ذریعہ ہموار کرنے کی آخری کوشش کرکے دیکھ لوں،

انگریزوں کی بنائی ہوئی ریزیڈنسی کا منظر

دوسرے ہی دن جام صاحب، اور مرحوم این، ایم، بچ آئی سی ایس —— جو راج کوٹ میں ریجنل کمشنر مقرر ہوئے تھے کو لے کر میں روانہ ہو گیا۔

ہم راج کوٹ اسی شام کو پہنچ گئے اور سیدھے ریزیڈنسی میں جا داخل ہوئے، میری زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ریزیڈنسی میں میرے قدم پہنچے تھے، ریزیڈنسی کی شاندار عمارت اور وہاں کے جاں فزا منظر نے مجھے بہت متاثر کیا، اور یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ برٹش سیولین افسر کیوں اپنے پولیٹیکل سروس کے بھائیوں کو حکومت کا لاڈلہ اور چہیتا بیٹا سمجھا کرتے تھے۔

ریاستیں عام آدمی پر ایک بوجھ ہیں

نواب کو اطلاع دینے کے بعد ۱۲۔ ستمبر کو میں بذریعۂ کار جوناگڑھ روانہ ہو گیا، بچ میرے ساتھ تھے۔

چند میل تک تو ہم ایک ترقی یافتہ ریاست گونڈل کے حدود سے گزرتے رہے، جس کی سڑکیں بہت اچھی حالت میں تھیں کار کے سفر کا لطف آ گیا، لیکن جب کار بار بار جھٹکے کھانے لگی، تو فوراً اندازہ ہوگیا کہ یہ کسی اور ریاست کا علاقہ ہے، جسے اپنی سڑکوں کی مرمت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے،

ہر چند میل کے بعد مجھے کچھ چھکڑے نظر آتے تھے، جو بندرگاہ کی طرف سامان لادے جا رہے تھے، ان سے چونگی باقاعدہ وصول کی جاتی تھی، اور جنھیں حکام ریاست نے حد درجہ سراسیمہ اور دہشت زدہ کر رکھا تھا، گو میرا دماغ اس ملاقات کے بارے میں غور کرنے پر مصروف تھا، جو نواب سے ہونے والی تھی، لیکن راستہ بھر بار بار یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوتا رہا کہ کاٹھیاواڑ کو متحد کرنے کی کیا کوئی صورت نہیں نکل سکتی؟ میں نے محسوس کیا کہ ان ریاستوں کی سالمیت اور انفرادیت کا قائم رکھنا عام آدمی پر کتنا بڑا بوجھ ہے،!،

سر شاہنواز بھٹو کا طرزِ عمل

ریاست کی سرحد پر وہاں کے انسپکٹر جنرل پولیس نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں سرکاری مہمان خانے میں پہنچا دیا ذرا دیر بعد سر شاہ نواز بھٹو تشریف لائے،

میں نے سر بھٹو سے کہا کہ حکومت ہندوستان کی طرف سے ایک نہایت اہم نجی قسم کا خط کابینۂ ہند کی طرف سے نواب صاحب کیلئے لے کر حاضر ہوا ہوں جو مجھے ان کے حوالہ کرنا ہے، انھوں نے کہا نواب صاحب گزشتہ دس روز سے بستر علالت پر دراز ہیں، لہٰذا کسی سے مل نہیں سکتے، چنانچہ گزشتہ چار روز سے وہ خود بھی نواب صاحب سے شرف ملاقات حاصل نہیں کر سکے ہیں۔

میں نے پھر زور دیا کہ پیام بہت اہم اور ضروری ہے، اور اگر واقعی وہ علیل ہیں تو چند منٹ کے لئے بغرض عیادت میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، سر بھٹو نے کہا نواب صاحب کی حالت ایسی ہے کہ کسی طرح بھی ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی، اس جواب پر مجھے حیرت نہیں ہوئی کیونکہ راجکوٹ ہی میں مجھے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ نواب صاحب ملاقات سے پہلو بچائیں گے

آخر میں نے مناسب سمجھا کہ نواب صاحب سے نہیں تو ولی عہد ریاست ہی سے مل لوں، لیکن سر بھٹو نے کہا شہزادے صاحب ایک کرکٹ میچ کے سلسلہ میں اتنے مصروف ہیں کہ وہ بھی نہیں مل سکیں گے،

سر شاہ نواز سے میری گفتگو

ان حالات میں اب میرے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا تھا کہ دیوان ریاست یعنی سر شاہ نواز بھٹو ہی سے بات چیت کر لوں،

میں نے سر بھٹو کو جوناگڑھ کی جغرافی پوزیشن بتائی، یہ بھی بتایا کہ اقتصادی طور پر وہ کاٹھیاواڑ کا محتاج ہے، نیز یہ کہ ریاست کی غیر معمولی اکثریت ہندو ہے، اور انڈین یونین سے ریاست کا الحاق چاہتی ہے، جوناگڑھ کے حدود میں کئی ریاستوں کے رقبے ہیں، اور یہ ریاستیں انڈین یونین میں شامل ہو چکی ہیں، اسی طرح جوناگڑھ کے کئی رقبے ہیں جو انڈین یونین کی ملحقہ ریاستوں کے حدود میں واقع ہیں، میں نے یہ شکوہ بھی کیا کہ جوناگڑھ نے انڈین ڈومینین سے گفت وشنید کی کوئی کوشش نہیں کی، اور آخر وقت تک نواب صاحب کاٹھیاواڑ کی وحدت اور سالمیت کے مدعی بنے رہے،

جوناگڑھ کی مجلس وزرا کا فیصلہ

سر شاہ نواز بھٹو نے بتایا کہ ریاست کے دستوری مشیر نبی بخش نے جو ۲۵-جولائی کے والیان ریاست کے اجتماع میں بمقام دہلی شریک ہوئے تھے، نواب صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ ریاست کا مفاد پاکستان سے ملحق ہو جانے میں ہے، بالکل یہی رائے ظفر اللہ خاں نے دی، جن سے نواب صاحب نے مشورہ کیا تھا، اس کے بعد مجلس وزراء نے جو ہر فرقہ کے نمائندوں پر مشتمل ہے، بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ ریاست کو پاکستان سے ملحق ہو جانا چاہئے، مجلس وزرا کو یہ اندیشہ بھی ہے کہ ہندوستان کی کانگرسی حکومت کمیونزم کا ریلا روکنے کی طاقت نہیں رکھتی، نیز یہ کہ آگے چل کر ریاست کے ساتھ اس کا سلوک بھی اچھا نہیں رہے گا،

بھٹو کے دلائل اور میرا جواب

میں نے کہا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اگر کمیونزم ٹروس کی ریاستوں میں غلبہ پا لیتا ہے تو نہ

یہ بات جوناگڑھ کے بس میں ہوگی، نہ پاکستان کے اختیار میں کہ اس طوفان کو روک سکے، خاص طور پر اس صورت میں کہ جوناگڑھ ان ریاستوں کے بیچوں بیچ واقع ہے جو انڈین یونین سے ملحق ہو چکی ہیں،

باقی رہا متوقع بدسلوکی کا اندیشہ تو گو یہ بالکل بے بنیاد ہے، لیکن یہ اندیشہ تو کسی ڈومینین سے الحاق کرنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے،

سر شاہ نواز بھٹو نے یہ شکایت بھی کی تھی کہ دہلی کے اجتماع میں جوناگڑھ کے نمائندے کی بات نہیں سنی گئی، میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا، ایسا قطعاً نہیں ہوا، نبی بخش نے کئی سوالات کئے، ہر سوال کا نہایت تسلی بخش جواب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دیا، بعد میں الگ سے خود میں بھی نبی بخش سے ملا، اور انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نواب صاحب کو ہندوستان سے ملحق ہو جانے کا مشورہ دیں گے،

میں نے سر بھٹو سے یہ بھی کہا کہ اگر نبی بخش جوناگڑھ میں موجود ہیں تو انھیں بلا لیجئے اور میرے بیان کی تصدیق کر لیجئے، سر بھٹو نے کہا نبی بخش اب ریاست کی پبلک ملازمت میں شامل نہیں ہیں،

سر شاہنواز ہندوستان سے الحاق کے حق میں تھے

سر شاہ نواز نے اس سے اتفاق کیا کہ آخری طور پر پاکستان سے ملحق ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے انھیں مزید ایک بار حکومت ہند سے گفت و شنید کر لینی چاہئے تھی، انھوں نے یہ اعتراف بھی کیا کہ ریاست کی آبادی کا بڑا حصہ ہندوستان سے الحاق پسند کرتا ہے، اگرچہ اس رائے کی تشکیل میں گجراتی اخبار کی ہیجان آمیز اور جذباتی تحریروں کو بھی بڑا دخل ہے،

سر بھٹو نے یہ بات بھی تسلیم کی کہ جوناگڑھ کا اقتصادی مفاد ہندوستان ہی سے وابستہ ہے، اور ذاتی طور پر میری یہ رائے تھی کہ اس مسئلہ کا فیصلہ باشندگان ریاست سے استصواب کے بعد کیا جائے،

سر بھٹو نے تجویز پیش کی کہ اب مناسب صورت یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان

اس موضوع پر گفت وشنید کر لیں، اس موقع پر اگر مجھے مدعو کیا گیا، تو وہاں بھی میں یہی کہوں گا جواب آپ سے کہہ رہا ہوں،

سر بھٹو نے یہ بھی کہا کہ اگر ان کی اس رائے کا باہر چرچا ہوا تو جوناگڑھ میں ان کی پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی، اور پھر وہ کوئی مدد بھارت کو نہیں دے سکیں گے،

بھٹو کا قول: جناح ضدی آدمی ہے

میں نے سر بھٹو سے ایک صاف اور سیدھا سا سوال کیا کہ اگر حکومت پاکستان یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ جوناگڑھ کو اپنے الحاق پر قائم رہنا چاہیے، اور استصواب رائے عامہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے پھر بھی آپ استصواب پر آمادہ ہیں ؟

سر شاہ نواز بھٹو نے جواب دیا کہ گو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جناح نہایت ضدی اور ہٹیلے شخص ہیں، پھر بھی ہر صورت میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا، اور استصواب رائے عامہ کراؤں گا، اگرچہ فی الحال میں حکومت جوناگڑھ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا،

میں نے محسوس کیا مزید گفتگو بیکار ہے، اور میں صرف وقت ضائع کر رہا ہوں، میں نے سر شاہ نواز سے کہا کہ کاٹھیاوار کے لوگ بے قابو ہوتے جا رہے ہیں اور اگر انھوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نواب کا خاندان ختم ہو جائے گا،

اس انتباہ کے بعد میں نے ملاقات ختم کر دی، اور راج کوٹ واپس چلا آیا،

میری پریس کانفرنس

راجکوٹ واپس آنے کے بعد میں نے جام صاحب نوانگر اور کاٹھیاواڑ کے دوسرے فرماں رواؤں اور تعلقداروں سے گفتگو کی، ۱۰ بجے شب کو میں نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی میں نے کہا کہ حکومت ہند کی ہدایت پر میں نواب صاحب سے ملنے جوناگڑھ گیا تھا، لیکن ان کی ناسازی طبع کے باعث ملاقات نہ ہو سکی، البتہ دیوان ریاست نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہی سے گفتگو کی،

میں نے پریس کانفرنس سے تخاطب کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ حکومت ہند ضرورت

وقت کو بخوبی محسوس کرتی، اور اس سلسلہ میں اپنے فرائض کا پورا احساس رکھتی ہے، باقی ویسے دیوان ریاست نے مجھے یقین دلایا ہے کہ حکومت جوناگڑھ اپنی ہندو رعایا کے تحفظ جان و مال کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے گی، لہٰذا انھیں سراسیمہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں اپنی رپورٹ جاتے ہی حکومت ہند کی خدمت میں پیش کر دوں گا، لیکن سردست کاٹھیاواڑ کے باشندوں اور والیان ریاست کو بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ حکومت ہند ان ریاستوں کا ہر طرح سے تحفظ کرے گی جو انڈین یونین سے ملحق ہو چکی ہیں،

کاٹھیاواڑی ریاستوں کا نقطۂ نظر

۲۰-تاریخ کی شام کو جام صاحب کے ساتھ میں بمبئی روانہ ہو گیا، یہاں نمائندگان اخبارات کا ایک بڑا مجمع موجود تھا میں نے کہا، جو کچھ راجکوٹ کی پریس کانفرنس میں کہہ چکا ہوں اس پر مجھے کوئی اضافہ نہیں کرنا ہے، لیکن جام صاحب نے ان لوگوں سے بات چیت کی، اور کاٹھیاواڑی ریاستوں کا نقطۂ نظر تفصیل سے بتایا، جسے بمبئی کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔

ساملداس گاندھی کی عارضی حکومت

ڈنر کے بعد تاج محل ہوٹل میں، کانگرس اور انجمن رعایائے ریاستہائے ہند کے لیڈروں سے میں نے گفتگو کی، اس موقع پر جو لوگ موجود تھے ان میں جوابن دھیبر[1]، بلونتری مہتہ، ساملداس گاندھی[2] اور رسک لال پارکھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

---

(۱) مسٹر دھیبر کچھ عرصہ ہوا کانگرس کی صدارت پر پنڈت نہرو کی کوششوں سے فائز ہوئے تھے بعد میں ان کی جگہ مسز اندرا گاندھی کانگرس کی صدر منتخب ہو گئیں، (مترجم)

(۲) یہ گاندھی جی کے رشتہ دار تھے اور بمبئی کے مشہور گجراتی روزنامہ کے مالک تھے، پاکستان اور جوناگڑھ کے سخت مخالف، خاندانی طور پر یہ جوناگڑھ کے باشندے تھے، اور نواب کے ممنون کرم، (مترجم)

یہ سب اس بات پر متفق تھے کہ کاٹھیاواڑ کی سلامتی کے لئے حکومت ہند اپنا فرض اچھی طرح انجام دے رہی ہے، ان کا پرزور مطالبہ تھا کہ جوناگڑھ کا مسئلہ بے حد اہم ہے، اور اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو حکومت ہند کا سارا وقار خاک میں مل جائے گا،

میں نے ان حضرات پر صورت حالات واضح کی،

دھیبر نے مجھے بتایا کہ کاٹھیاواڑ میں صورت احوال حد درجہ سنگین اور نازک ہو چکی ہے مادہ بھڑک چکا ہے، اور لاوا پھٹنے والا ہے، کچھ عرصہ بعد شاید کوئی لیڈر بھی وہاں کے حالات کو قابو میں نہیں رکھ سکے گا،

ساملداس گاندھی نے کہا لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہیں، وہ خود اپنی سینا (فوج)، بنا کر، جوناگڑھ پر یلغار کرنے کو آمادہ ہیں،

میں نے حکومت ہند کی دشواریاں اور مشکلیں ان حضرات پر واضح کیں اور بتایا کہ آپ حضرات نے اگر کچھ کیا تو اس کا کتنا برا اثر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات پر پڑے گا،

اگرچہ دھیبر نے حکومت ہند کی دشواریوں کا اعتراف کیا، لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس کی ضمانت نہیں دے سکتے کہ حالات کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے،

ساملداس گاندھی ایک متوازی حکومت جوناگڑھ میں بنانے کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے، اور سارے کاٹھیاواڑ میں احتجاجی مظاہروں اور سرگرمیوں کا آغاز کرنے کے لئے پر تول رہے تھے،

ان حالات میں جو کچھ بھی میں کر سکتا تھا وہ یہی تھا کہ ان حضرات کو سمجھاؤں بجھاؤں، نچ کو جو ریجنل کمشنر تھے میں نے متنبہ کر دیا کہ وہ حالات کو اپنی نگاہ میں رکھیں اور ہر روز مجھے اطلاع دیتے رہیں،!

مرارجی ڈیسائی سخت اقدام کے طالب تھے

اکیس تاریخ کو صبح کے وقت میں نے مرارجی ڈیسائی سے ملاقات کی جو بمبئی کے وزیر داخلہ تھے، انھوں نے کہا کہ وہ بمبئی اور احمد آباد میں امن قائم رکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ صوبائی حکومت کو طلب کردہ اسلحہ فوراً مہیا کر دئے جائیں۔ مرارجی ڈیسائی نے

مجھے مطلع کیا کہ بمبئی کی حکومت اور باشندے اس بات پر شدید مضطرب ہیں کہ جونا گڑھ کے خلاف کوئی سخت اقدام کیوں نہیں کیا جاتا، بمبئی کی وزارت کا قیام بڑی حد تک اس معاملہ سے متعلق حکومت ہند کے طرز عمل پر منحصر ہے۔ انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کے یہ جذبات اور تاثرات پوری قوت کے ساتھ نہرو اور سردار تک پہنچا دیئے جائیں۔

سردار متوازی حکومت سے خوش نہ تھے

اکیس تاریخ کی شام کو میں بمبئی پہنچ گیا، جونا گڑھ میں جو کچھ پیش آیا تھا اس کی تفصیل سردار صاحب کے گوش گزار کر دی اور بتا دیا کہ کاٹھیاواڑ کی حالت اس وقت بھک سے اڑ جانے والے مادہ کی سی ہے۔

سردار نے میرے ان تمام اقدامات کو سراہا جو میں نے کئے تھے، لیکن وہ متوازی حکومت قائم کرنے کے فیصلے سے زیادہ خوش نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ آگے چل کر اس سے پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ بہرحال حکومت ہند کوئی موثر قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہیں۔

حکومت ہند اپنا فرض ادا کرے گی

۲۲۔ تاریخ کو محکمہ امور ریاست نے ایک کمیونکے شائع کیا جس میں جونا گڑھ کے حالات کا پس منظر بیان کرتے ہوئے دیوان ریاست سر شاہ نواز بھٹو کے اس تجویز کا بھی ذکر تھا جو انھوں نے پاکستان اور جونا گڑھ کی کانفرنس سے متعلق پیش کی تھی، اس تجویز کو نہ پاکستان نے منظور کیا نہ جونا گڑھ نے، حکومت ہند نے فیصلہ کر لیا کہ اس مسئلہ کو حل کر کے رہے گی اور وہ ہے استصواب عامہ،

کمیونکے کے آخر میں حکومت ہند نے اس بات کی یقین دہانی کی تھی کہ حکومت ہند پوری راستبازی کے ساتھ اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگی جو جونا گڑھ سے متصل کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کے تحفظ اور سلامتی سے متعلق اس پر عائد ہیں اور جو انڈین ڈومینین سے اپنی قسمت وابستہ کر چکے ہیں۔

وزیر اعظم پاکستان کا تار ۲۵ ستمبر کو وزیر اعظم پاکستان کا ایک تار موصول ہوا جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا تھا کہ نواب جوناگڑھ کو پاکستان سے ملحق ہونے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے اس سلسلہ میں علاقائی محل وقوع کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

استصواب رائے عامہ کے سلسلہ میں وزیر اعظم پاکستان نے لکھا تھا کہ یہ ایسا معاملہ ہے جسے رعایائے ریاست اور نواب جوناگڑھ آپس میں طے کر سکتے ہیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی نصیحت ۲۷۔ ستمبر کو ایک میٹنگ ہوئی اس موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس بات پر زور دیا کہ کوئی ایسی اشتعال انگیز حرکت جو ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کا سبب بن جائے انتہائی خطرناک ہوگی اس جنگ میں پاکستان بالکل ختم ہو جائے گا، لیکن کم از کم آنے والی ایک نسل تک ہندوستان بھی ختم ہو جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن اس بات پر مضطرب تھے کہ بین الاقوامی طور پر ہندوستان کو جو وقار حاصل ہے کسی غلط اقدام سے وہ رائے گاں جائے۔ اس میٹنگ میں آخری طور پر یہ بات طے کر دی گئی۔ کہ فوجی نقل وحرکت سرحدات ریاست پر اور ہندوستانی علاقہ میں جاری رکھی جائے۔

فوجی نقل وحرکت کا آغاز جوناگڑھ کے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے ایک لاکھ سے زیادہ ہندو بے سرو سامانی کی حالت میں وہاں سے بھاگ چکے تھے مرحوم مہاراجہ گونڈہ نے ان حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی تھی کہ جوناگڑھ نے سارے کاٹھیاواڑ کے امن وامان کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

اسی اثناء میں کابینہ کے فیصلے کے مطابق کاٹھیاواڑ میں فوجی نقل وحرکت شروع کر دی گئی، بریگیڈیر گوردیال سنگھ کے سپرد فوج کی کمان ہوئی جس کا نام کاٹھیاواڑ ڈیفنس فورس رکھا گیا، نوانگر بھاونگر اور پوربندر کی ریاستوں نے ہماری درخواست قبول کر کے فوج گوردیال سنگھ کی کمان میں دیدی اس فوجی نقل وحرکت کا سارے کاٹھیاواڑ میں

بڑا اچھا اثر ہوا۔ آرمی کمانڈر کو سختی سے ہدایت کردی گئی تھی کہ جوناگڑھ کے علاقہ میں قدم بھی نہ رکھے۔

کانگرسی لیڈروں نے عارضی حکومت بنالی

کاٹھیاواڑ کے کانگرسی لیڈر اپنے پروگرام کے مطابق برسرکار تھے۔ ۲۵ ستمبر کو بمبئی کے ایک عظیم الشان اجتماع میں جوناگڑھ کی عارضی حکومت کا اعلان کردیا گیا۔ اس موقع پر نہایت قابلیت سے لکھا ہوا ایک اعلان رعایائے جوناگڑھ کی طرف سے شائع ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ نواب جوناگڑھ نے اپنا یہ حق کھو دیا ہے کہ رعایائے ریاست ان کی وفادار رہے۔ اس عارضی حکومت کے چھ ممبر تھے جس کے صدر سامل داس گاندھی بنے اور انھیں وہ تمام اختیارات اور حقوق سونپ دیے گئے جو کہ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء سے پہلے نواب جوناگڑھ کو حاصل تھے۔ سامل داس گاندھی اور ان کے رفقاء فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے بمبئی سے راجکوٹ پہنچے، راستے میں ریلوے اسٹیشن پر سامل داس کا بڑے مجمع نے استقبال کیا، راجکوٹ کو سامل داس نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور یہاں رضاکاروں کی بھرتی شروع کردی۔

حکومت ہند کا بیان صفائی

۴۔ اکتوبر کو محکمہ امور ریاست نے ایک کمیونکے شائع کیا جس میں ان حالات کی تفصیل بتائی جن کے ماتحت حکومت ہند کاٹھیاواڑ میں فوجی نقل وحرکت پر مجبور ہوئی۔ اس کمیونکے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ فوج کو سختی سے ہدایت کردی گئی ہے کہ جوناگڑھ میں ہرگز داخل نہ ہو، نہ جوناگڑھ کے راستے سے ان ریاستوں میں داخل ہونے کی کوشش کرے جو ہندوستان سے ملحق ہوچکی تھیں۔ کمیونکے میں اس بات کا پھر اعادہ کیا گیا تھا کہ حکومت ہند استصواب عامہ کو تسلیم کرے گی کہ جمہوریت امن اور انصاف کا یہی راستہ ہے۔

ماؤنٹ بیٹن کی لیاقت علی سے گفتگو

۱۶۔ اکتوبر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن لاہور گئے اور لیاقت علی خاں سے گفتگو کی، واپسی پر انھوں نے نہرو کو بتایا کہ لیاقت علی خاں جوناگڑھ میں استصواب رائے عامہ پر رضامند ہوجائیں گے بشرطیکہ تفصیلات دونوں حکومتیں طے کرلیں، لیاقت علی خاں کو نہرو نے ۲۱۔ اکتوبر کو تار کے ذریعہ مطلع کیا

کہ ان معاملات پر بحث و گفتگو کے لئے وہ مجھے لاہور بھیجنا چاہتے ہیں۔ لیاقت علی نے فوراً جواب دیا کہ مجھے کراچی جا کر سکرٹریٹ کی سطح پہ گفتگو کرنی چاہیئے پھر اگر ضرورت ہوئی تو کابینہ اس پہ غور کرے گی۔

نواب نے راہ فرار اختیار کی

جوناگڑھ کے غیر یقینی اور متزلزل حالات نے تجارت پیشہ لوگوں کو اتنا بددل کر دیا کہ وہ وہاں کاروبار کرنے پر رضامند نہیں تھے۔ پاکستان کی امداد کے باوجود غذائی قلت بھی نازک تر ہوتی جا رہی تھی ریاست کے مالیات پر بھی بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔

نواب نے محسوس کیا کہ حالات ان کی توقع کے برخلاف جا رہے ہیں چنانچہ انھوں نے کراچی پرواز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اکتوبر کے آخر میں اپنے افراد خاندان اور کچھ کتوں کے ساتھ اور سارے زیورات لے کراچی روانہ ہو گئے۔ جیسے ہی ان لوگوں نے طیارہ پر قدم رکھا معلوم ہوا کہ نواب کی ایک بیگم اپنا ایک بچہ محل میں بھولے سے چھوڑ آئیں، لیکن نواب نے انتظار کرنے سے انکار کر دیا بیگم کو وہیں چھوڑ دیا گیا کہ بعد میں انگریزی علاقہ دیو کی طرف سے پاکستان آجائے۔ نواب ریاست کا سارا خزانہ اور تمام سرکاری کھاتے اور حصص اپنے ساتھ لیتے گئے۔

عارضی حکومت کا حوصلہ بڑھ گیا

نواب کی پرواز نے عارضی حکومت کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اس کے رضا کاروں نے ریاست کے متعدد علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ۲۔ نومبر کو عارضی حکومت نے نوگڑھ پہ قبضہ کر لیا اور کتیانہ پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنا لیا جو جوناگڑھ کے علاقہ میں بہت اہم شہر تھا۔ یہاں کافی مزاحمت ہوئی لوٹ مار اور قتل و غارت کے واقعات بھی ہوئے۔ عارضی حکومت کے رضا کاروں نے کتیانہ میں جو کچھ کیا وہ ان کے سفید دامن پہ ایک دھبہ تھا ورنہ باقی مقامات پہ بڑی خوبی اور نظم و ضبط کے ساتھ انھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔

بھٹو کا خط جناح کے نام

۲۷۔ اکتوبر کو سر شاہ نواز بھٹو نے جناح کو حسب ذیل خط لکھا۔

"ہمارے مالیات کے اہم ذرائع مثلاً ریلوے اور کسٹم وغیرہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ غذائی قلت نے حالات حد درجہ نازک بنا دیے ہیں اگرچہ

پاکستان نے فیاضی کے ساتھ اناج بھیج کو ہماری مدد کی ہے کاٹھیاواڑ ریلوے لائن پر جو مسلمان سفر کرتے ہیں ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی روا رکھی جارہی ہے۔ مزید برکہ ہز ہائی نس اور شاہی خاندان کو جوناگڑھ چھوڑنا پڑا کیونکہ ہماری خفیہ نے اطلاع بہم پہنچائی کہ اُن کا یہاں موجود رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے گو پاکستان سے الحاق کے بعد ہز ہائی نس اور میرے پاس مبارکباد کے سینکڑوں تار آئے۔ جن میں زیادہ حصہ مسلمانوں کا تھا۔ لیکن اب سرد مہر نظر آرہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کاٹھیاواڑ کے مسلمان پاکستان کے بارے میں اپنا ولولہ ختم کرچکے ہیں۔"

سر شاہ نواز نے اس کے بعد اُس سراسیمگی کا ذکر کیا ہے جو ریاست کے حکام میں پیدا ہوگئی ہے۔

کوئی شبہ نہیں یورا یکسی لنسی کی گورنمنٹ نے ہم کو کراؤن پولیس کی سات کمپنیوں کی پیش کش کی ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر یہ سپاہی یہاں آئے اور انھیں دشمن کی کثیر فوج سے دوچار ہونا پڑا تو یہ انسانی خون اور سازو سامان کا رائیگاں جانا ہوگا۔ حالات اتنے نازک ہو چکے ہیں کہ ذمہ دار مسلمان اور دوسرے لوگ آکر مجھ پر زور ڈال رہے ہیں کہ اس دشواری کا کوئی حل ڈھونڈ نکالوں میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ اتنا کافی ہے میری مجلس وزرا کے سینئر ممبر کیپٹن ہاروے جونز آپ کو یہاں کے نازک حالات سے مطلع کریں گے مسئلہ نازک ہے لیکن باعزت طور پر سلجھ سکتا ہے میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ وفادار رعایا کی مصیبتوں تباہیوں اور خونریزیوں کا موجب بنوں، جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے پروا نہیں کہ مجھ پر کیا گزرے گی۔ لیکن میں مزید ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہوں اگر ہز ہائی نس کی رعایا کو بچایا جاسکے۔ میری تجویز ہے کہ آپ فوراً ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کرکے جوناگڑھ کا مسئلہ طے کر ڈالیں۔

والیان ریاست کو سب کچھ کرنے کا اختیار

۳۱- اکتوبر کو سر شاہ نواز بھٹو نے پاکستان کے سکریٹری محکمہ خارجہ اور دولت مشترکہ، اکرام اللہ کو ایک خط لکھا اس میں انھوں نے اعتراف کیا کہ لوگ حد درجہ بددل اور مایوس ہو چکے ہیں-

اسی اثناء میں نواب نے سر شاہ نواز بھٹو کو کراچی سے ایک تار بھیجا کہ حالات کے مطابق بطور خود وہ جو چاہیں کریں-

۵- نومبر کو جونا گڑھ اسٹیٹ کونسل کا ایک جلسہ ہوا اس میں فیصلہ کیا گیا کہ اقتصادی ناکہ بندی بیرونی ایجی ٹیشن اور داخلی بدامنی کا تقاضہ ہے کہ ریاست کی پالیسی پر از سر نو غور کیا جائے اور ہندوستان اور پاکستان سے تعلقات کو مستحکم کرنے کے لئے اگر سابقہ فیصلہ الحاق بدلنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے- کونسل نے دیوان کو اختیار دیا کہ وہ اس سلسلہ میں ضروری قدم اٹھائیں-

عارضی حکومت سے گفتگوئے صلح

۷- نومبر کو کیپٹن ہاروے جونز کے ذریعہ سر شاہ نواز نے سامل داس گاندھی سے گفت وشنید کا آغاز کیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور ریاست میں نظم وامن بحال کریں- لیکن جونا گڑھ کی مسلم جمعیت نے سر شاہ نواز پر زور ڈالا کہ ریجنل کمشنر کے ذریعہ اختیاراتِ حکومت براہ راست حکومت ہند کو تفویض کریں نہ کہ عارضی حکومت کو، چنانچہ ۸- نومبر کو سر شاہ نواز بھٹو نے مغربی ہند اور گجراتی ریاستوں کے ریجنل کمشنر بچ کو حسب ذیل خط لکھا-

۷- نومبر کو جونا گڑھ کی مجلس وزراء کے سینیر ممبر کیپٹن ہاروے جونز سامل داس گاندھی سے گفت وشنید کے بعد متعدد تجویزیں مجلس وزراء کے غور کے لئے اپنے ساتھ لائے، مجلس وزراء ان تجویزوں کو قبول کرتی ہے لیکن اظہار احتجاج کے ساتھ-

قبل اس کے کہ آخری فیصلہ سے سامل داس گاندھی کو مطلع کیا جائے ضروری سمجھا گیا کہ پبلک کے سربرآوردہ اصحاب کی رائے بھی معلوم کر لی جائے چنانچہ آج شام کو ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا اور جملہ لیڈروں نے متفقہ طور پر اس

رائے کا اظہار کیا کہ ریاست کا انتظام حکومت ہند کے بجائے براہ راست انڈین یونین کو راجکوٹ کے ریجنل کمشنر کے ذریعہ سونپ دیا جائے۔ تاکہ نظم و امن بحال ہو سکے جسے بیرونی عناصر کی جارحانہ کارروائیوں نے خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اس انتظام کا مقصد یہ ہے کہ جو مسائل جوناگڑھ کے الحاق سے پیدا ہو گئے ہیں ان کا آبرو مندانہ تصفیہ کر لیا جائے۔ لہذا حکومت جوناگڑھ مزید خونریزی تباہی نقصان جان و مال سے بچنے اور خاندان شاہی کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ سے استدعا کرتی ہے کہ آپ نظم و انتظام سنبھال لیں۔ ہم نے ہز اکسی لنسی لارڈ ماؤنٹ بیٹن، مہاتما گاندھی۔ وزیر اعظم ہندوستان نائب وزیر اعظم ہند آنریبل ابوالکلام آزاد، نیز گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کو اس فیصلے کی اطلاع دیدی ہے۔ مجھے امید ہے آپ یہ استدعا از راہ کرم قبول کرلیں گے۔

آدھی رات کا فون

بچ نے فوراً مجھے فون کیا۔ یں اس وقت وزیر اعظم کے دولت خانہ پر تھا یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ بچ نے سرشاہ نواز کا پورا خط مجھے سنایا اور مجھ سے کہا کہ دھیبر اور سامل داس گاندھی کی رائے ہے کہ یہ پیش کش قبول کرلی جائے۔

وزیر اعظم پاکستان کے نام تار

میں نے فوراً یہ خبر وزیر اعظم کے گوش گزار کی ہم نے بچ کے لئے ایک مسودہ تیار کیا اور وزیر اعظم پاکستان کو ایک تار بھیجا کہ حکومت ہند جوناگڑھ کے دیوان سرشاہ نواز کی درخواست پر وہاں کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے رہی ہے لیکن حکومت اس انتظام کو مستقل طور پر قائم رکھنا نہیں چاہتی۔ اس کی خواہش ہے کہ باشندگان جوناگڑھ کی خواہشات کے مطابق اس مسئلہ کا فوری حل تلاش کیا جائے، اس تار میں اس خواہش کا اظہار بھی کیا گیا تھا کہ حکومت ہند اس مسئلہ پر اور دوسرے متعلقہ مسائل پر پاکستان کے نمائندوں سے پہلی امکانی فرصت میں گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے۔

سردار استصواب رائے کے مخالف تھے

اب میں سردار کی قیام گاہ پر پہنچا انھیں جگایا اور اپنا تیار کردہ مسودہ انھیں دکھایا۔ انھوں نے نہایت شدت سے اس رائے کا اظہار کیا کہ استصواب کی پیشکش ہرگز نہ کی جائے، انھوں نے کہا۔ نواب بھاگ چکا ہے، نظم و انتظام برباد ہو گیا اور جب دیوان ریاست کسی طرح کام نہ چلا سکا تو اس نے رضاکارانہ طور پر ریاست حکومت ہند کے حوالہ کردی ریاست کی غالب ترین آبادی

ہندو ہے ان حالات میں استصواب رائے کا اگر ہم اپنے آپ کو پابند بنا لیں تو یہ قطعاً غیر ضروری اور بے تکا اقدام ہوگا بہرحال کافی بحث و تمحیص کے بعد سردار اس تار کے مسودہ پر رضامند ہو گئے

جوناگڑھ پر بھارت کا قبضہ

۹۔ نومبر کو بچ کو ہدایت کی گئی کہ وہ جوناگڑھ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے۔ بچ نے کیپٹن ہاروے جونز سے کہا کہ وہ جوناگڑھ روانہ ہو جائیں تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہاں کسی طرح کی مزاحمت نہ ہوگی، چنانچہ کیپٹن ہاروے جونز قافلہ کے ہراول کی طرح روانہ ہوئے ان کے پیچھے پیچھے بریگیڈیر گوردیال سنگھ اور بچ بھی روانہ ہو گئے ریاست کا انتظام امن و امان کے ساتھ کیپٹن ہاروے جونز اور چیف سیکرٹری نے ۹۔ نومبر کو چھ بجے شام کے وقت ہمارے حوالے کر دیا۔ دیوان ریاست سر شاہ نواز بھٹو ایک دن پہلے ہی یعنی بچ کے جوناگڑھ پہنچنے کے ایک روز پیشتر کراچی روانہ ہو گئے تھے۔

خزانہ اور توشہ خانہ سر بہ مہر کر دیا گیا

یہ ساری رات اور دوسرا سارا دن ریاست کی فوجوں کو نہتا کرنے میں صرف ہوا۔ نیز خزانہ توشہ خانہ اور دوسری قیمتی چیزوں کو سر بمہر کر دیا گیا۔ کوئی ناگوار حادثہ رونما نہیں ہوا۔

بریگیڈیر گوردیال سنگھ

جب بریگیڈیر گوردیال سنگھ کے سپرد کاٹھیاواڑ ڈیفنس فورس کی کمان کی گئی تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بری موجودگی میں انھیں ہدایت کی کہ دونوں فرقوں کے درمیان ترازوؤں کے پلڑے برابر رکھیں اس ہدایت پر میں نے خوشی محسوس کی تھی۔ بریگیڈیر گوردیال سنگھ مغربی پنجاب کے ایک شرنارتھی ہیں۔ فرقہ وارانہ فساد کے دوران میں ان کا سارا خاندان مٹ گیا، ساری جائداد برباد ہو گئی۔ جوناگڑھ پہنچنے کے بعد انھوں نے نہ صرف ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ فیصلے صادر کئے بلکہ ایسا برتاؤ کیا جو فرقہ وارانہ عصبیت اور تلخی سے ماورا تھا۔ مسلمانان جوناگڑھ کے ایک وفد نے بعد میں مجھے یقین دلایا کہ انھیں قطعاً کسی قسم کی شکایت نہ ہندوستانی فوج کے داخلہ کے وقت ہوئی نہ بعد میں۔ اس کارنامہ کا سہرا بریگیڈیر گوردیال سنگھ۔ سامل داس گاندھی اور بچ کے سر ہے۔

استصواب رائے میں پاکستان نہیں شامل ہو سکتا

۱۰- نومبر کو کابینہ کا ایک جلسہ جونا گڑھ کے ڈرامائی حوادث پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت ہند جوناگڑھ میں استصواب رائے عامہ پاکستان اور ہندوستان کی مشترک نگرانی میں نہیں کرائے گی اگرچہ اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر یہ استصواب مجلس اقوام متحدہ کی نگرانی میں کرایا جائے۔ بہر حال یہ طے کر لیا گیا کہ ہر حالت میں استصواب رائے کا کام امکانی حد تک تعجیل سے اتمام تک پہنچایا جائے۔

لیاقت علی خاں کی برہمی اور خفگی

۱۱- نومبر کو لیاقت علی خاں نے نہرو کے تار کا جواب دیا جو انھیں ۹ تاریخ کو بھیجا گیا تھا۔ لیاقت علی خاں نے لکھا تھا کہ جوناگڑھ چونکہ پاکستان سے ملحق ہو چکا ہے لہذا وہاں کے دیوان یا فرمانروا کو قطعاً یہ حق نہیں ہے کہ حکومت ہند سے عارضی یا مستقل فیصلہ کر سکیں۔ لیاقت علی خاں نے مزید لکھا تھا کہ جوناگڑھ کا انتظام حکومت کا اپنے ہاتھ میں لے لینا اور ہندوستانی فوجوں کو وہاں بھیجنا اور پاکستان کے علم و اجازت کے بغیر یہ اقدام کرنا حکومت ہند کا ایسا فعل ہے جو واضح طور پر پاکستانی علاقہ میں جارحانہ مداخلت کی حیثیت رکھتا ہے نیز یہ اقدام بین الاقوامی قانون کے بھی خلاف ہے۔

لیاقت علی خاں نے یہ بھی لکھا تھا کہ جہاں تک دونوں حکومتوں کے نمائندگان کا سوال ہے پاکستان صرف اس صورت میں شریک ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی فوج فوراً واپس بلالی جائے۔ نواب کی حکومت بحال کی جائے۔ سرحد اور متصلہ علاقوں میں سابقہ حالت قائم کی جائے۔ عارضی حکومت کی سرگرمیاں بند کر دی جائیں۔ حکومت ہند نے ریاست پر قبضہ کر کے اور وہاں فوج بھیج کر پاکستان کے خلاف براہ راست دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

نہرو کا جواب لیاقت علی خاں کو

جواب میں نہرو نے لکھا کہ سر شاہ نواز اور ان کے رفقاء خود اس بات کے معترف ہیں کہ جوناگڑھ کا نظم و انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ حکومت ہند اگر بروقت مداخلت نہ کرتی تو وہاں انارکی پیدا ہو جاتی جو ہمارے کاٹھیاواڑ کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس صورت میں عارضی حکومت کا وہاں قبضہ ہو جاتا اور پھر بلاشبہ خونریزی بھی ہوتی ان حالات میں حکومت ہند کے لئے

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ دیوان ریاست اور مجلس وزراء کی درخواست قبول کر کے ریاست کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ریاست کا انتظام بغیر کسی ناگوار حادثہ کے اور بغیر صدائے احتجاج کے لیا گیا۔

نہرو نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا کہ پاکستان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جوناگڑھ کے واقعات کا اُسے علم نہیں تھا۔ کیپٹن ہاروے جونز کراچی اور لاہور میں نواب اور پاکستانی حکام سے یقیناً مشورہ کر چکے تھے، چنانچہ وہاں سے واپس آکر ہی انھوں نے سامل داس گاندھی کی عارضی حکومت کو انتظام حکومت تفویض کرنے کی گفت و شنید شروع کی تھی۔ سر شاہ نواز بھٹو نے ۸۔ نومبر کو جو خط ریجنل کمشنر کے نام تحریر کیا تھا اس میں لکھا تھا کہ وہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کو حکومت جوناگڑھ کے اس فیصلے سے مطلع کر چکے ہیں کہ حکومت ہند اس ریاست کا انتظام حکومت جوناگڑھ کی استدعا کے مطابق سنبھال لے۔ نواب کراچی میں تھے اور سر شاہ نواز بھٹو ان کے احکام کے ماتحت وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں سر شاہ نواز نے یہ فیصلہ نہ صرف مجلس وزراء کے اتفاق رائے سے بلکہ ریاست کے عوامی لیڈروں کے اتفاق رائے سے بھی کیا تھا۔ سر شاہ نواز ۸۔ نومبر کو کراچی پہنچ گئے تھے انھوں نے یقیناً اسی دن حکومت پاکستان کو جملہ حالات سے مطلع کر دیا ہوگا۔ ریجنل کمشنر نے ۹۔ نومبر کو چارج لیا یعنی شاہ نواز کے کراچی پہنچنے کے بعد۔

نہرو نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت ہند اپنی فوج واپس نہیں بلا سکتی اگر وہ ایسا کرتی ہے تو عارضی حکومت فوراً ساری ریاست پر قبضہ کر لے گی اور اس موقعہ پر اگر نواب کو واپس لانے کی کوشش کی گئی تو خونریزی اور تصادم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جسے نہ پاکستان چاہتا ہے نہ ہندوستان۔

نہرو نے یہ بھی لکھا کہ حکومت ہند نے جوناگڑھ کی عارضی حکومت کو کبھی تسلیم نہیں کیا لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عارضی حکومت رعایائے ریاست پر مشتمل ہے۔ حکومت ہند سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اُن باشندگان ریاست سے جنگ شروع کر دے جو اپنے بنیادی حق کے لئے لڑ رہے ہیں۔

آخر میں نہرو نے لکھا تھا۔ کہ حکومت ہند کی پالیسی یہ ہے کہ جلد از جلد اس مسئلہ کا تصفیہ استصواب رائے کے ذریعہ کر لیا جائے۔

جوناگڑھ پاکستان کا ہے

پاکستان نے اس مبنی بر حقائق بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسی دن سے پاکستان کا یہ دعویٰ ہے کہ جوناگڑھ اس کی مملکت کا ایک حصہ ہے۔

سردار جوناگڑھ میں

۱۳۔ نومبر کو سردار جوناگڑھ تشریف لے گئے ان کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ بہاؤالدین کالج کے میدان میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ حکومت ہند یہاں کے عوام کا فیصلہ تسلیم کرے گی۔ بتایئے آپ کیا چاہتے ہیں پاکستان سے الحاق یا ہندوستان سے؟ دس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے ہاتھ اٹھا کر ہندوستان کے حق میں رائے دی۔

سومنات کے مندر کی زیارت

سردار نے پربھاس پٹن جا کر سومنات کے مندر کی زیارت کی اس مندر کو شکستہ اور خستہ حالات میں دیکھ کر جو کبھی عظمت ہند کا نشان تھا ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ وہیں اور اسی وقت فیصلہ کیا گیا کہ اسے ویسے ہی شاندار پیمانہ پر از سر نو تعمیر کیا جائے جیسے یہ پہلے تھا جام صاحب نے ایک لاکھ روپے کا اعلان کیا عارضی حکومت کی طرف سے سامل داس گاندھی نے اکیاون ۵۱ ہزار روپے کا اعلان کیا۔ میرے لئے سومنات کی زیارت کا یہ پہلا موقع تھا۔ جب میں اسکول میں پڑھتا تھا اور میں نے محمود غزنوی کے ہاتھوں اس مندر کی تباہی کی داستان پڑھی تھی تو میں بہت متاثر ہوا تھا یہ بات میرے وہم و خیال سے ماورا تھی کہ ایک دن اس مندر کی دہلیز پر میں کھڑا ہوں گا سومنات کی تعمیر نو کا فیصلہ ایک تاریخی انصاف تھا جس نے میرے دل میں ایک نئی لہر پیدا کر دی۔

نواب کی سری پرکاش سے درخواست

اسی زمانہ میں جوناگڑھ کے نواب نے پاکستان میں ہندوستان کے ہائی کمشنر سری پرکاش سے کہا کہ اگر انھیں جوناگڑھ واپس آنے کی اجازت دی جائے تو وہ ریاست کا ہندوستان سے الحاق کرلیں گے اور بالکل ویسی ہی جمہوری حکومت ریاست میں قائم کر دیں گے جیسی سردار ریاست میں تجویز کریں گے۔ انھوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ سر مرزا اسماعیل کو بڑی سے بڑی تنخواہ پر دیوان بنانے کو تیار ہیں۔

سری پرکاش کو ہدایت کردی گئی کہ وہ کسی انداز میں بھی حکومت ہند کی طرف سے کوئی وعدہ نہ کریں۔

نواب کتنا روپیہ اپنے ساتھ لے گئے؟

جوناگڑھ کا نظم و انتظام شونشر کر آئی، سی، ایس کو تفویض کر دیا گیا۔ حالت یہ تھی کہ خزانہ خالی نظم و ضبط کالعدم لاقانونی موجود۔ باہر سے درآمد کئے ہوئے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ریاست پر قابض اور متصرف اب تک چلی آرہی تھی۔ ضروری تھا کہ کاروبار حکومت کو ہر پہلو سے متوازن کیا جائے، چنانچہ نئی پولیس بھرتی کی گئی اور بمبئی اور دوسری ریاستوں سے لوگ مستعار لیے گئے۔

جو کتے نواب چھوڑ گئے تھے انھیں فروخت کردینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان پر تقریباً سولہ ہزار روپے ماہوار کا خرچ آتا تھا۔

گورنر جنرل نے ایک آرڈی ننس نافذ کرکے ریزرو بنک آف انڈیا کو ایک کروڑ انتیس لاکھ چونتیس ہزار سات سو روپے کے پرمیسری نوٹوں کا مثنیٰ تیار کرنے کا حکم دیا جو گم گئے تھے یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ یہ رقم نواب اپنے ساتھ کراچی لے گئے تھے۔

استصواب رائے کا نتیجہ

جیسے ہی حالات معمول پر آئے حکومت ہند نے استصواب رائے کرانے کا فیصلہ کرلیا۔ سی پی ناگلر آئی، سی

ایسی جو اتفاق سے نہ ہندو تھے نہ مسلمان اس کام پر مامور کیے گئے۔

۲۰-فروری ۱۹۴۸ء کو رائے شماری ہوئی، دو لاکھ ایک ہزار چار سو ستاون درج رجسٹر رائے دہندگان میں سے ایک لاکھ نوے ہزار ۸ سو ستر نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا صرف اکانوے آدمیوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔

سامل داس گاندھی بڑے اچھے آدمی تھے

استصواب رائے عامہ کا مرحلہ ختم ہونے کے بعد ہم نے نظم و انتظام سنبھالنے کی طرف توجہ دی۔ یہ مناسب سمجھا گیا کہ ایک ایسی وزارت قائم کی جائے جو مقامی لیجسلیچر کے سامنے جواب دہ ہو۔ مسلمان بھی اسے ترجیح دیتے تھے کہ جونا گڑھ کا انتظام اس وقت تک براہ راست حکومت کے ہاتھ میں رہے جب تک حالات معمول پر نہ آجائیں۔ دوسرے اس لئے کہ ابھی تک کاٹھیاواڑی ریاستوں کی یونین نہیں بنی تھی اور جونا گڑھ کا مستقبل ابھی یونین سے وابستہ تھا، چنانچہ ہم نے ایگزیکٹو کونسل ایڈمنسٹریٹر کو مدد دینے کے لئے قائم کی جو عوامی نمائندوں پر مشتمل تھی۔

اس کونسل کے ممبر سامل داس گاندھی، دیا شنکر دیو اور مسز پشپا وتی مہتہ تھیں۔ یکم جون ۱۹۴۸ء کو یہ کونسل قائم ہوگئی اور اس نے بہت اچھا کام کیا۔ میں اسے اپنا خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوں۔

پھر مجھے کئی مرتبہ جونا گڑھ جانے کا اتفاق ہوا۔ جب بھی میں گیا میں نے نظم و انتظام کو پہلے سے بہتر پایا۔ آخری مرتبہ میں اس وقت گیا جب سوراشٹر یونین میں جونا گڑھ کو شامل کرنا تھا۔

سامل داس گاندھی اب دنیا میں نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک بلند پایہ منتظم، بلند آہنگ خطیب، اور سحر طراز

انشاء پرداز تھے۔ ان کی گمبھیر شخصیت کا مجھ پر ہمیشہ گہرا اثر پڑا - بعد میں جو سیاسی تبدیلیاں ان میں رونما ہوئیں، ان کی وجہ سے میری پہلی رائے میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ ـــــ"

---

(۱) جوناگڑھ کے بارے میں مینن صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے دلچسپ ہونے میں شبہ نہیں، لیکن تضاد فکر و کلام اتنا نمایاں ہے کہ اس نے اس تحریر کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے، جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کشمیر کا الحاق ہندوستان سے جائز سمجھتے تھے، جنھوں نے ریڈکلف اوارڈ کے ذریعہ ہندوستان کو کشمیر تک جانے کا راستہ دیا، جنہوں نے مہاراجہ کشمیر کی استدعا پر، ـــــــ نہ کہ باشندگان کشمیر کی درخواست پر ـــــــ ہندوستان سے ریاست کا الحاق منظور کر لیا، اور جن مینن صاحب نے یہ نفس نفیس نہرو اور پٹیل کو مشورہ دیا تھا کہ کشمیر کا الحاق مہاراجہ کی استدعا کے مطابق بھارت سے کر لیا جائے وہ اس پر معترض ہیں کہ پاکستان نے نواب کی استدعا پر، جوناگڑھ کا الحاق کیوں منظور کر لیا، ؟ ـــــــ اللہ تیری شان کے قربان جایئے۔

مینن صاحب نے سر شاہ نواز بھٹو کے بارے میں بھی کئی ناقابل یقین باتیں کہی ہیں۔ سر بھٹو کا انتقال ہو چکا ہے وہ ان کی تردید نہیں کر سکتے، لیکن جہاں تک قیاس اور قرائن کا تعلق ہے ایک بات بھی قابل یقین نہیں، سر بھٹو پاکستان کے رہنے والے تھے، انھیں ساری زندگی یہیں بسر کرنی تھی، وہ کس طرح اپنے وطن کے خلاف، اپنے قائد اعظم کے خلاف، اپنے آقا کے خلاف مسٹر مینن سے سرگوشیاں کر سکتے تھے، اور اگر وہ واقعی ریاست کا الحاق ہندوستان سے چاہتے تھے۔ تو یہ بات مینن صاحب کے کان میں کہنے کے بجائے نواب سے کہنی چاہیے تھی، اور نواب سے اگر یہ بات انھوں نے کہی ہوتی تو پاکستان آنے کے بعد نہ "وزیر اعظم" بنے رہتے، نہ وزارت کی تنخواہ وصول کر سکتے۔

جوناگڑھ کا ایک اپنا بندرگاہ تھا، اس بندرگاہ کے ذریعہ وہ پاکستان سے، اور دنیا سے مواصلات کا سلسلہ قائم رکھ سکتا تھا، اس صورت حال کے پیش نظر، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے

جو مرشد طریقت کے فرائض انجام دے رہے تھے، ایک طرف تو نواب کو مرعوب کرنے کے لئے جوناگڑھ کے چاروں طرف ہندوستانی فوج جمع کردی، دوسری جانب سامل داس گاندھی کی متوازی حکومت کو شہ دی، مینن صاحب نے خود فرمایا ہے کہ بمبئی کے وزیر اعلیٰ مرارجی ڈیسائی سخت اقدام کا مطالبہ حکومت ہند سے کر رہے تھے، اور وہ مطالبہ متوازی حکومت کی یلغار، اور فتنہ سامانیوں کی صورت میں پورا کر دیا گیا۔

اس متوازی حکومت کی "فوج" نے جب حدود جوناگڑھ میں قدم رکھا تو بربریت شقاوت اور سفاکی کے ایسے مظاہرے کئے کہ مینن صاحب کو بھی دبے الفاظ میں اقرار کرتے ہی بن پڑی، اس اجمال سے تفصیل کا خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے، دراصل حکومت ہند کی "تکنیک" یہی تھی کہ وہ جہاں خود "پولیس ایکشن" میں بین الاقوامی وجوہ سے دشواری محسوس کرتی تھی، وہاں دوسروں کو آگے بڑھا کر، درپردہ ان کی مدد کرتی تھی، سوچنے کی بات ہے، بمبئی کا ایک اخبار نویس ——— سامل داس گاندھی ——— اٹھتا ہے اور یلغار کرتا ہوا جوناگڑھ میں داخل ہوتا ہے، اور حکومت کا تختہ الٹ دیتا ہے، اس کے پاس ہتھیار کہاں سے آئے؟ اس نے سپاہی کہاں سے مہیا کئے؟ اسے روپیہ کس نے دیا؟ اس کے لئے اقدام و ہجوم کی سہولتیں کس نے مہیا کیں؟ ——— کیا جواب میں حکومت ہند کے سوا کسی اور کا نام لیا جا سکتا ہے؟

کشمیر میں قبائلی حملہ آوروں نے جب قدم رکھا تو نئی دہلی سے لے کر، لندن تک صف ماتم بچھ گئی، جوناگڑھ میں جب سامل داس گاندھی کے سپاہی پہنچے تو شور تحسین تا بہ فلک جا پہنچا، آخر اس تضاد کی کوئی انتہا ہے؟ اگر کشمیر میں قبائلیوں کا داخلہ غیر مستحسن اور ناروا تھا تو جوناگڑھ میں سامل داس کے حملہ آوروں کا داخلہ کیوں جائز تھا، اگر قبائلیوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت پر شور و فغاں سے جنبش دیوار و در صحیح تھی، تو کیا بتائیں، سامل داس کے آدمیوں نے غریب مسلمانوں پر جو قیامت توڑی تھی اس پر سکوت کیوں ہے؟

مینن صاحب کو ایک شکایت نواب جوناگڑھ سے یہ بھی رہی ہے کہ پاکستان جاتے وقت وہ سارا روپیہ اپنے ساتھ لیتے گئے، حالانکہ یہ وہی مینن صاحب ہیں جنہوں نے خود ہمارا ایڈ کشمیر

کو مشورہ دیا تھا کہ فوراً سری نگر سے جموں بھاگ جائیں اور جو کچھ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں، اور مہاراجہ نے اس مشورہ پہ اتنی سعادت مندی سے عمل کیا کہ اپنے ساتھ ساتھ ساری موٹریں بھی لیتے گئے، چنانچہ جب مینن صاحب کو بھاگنا پڑا تو بدقت تمام ایک ٹوٹی پھوٹی جیپ میسر آسکی،،! ٭

(۷)

جوناگڈھ سے ملحقہ مسلم ریاستیں (۱)

مانگرول

مانگرول کی دستوری حیثیت
ریاست مانگرول ایک مخصوص دستوری حیثیت کی مالک تھی، جب کبھی نیا فرماں روا عنان حکومت ہاتھ میں لے کر گدی نشین ہوتا تو حکومت جوناگڑھ کے ایک نمائندہ کی موجودگی لازمی تھی،

مانگرول اور جوناگڑھ
ریاست کے اکثر رقبوں میں مانگرول آزاد تھا، جوناگڑھ کی اس پر بالادستی نہیں تھی، لیکن ۲۱ مواضعات ایسے تھے جن کے دیوانی اور فوجداری معاملات کے تصفیہ کا اختیار جوناگڑھ کو حاصل تھا، حکومت برطانیہ نے اس بات کی ضمانت دے رکھی تھی کہ جوناگڑھ کی طرف سے ان اختیارات کا غلط استعمال نہیں ہونے پائے گا، ماضی میں حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ نے متعدد مواقع پر حکومت جوناگڑھ کے بعض فیصلوں میں مداخلت کی،

جوناگڑھ اور مانگرول میں کشمکش
شیخ مانگرول نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جوناگڑھ کی جزئی بالادستی سے اپنے آپ کو آزاد کرالیں، چنانچہ ۱۵- اگست کو انھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا،

لیکن حکومت جوناگڑھ نے مانگرول کا یہ موقف تسلیم نہیں کیا، اسے اب تک اس بات پر اصرار تھا کہ مانگرول اس کا ایک حصہ ہے۔

ہم نے مانگرول کو آزاد تسلیم کر لیا

جس روز میں دہلی سے راج کوٹ روانہ ہو رہا تھا، شیخ مانگرول نے اپنے دستوری مشیر کو وزیر اعظم سے ملنے کے لئے دہلی بھیجا۔

راجکوٹ پہنچنے کے بعد میرے پاس شیخ نے اپنا ایک پیامی بھیجا کہ ان کی طرف سے وہ گفتگو کرے، لیکن میں نے جواب دیا آپ سے گفتگو بے کار ہے میں شیخ مانگرول ہی سے بات چیت کروں گا،

مانگرول کے دستوری مشیر نے جواب دیا کہ شیخ صاحب کو کار پر حدود جوناگڑھ سے گزرنے کی اجازت نہیں ہے، گو وہ آپ سے ملنے کے بے حد متمنی اور مشتاق ہیں لیکن اگر انھوں نے حدود جوناگڑھ سے گزرنے کی سعی کی تو حکام ریاست ان کی کار روک لیں گے۔

میں نے شیخ مانگرول کو کس طرح راجکوٹ بلایا؟

اس کا توڑ میں نے یہ سوچا کہ ریاست نوانگر کی کار جس پر سرخ رنگ میں نوانگر کی پلیٹ لگی تھی مانگرول بھیجی کہ وہ شیخ کو لے آئے۔

شیخ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے ساتھ وہ تار بھی لائے جو ان کے دستوری مشیر نے دہلی سے بھیجا تھا اور تاکید کی تھی کہ بے تامل وہ ہندوستان سے الحاق کر لیں، شیخ نے اپنی طرف سے صرف ایک ہی شرط پیش کی کہ جوناگڑھ کے پنجہ سے انھیں آزادی دلائی جائے،

اس درخواست کے ماننے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں تھا، کیونکہ تاج برطانیہ کی بالادستی کے اختتام کے ساتھ ہی، مانگرول آزاد ہو گیا تھا، نیز یہ کہ ہم ایک سادہ سلیپ

پر نقش و نگار بنانا چاہتے تھے، اور میرے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا کہ مانگرول کو جوناگڑھ کی بالادستی سے آزاد اور منحرف تسلیم کر لیا جائے۔

مانگرول کا ہندوستان سے الحاق

اس گفتگو کے بعد شیخ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک مسودہ ٹائپ کرایا، اور معاہدہ قائمہ کے کاغذات الحاق پر دستخط کر دیے، ——— :

شیخ مانگرول نے الحاق واپس لے لیا

۲۱ تاریخ کو میں دہلی واپس پہنچا تو بچ نے فون پر مجھے اطلاع دی کہ جوناگڑھ کے دباؤ سے مجبور ہو کر شیخ مانگرول نے ایک خط بھیج کر معاہدہ قائمہ اور دستاویز الحاق سے دستبرداری اختیار کر لی ہے،

یہ موقف تسلیم نہیں کیا گیا

شیخ کے اس خط پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی، کیونکہ گورنر جنرل نے انڈیا سے اس کا الحاق تسلیم کر لیا تھا

"جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لو!"

ہم نے کمانڈر انچیف کو ہدایت کر دی کہ وہ مانگرول کی مدد کے لئے تیار رہیں، اور اگر جوناگڑھ کی طرف سے مزاحمت ہو تو جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لیں، ——— !

برطانوی ماہر دستور کی رائے،

اس فیصلہ کے بعد، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برطانیہ کے ایک ممتاز دستوری قانون داں سے جو اتفاق سے دہلی ہی موجود تھے، مانگرول کی دستوری حیثیت پر مفصّل گفتگو کی، وہ ہمارے موقف سے بالکل متفق تھے۔

برطانوی ماہر دستور کی رائے تھی کہ شیخ مانگرول نے چونکہ دباؤ کے ماتحت الحاق اور معاہدہ قائمہ سے دستبرداری اختیار کی ہے، لہٰذا اسے کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے، کیونکہ شیخ مانگرول یہ جانتے ہوئے راجکوٹ آئے تھے کہ وہ دستاویز الحاق پر دستخط

کرتے جارہے ہیں، دستخط سے پہلے تین گھنٹہ تک انھوں نے غور بھی کر لیا تھا، وہ اپنے ساتھ اپنے مشیروں کو بھی لائے تھے۔ لہٰذا صاف طور پر ظاہر ہے کہ شیخ جب اپنی ریاست میں واپس جانے لگے تو جوناگڑھ کی طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا، لہٰذا کیے ہوئے معاہدہ سے ان کی دستبرداری کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

اس برطانوی ماہر دستور نے یہ رائے بھی دی کہ اگر ہندوستانی فوج مانگرول بھیجی جائے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ ہوگی۔

مانگرول پر قبضہ کی تیاری

۲۴ ستمبر کو حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ پورے طور پر لیس کانٹے سے لیس حسب ضرورت فوج مانگرول بھیج دی جائے۔

مانگرول میں جوناگڑھ کی فوج کا داخلہ

یکم اکتوبر کو جوائنٹ ڈفنس کونسل کی ایک میٹنگ دہلی میں منعقد ہوئی، نہرو نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر لیاقت علی خاں سے استدعا کی جوناگڑھ کی فوجیں بابریاواڑ واڑ سے واپس بلائی جائیں،

اسی اثنا میں ایک تار ملا کہ جوناگڑھ کی فوجیں مانگرول میں بھی داخل ہو گئی ہیں۔

مانگرول کے ۲۱ مواضعات پر نواب جوناگڑھ کی بالادستی بجائے خود ایک مابہ النزاع چیز تاج برطانیہ کی بالادستی ختم ہونے کے بعد بن گئی تھی، لیکن مانگرول پر قبضہ کر لینے کی تو نواب کے پاس سرے سے کوئی وجہ جواز تھی ہی نہیں،

پھر بھی نہرو نے وعدہ کیا، بلکہ اس امر کی ذمہ داری بھی لی کہ جب تک ، بابریاواڑ اور مانگرول کی قانونی پوزیشن پورے طور پر واضح نہیں ہو جاتی ہندوستانی فوجیں ان علاقوں میں نہیں داخل ہوں گی، بشرطیکہ جوناگڑھ اپنی فوج واپس بلا لے،

لیاقت علی نے اس پوائنٹ کا کوئی قطعی جواب نہیں دیا،

نہرو نے ایک تار کے ذریعہ بھی لیاقت علی خاں سے دوبارہ درخواست کی کہ بابریاواڑ اور مانگرول سے فوجیں واپس بلالی جائیں،

بھارتی فوج کو تیار رہنے کا حکم

۲۴- اکتوبر کو حکومت ہند نے چیف آف اسٹاف کو ہدایت کی کہ وہ کاٹھیاواڑ، ڈفنس فورس کو مانگرول اور بابریاواڑ پر قبضہ کر لینے کا حکم دینے پر تیار رہیں۔ لیکن ایسی صورت میں جوناگڑھ کی فوج سے حتیٰ الامکان کم سے کم تصادم کی نوبت آنی چاہیے،

لیاقت علی خاں کی پیش کش صلح

۵ اکتوبر کو لیاقت علی خاں کا ایک تار موصول ہوا کہ اگر بابریاواڑ اور مانگرول کا معاملہ، آزاد قانونی ماہرین کے سپرد کیا جائے جن کی نامزدگی بھارت اور پاکستان کے اتفاق سے عمل میں آئے تو حکومت پاکستان جوناگڑھ کو ہدایت کرے گی کہ مانگرول اور بابریاواڑ سے فوجیں واپس بلالے۔ ———— !

مانگرول پر بھارت کا قبضہ

یہ بات اب واضح ہو چکی تھی کہ پاکستان صرف وقت گزاری کر رہا ہے، آخر ۲۱- اکتوبر کو حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ مانگرول اور بابریاواڑ پر فوراً قبضہ کر لیا جائے،

دو دن کے بعد، اس سلسلہ میں ایک نقشۂ عمل مرتب کر لیا گیا، ۲۵- اکتوبر کو آخری فیصلہ کر لیا گیا،

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ ان علاقوں پر قبضہ کا فریضہ سنٹرل ریزرو پولیس کو سونپا جائے، لیکن سردار نے خیال ظاہر کیا کہ اس طرح خواہ مخواہ کا خطرہ مول لینے سے کیا فائدہ؟ ان کی پختہ رائے تھی کہ انڈین آرمی یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے سکے گی،

شیخ مانگرول اور خان ماناودر پاکستان چلے گئے

چنانچہ یکم نومبر کو ریاست

مانگرول پر حکومت ہند نے قبضہ کر لیا، جس کے فوراً بعد خان آف مانا ودر۔ اور شیخ آف مانگرول پاکستان چلے گئے۔

مانگرول میں استصواب عام کا نتیجہ جوناگڑھ کے استصواب رائے کے فوراً ہی بعد ریاست مانگرول میں بھی مسئلہ الحاق پر ریفرنڈم کرایا گیا،!

رائے شماری کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف چند آدمیوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی باقی غالب ترین اکثریت نے ہندوستان سے الحاق کی تائید کی،! (۱)

---

(۱) مانگرول کے بارے میں مسٹر مینن نے جو کچھ لکھا ہے اس سے توسیع مملکت کے اس مخفی لیکن عظیم جذبہ کا اظہار ہوتا ہے جس نے بھارت کو ہر اصول سے دستبردار ہونے پر آمادہ کر دیا تھا،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پر لطف پہلو یہ ہے کہ جب مانگرول نے جوناگڑھ کی بالا دستی جو ایک عرصہ سے تسلیم شدہ تھی، ماننے سے انکار کر دیا تو حکومت ہند نے بے تامل یہ موقف تسلیم کر لیا، اور مانگرول کی انفرادیت اور مستقل وجود کو سرکاری طور پر تسلیم کر کے اسی سے براہ راست الحاق کی گفت و شنید شروع کر دی، لیکن جب مانگرول نے اپنا یہ حق تسلیم کرانے کے بعد کہ وہ تاج برطانیہ اور نواب جوناگڑھ کی بالادستی سے آزاد ہو چکا ہے اور اس کی جداگانہ نیز خود مختارانہ حیثیت قائم ہو گئی ہے تو اس نے اپنا حق خود ارادیت استعمال کرتے ہوئے پاکستان سے الحاق کر لیا،

حکومت ہند نے نہ صرف یہ کہ مانگرول کا پاکستان سے الحاق نہیں تسلیم کیا بلکہ اس پر زبردستی قبضہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور فوج کو یہ حکم تک دیدیا کہ اگر جوناگڑھ کی طرف سے ——— جو اب تک مانگرول کو اپنا حصہ سمجھنے پر مصر تھا ——— کوئی مزاحمت ہو تو بلا تامل جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لیا جائے، وہ تو کہیے کہ اتنی طاقت نہ تھی کہ اس طرح کا حکم

پاکستان کے لئے صادر کیا جاتا ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ یہ فرمان بھی شرف صدور لے آتا کہ اگر پاکستان جوناگڑھ کے الحاق سے دستبردار نہ ہو تو اس پر بھی قبضہ کر لیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ لارڈ پیتھک لارنس، میجر اٹیلی، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، نہرو، پٹیل، گاندھی سب یہ اصول طے کر چکے تھے کہ ہندوستان کی ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ ہندوستان و پاکستان میں سے جس کے ساتھ چاہے ملحق ہو جائے، اس اعلان و اقرار کی جس طرح اعلانیہ خلاف ورزی کی گئی وہ ہندوستان کی تاریخ جوع الارض کا زریں باب ہے۔

(٨)

جوناگڈھ سے ملحقہ مسلم ریاستیں (٢)

مانا ودر

مانا ودر کا الحاق سے پس و پیش

اسی اثنا میں ایک اور نہایت اہم اور پیچیدہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا جس کی طرف فوری توجہ ناگزیر ہو گئی،

خان آف مانا ودر نے اب تک انڈین یونین سے الحاق نہیں کیا تھا۔

مانا ودر ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا رقبہ ۱۰۰ مربع میل تھا، اس کی غالب ترین آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی، یہ تین طرف سے جوناگڈھ ریاست سے گھری ہوئی تھی، اس کے شمال میں گونڈل کی ریاست پھیلی ہوئی تھی،

خان آف مانا ودر سے ملاقات

راجکوٹ پہنچنے کے بعد میں نے خان آف مانا ودر کو تار دیا کہ وہ مجھ سے ۱۸ ماہ حال کو ۵ بجے سہ پہر کے وقت ملاقات کریں،

وقت مقررہ پر خان آف مانا ودر تو نہیں آئے ان کے دیوان پہنچ گئے، انھوں نے بتایا کہ خان کا مزاج ناساز ہے،

میں نے کہا،

"لیکن میں تو صرف خان آف مانادور سے ملنا چاہتا ہوں،!"

آخر کار خان مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے،

خان مانادور سے میری صاف صاف گفتگو

میں نے خان سے کہا کہ وہ اپنے طرز عمل کی وضاحت کریں۔

خان نے جواب دیا وہ پاکستان سے معاہدہ قائمہ کر چکے ہیں، لہذا، اب پاکستان سے الحاق کر لینے پر حکومت ہند کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے،

میں نے خان پر یہ بات واضح کر دی کہ جہاں تک حکومت ہند کا تعلق ہے یہ طرز عمل قطعاً ناقابل برداشت ہے کہ پاکستان کے چھوٹے چھوٹے علاقے ہندوستان کے علاقہ اور حدود میں پیدا کئے جائیں۔

میری یہ بات سنکر خان بھونچکا رہ گئے۔

بعد میں مجھے بتایا گیا کہ میرے پاس آنے سے پہلے خان نے ٹیلیفون پر کراچی سے گفتگو کی تھی، اور انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ اپنے موقف پر سختی سے قائم رہیں، —!

خان نے دوبارہ ملاقات نہیں کی

میں نے خان سے مطالبہ کیا کہ کل صبح تک اپنے آخری فیصلہ سے وہ مجھے مطلع کر دیں، انھوں نے وعدہ کر لیا کہ تمام حالات پر وہ از سر نو غور کریں گے۔ اور کل صبح آکر خود مجھ سے مل کر اپنے فیصلہ کا اظہار کر دیں گے،

لیکن خان نے یہ وعدہ پورا نہیں کیا، وہ نہیں آئے۔

خان کا تشدد سیاسی مخالفین پر

اس اثنا میں ہمیں اطلاع ملی کہ خان آف مانادور نے مقامی لیڈروں کو گرفتار کر لیا ہے اور عوام میں سراسیمگی اور دہشت پیدا کر دی ہے، اندیشہ ہے کہ ریاست میں بدامنی کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے، ایسا ہوا تو پڑوسی ریاست گونڈل بھی نہ محفوظ رہ سکے گی، جہاں اب

تک مکمل طور پر امن و امان قائم ہے۔

سردار نے صورت حالات پر نہرو سے گفتگو کی۔

مانا ودر پر بھارت کا قبضہ

آخکار فیصلہ کیا گیا کہ ایک ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کی ایک جمعیتہ کے ساتھ مانا ودر جائے، اور ریاست پر قبضہ کر لے،

۲۲- اکتوبر کو یہ تجویز بروئے کار آگئی، اور ریاست کا نظم و انتظام ایک منتظم کے حوالے کر دیا گیا۔

مانا ودر میں استصواب رائے عامہ

جوناگڑھ کے استصواب کے ساتھ مانا ودر میں بھی ریفرنڈم کرایا گیا تو عوام پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا ہندوستان سے؟ صرف گنے چنے آدمیوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی، ورنہ عظیم اکثریت نے ہندوستان کے حق میں الحاق کا فیصلہ کیا، (۱)

---

(۱) مانا ودر نے بھی اپنا وہ حق خوداردیت استعمال کیا جو ازروئے آئین و دستور اسے حاصل تھا، مینن صاحب نے خان آف مانا ودر کو پاکستان کے بجائے ہندوستان سے الحاق پر آمادہ کرتے ہوئے دھمکی بھی دی اور لالچ سے کام نکالنے کی بھی کوشش کی، لیکن جب کسی طرح وہ خان کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکے تو اپنے موقف کی تائید میں انھوں نے ایک دلچسپ دلیل بھی دی، انھوں نے فرمایا ہ یہ طرز عمل قطعاً ناقابل برداشت ہے کہ پاکستان کے چھوٹے چھوٹے علاقے ہندوستان کے علاقے اور حدود میں پیدا کئے جائیں۔"

ہندوستان اور پاکستان کا تعلق جدا ہونے کے باوجود بھی وہ تھا جو گوشت اور ناخن کا ہوتا ہے، لیکن مینن صاحب یہ کیوں بھول گئے کہ ہندوستان کے حدود میں بالکل غیر ملکوں کے چھوٹے چھوٹے علاقے بھی اس وقت تک قائم تھے اور بعض اب تک قائم ہیں، یہ

کتنی عجیب بات ہے کہ ہندوستان کی فوجوں نے پرتگال کے ہندوستانی علاقے گوا پہ قبضہ نہیں کیا، مدراس میں پانڈی چیری اور کلکتہ میں چندر نگر پہ فرانس کا قبضہ تھا، لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی ہندوستانی فوجوں نے اس طرف رخ نہیں کیا، مگر مانادور پہ بے جھجک اور بے تامل ہندوستانی قابض ہو گئے۔

(۹)

جوناگڑھ سے ملحقہ ریاستیں (۳)

بابریاواڑ

جوناگڑھ کی درازدستی

بابریاواڑ کے متعلق ہمیں اطلاع ملی کہ جوناگڑھ کی فوجیں وہاں پہنچ گئی ہیں،

بابریاواڑ ۵۱ مواضعات کا ایک مجموعہ ہے، نواب جوناگڑھ کا دعویٰ تھا کہ بابریاواڑ پر اُنھیں حق ملکیت حاصل ہے، لیکن بابریاواڑ کا خیال تھا کہ تاج برطانیہ کی بالادستی ختم ہونے کے بعد سے آزادی حاصل ہو چکی ہے، کیونکہ یہ گٹھ جوڑ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کی مصلحت کا نتیجہ تھا، جوناگڑھ نے اس علاقہ کو فتح نہیں کیا تھا۔

بھارت سے الحاق کی استدعا

انہی دلائل کے پیش نظر بابریاواڑ نے حکومت ہند سے الحاق کی استدعا کی جو منظور کر لی گئی۔

جوناگڑھ سے ہمارا مطالبہ

۲۲- ستمبر کو ایک میٹنگ صورت حال پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی، جس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نہرو، سردار، نیوی اور آرمی کے کمانڈر انچیف، لارڈ اسمے اور راقم الحروف شریک تھے، میں نے صورت احوال سے متعلق رپورٹ پیش کی۔

یہ طے کیا گیا کہ نہرو کی منظوری کے لئے میں ایک تار کا مسودہ تیار کروں جس میں بابریاواڑ

کی دستوری حیثیت واضح کرتے ہوئے، جوناگڑھ سے مطالبہ کروں کہ بابریا واڑ سے وہ فوراً اپنی فوج واپس بلالے۔

جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لینے کی فوج کو ہدایت

نیوی اور آرمی کے کمانڈران انچیف کو ہدایت کی گئی کہ وہ حسب ضرورت فوجی اقدام کے لئے تیار ہو جائیں، تاکہ ایک اشارہ پر بابریا واڑ کو اپنی تحویل میں لے سکیں، ضرورت ہو تو مانگرول کی بھی مدد کریں، اور اگر، ——— صرف اگر ——— جوناگڑھ جارحانہ حملہ کرے تو جوناگڑھ پر بھی قبضہ کر لیں،

"بابریاواڑ جوناگڑھ کا ہے!"

۲۵ ستمبر کو ہمیں جوناگڑھ کے دیوان نے ایک تار بھیج کر مطلع کیا کہ بابریا واڑ، اور مانگرول ریاست جوناگڑھ کا ناقابل انفصال حصہ ہیں، اور ان دونوں کا انڈین یونین سے الحاق غلط اور غیر قانونی ہے، دیوان جوناگڑھ نے بابریا واڑ سے اپنی فوجیں واپس بلانے سے انکار کر دیا،

سردار کا سخت رویہ

اس معاملہ میں سردار کی رائے یہ تھی کہ بابریا واڑ میں جوناگڑھ کا اپنی فوج بھیجنا، اور اسے واپس بلانے سے انکار کرنا، کھلا ہوا جارحانہ اقدام ہے لہذا ضرورت ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے، اور اسپے جملہ وسائل و ذرائع تک استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا جائے،

سردار نے اپنے یہ خیالات پوری شدت اور سختی کے ساتھ ۲۷ ستمبر کی میٹنگ میں ظاہر کئے، جس میں لارڈ ماونٹ بیٹن، نہرو، موہن لال سکسینہ، اور گوپالا سوامی آئنگر، شریک تھے،

سردار نے ماونٹ بیٹن کی نہیں سنی

لارڈ ماونٹ بیٹن کی تجویز یہ تھی کہ مجلس اقوام متحدہ سے اس سلسلہ میں رجوع کیا جائے، لیکن سردار نے اس نقطۂ نظر کی سخت مخالفت کی۔

سردار نے کہا، یہ بات حد درجہ مضر ہو گی کہ ہندوستان مدعی کی حیثیت اختیار کرے، اس کے لیئے مدعا علیہ بننا بہتر اور موزوں ہے،

نہرو اور گوپالا سوامی آئنگر نے بھی اس سلسلہ میں مجلس اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کی مخالفت کی، آخر یہ تجویز گر گئی،

اس میٹنگ میں یہ بھی طے ہوا کہ نہرو پاکستان کے وزیر اعظم کو ایک تار بھیجکر بابریا واڑ اور مانگرول میں جوناگڑھ کی فوجی نقل وحرکت کے قانونی سقم کو واضح کریں، اور مطالبہ کریں کہ فوج بابریاواڑ سے فوراً واپس بلالی جائے، اور اس مسئلہ پر وزرائے اعظم پاکستان اور ہندوستان اپنی آئندہ ملاقات میں بحث و گفتگو کریں،

حکومت ہند کا بابریاواڑ پر قبضہ

جب یہ معلوم ہوگیا کہ پاکستان صرف وقت گزاری کر رہا ہے تو یکم نومبر کو حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ ایک سول اڈمنسٹریٹر، ایک دستہ فوج کے ساتھ جا کر بابریاواڑ پر قبضہ کرلے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

بابریاواڑ میں ریفرنڈم

جوناگڑھ کے استصواب کے وقت بابریاواڑ کے عوام سے بھی مسئلہ الحاق پر استصواب رائے کیا گیا کہ آیا لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بابریاواڑ کا الحاق پاکستان سے ہو یا ان کی یہ خواہش ہے کہ یہ الحاق ہندوستان سے عمل میں آئے؟

رائے شماری کا نتیجہ یہ نکلا، کہ دو ایک آدمیوں نے تو بے شک پاکستان کے حق میں الحاق کی رائے دی، ورنہ باقی رائے دہندگان کی غالب ترین اکثریت کا فیصلہ ہندوستان کے حق میں تھا، ! (۱)

---

(۱) نہ گل چمن میں رہے گا نہ ہوگی بو باقی
بس سب تجھی یہ مٹیں گے رہے گا تو باقی

(١٠)

جوناگڑھ سے ملحقہ مسلم ریاستیں (۴)

سردارگڑھ اور بانٹوا

دو آزاد ریاستیں

اسی زمانہ میں حکومت ہند کے محکمۂ امور ریاست کو، ریاست ہائے سردارگڑھ اور بانٹوا پر اپنی توجہ مبذول کرنا پڑی، جو ۱۹۴۳ء کی اسکیم کے مطابق، جوناگڑھ سے وابستہ کر دی گئی تھیں، لیکن یہ اسکیم قانونی طور پر تاج برطانیہ کی بالادستی ختم ہونے ہی خود بخود ختم ہو گئی۔

حکومت ہند نے تاج برطانیہ کے اختیارات سنبھال لئے

چنانچہ حکومت ہند نے ان ریاستوں اور مقامی تعلقداروں کی خواہش کے مطابق وہ مخصوص اختیارات حاصل کر لیے جو اسکیم کے نفاذ سے پہلے تاج برطانیہ کو حاصل تھے۔

سردار گڑھ اور بانٹوا پر بھارت کا قبضہ

۲۵ ستمبر کو دیوان جوناگڑھ نے ان ریاستوں کے بارے میں ہمارے طرز عمل کی وضاحت ایک تار کے ذریعہ چاہی، تار سے جواب دے دیا گیا کہ ان ریاستوں اور مقامی تعلقداروں کا مستقبل اب ہندوستان سے وابستہ ہے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق، ریجنل کمشنر کو ہدایت کی گئی کہ وہ سردار گڑھ اور بانٹوا کو اپنی تحویل میں لے لیں،

یکم اکتوبر کو اس حکم کی تعمیل ہوگئی۔

سردار گڑھ اور بانٹوا میں ریفرنڈم کا نتیجہ

ہم یہ وعدہ کر چکے تھے کہ سردار گڑھ اور بانٹوا میں بھی الحاق کا آخری فیصلہ استصواب رائے عامہ سے کیا جائے گا، اور وہ فیصلہ خواہ کچھ ہو، بہر صورت ہمیں قبول ہوگا،

چنانچہ جوناگڑھ، مانگرول، مانا ودر، اور بابریا واڑ کے علاوہ ہم نے سردار گڑھ اور بانٹوا کی ریاستوں میں بھی استصواب رائے عامہ کا انتظام کیا کہ آیا ان ریاستوں کے باشندے پاکستان سے ملحق ہو کر اسی سے اپنی قسمت وابستہ کرنا چاہتے ہیں، یا ہندوستان کے حق میں رائے دے کر اس کے دامن سے وابستہ ہونا پسند کرتے ہیں؟

اس سوال کا تصفیہ کرنے کے لئے ہم نے سردار گڑھ اور بانٹوا میں بھی ریفرنڈم کرایا، اس ریفرنڈم کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً سب ہی رائے دہندگان نے ہندوستان کے حق میں رائے دی۔

اس سارے علاقہ میں ۳۱ ہزار ۴ سو ۴۳ لوگوں نے رائے دی، پاکستان سے الحاق کے حق میں صرف ۳۹ رائیں آئیں، ! (۱)

---

(۱) سردار گڑھ اور بانٹوا پر ہندوستان کا قبضہ کسی اصول کی بنیاد پر نہیں، محض قوت و طاقت کے بل پر ہوا تھا، لیکن عدو شر بر انگیزد کہ خیر ما درآں باشد،

اگر سردار گڑھ اور بانٹوا پر ہندوستانی فوجوں نے قبضہ نہ کیا ہوتا اور وہاں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ نہ توڑے ہوتے تو پاکستان کو اتنا بڑا نقصان پہنچتا کہ اس کا وجود خطرہ میں پڑ جاتا،

جس طرح سندھ کے شہر شکارپور میں عامل قوم کے تجارت پیشہ لوگ رہتے تھے، ان لوگوں کے مکانات اور جائدادیں شکارپور میں تھیں، لیکن کاروبار پوری وسعت کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، یہ لوگ کروڑوں روپیہ کماتے تھے اور کبھی کبھی یعنی سال میں ایک مرتبہ سیم و زر سے لدے پھندے آتے کچھ روز رہتے اور پھر چلے جاتے، بالکل یہی صورت کاٹھیاواڑ کے سردار گڑھ اور بانٹوا کی تھی، یہاں کے میمنوں میں کئی کروڑ پتی اور ارب پتی لوگ تھے، اور لکھ پتی تو نہ جانے کتنے

تھے، ان کا کاروبار وسیع تھا اور ہر طرف پھیلا ہوا تھا، تقسیم ہند کے بعد ان کا قطعاً یہ ارادہ نہیں تھا کہ ترک وطن کر کے پاکستان چلے جائیں جو ان کی سخت ضرورت محسوس کر رہا تھا، کیونکہ نہایت منظم طور پر سندھ کے ہندو، سیٹھ اور ساہو کار، تاجر، اور صنعت کار اپنا سارا سرمایہ لے کر ہندوستان آ گئے تھے، سندھ میں کوئی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا تھا، کسی ہندو کی نکسیر تک نہیں پھوٹی تھی، لیکن عامل قوم کے سرمایہ داروں نے صرف اس لئے ترک وطن کیا تھا کہ پاکستان کی معیشت کو دھکا لگے، اس طرح وہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکے گا، کیونکہ نہ اس کے پاس سرمایہ دار ہیں، نہ تاجر اور صنعت کار اس کا دیوالیہ ہونا ایک قطعی اور یقینی امر ہے لیکن بانٹوا اور سردار گڑھ کے میمن جب ہدف ستم بنے تو وہ اپنی مہارت اور سرمایہ لے کر پاکستان آ گئے اور یہاں آتے ہی انھوں نے ہندوؤں کا چھوڑا ہوا کاروبار اس خوبی سے سنبھال لیا جیسے ہمیشہ سے وہ یہیں رہتے اور یہیں کام کرتے چلے آ رہے ہیں،"

(۱۱)

اڑلیسہ کی ہندو ریاستیں، پٹھان اور پنجابی مسلمان

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

اڑلیسہ اور چھتیس گڑھ میں کل ۲۶ ریاستیں تھیں، ۱۱/ اے کلاس کی، ۱۲/ بی کلاس کی، ۳ سی کلاس کی، ان میں سب سے بڑی مایر بھنج تھی، جس کا رقبہ ۴ ہزار مربع میل اور آبادی دس لاکھ تھی۔

• ـــ یہ ریاستیں، جنگلات کی بہت بڑی نعمت سے بہرہ ور تھیں، سارے ملک میں سب سے زیادہ وسیع اور گھنے جنگلات یہیں تھے، ان میں سے بعض ریاستوں کی زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی جنگلات تھے۔

• ـــ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ ریاستیں، خاص طور پر شمالی علاقہ کی ریاستیں ایسا محل وقوع رکھتی تھیں کہ سارے ہندوستان میں سب سے بڑا صنعتی رقبہ یہیں واقع تھا۔

• ـــ جمشید پور جو ہندوستان میں فولاد کی صنعت کا سب سے بڑا مرکز ہے، یہیں کی ایک ریاست سرائکیلا کی سرحد پر واقع ہے۔

• ـــ میگنیز، تانبا، لوہا، کوئلہ، چونا اور ابرک کی کانیں اس تمام علاقے میں ہر چہار طرف بکھری ہوئی ہیں۔

• ـــ بہترین خام لوہے کے ذخیرے ریاست مایر بھنج اور بسٹر میں موجود ہیں،

• ـــ کوئلہ کی کانوں کا ایک وسیع ترین رقبہ ریاست سورج گنج، اور کوریا میں موجود

ہے۔

• ریاست تلچر میں بھی کوئلے کی کانیں کافی ہیں،

"اقلیت" کی حکومت!

مذکورہ ریاستوں میں سے اکثر ریاستوں میں ایک عرصہ دراز تک نظم و انتظام "اقلیت" کے ہاتھ میں رہا، جب کہ ایک افسر جو پولٹیکل ایجنٹ، کو جواب دہ تھا اس علاقہ کا انچارج تھا،

پٹھانوں اور پنجابی مسلمانوں کا تقرر ناقابل برداشت

کابینہ وفد نے اپنے پلان کا جیسے ہی اعلان کیا ان ریاستوں نے اپنی ایک یونین قائم کرلی، جس نے یکم اگست ۱۹۴۷ء سے باقاعدہ کام شروع کر دیا، اس یونین نے اپنا ایک آئین بھی وضع کرلیا، راجہ کوریا یونین کے سربراہ بنے، ایک اور شخص کو وزارت عظمیٰ سونپی گئی، ایک چیف سکریٹری کا تقرر بھی عمل میں لایا گیا، ایک عدالت مرافعہ Appelant Court بھی قائم ہوگئی، پولیس کی تنظیم کے لئے ایک انسپکٹر جنرل پولیس مامور کیا گیا، جو انگریز تھا، اس پولیس فورس میں پنجابی اور پٹھان مسلمانوں کی غالب تعداد شامل کی گئی تھی۔ ہر شخص بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ پولیس فورس میں پٹھانوں اور پنجابی مسلمانوں کے اس تقرر کو رائے عامہ نے کس نظر سے دیکھا ہوگا؟ — پس منظر بھی پیش نظر رہے، یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کے آخر کا ہے۔

ایجی ٹیشن جاری رہا

یونین کے قیام کے باوجود ذمہ دار حکومت کے لئے ایجی ٹیشن جاری رہا، خاص طور پر نیلگری اور دھنکانل کی حالت تو بہت نازک ہوگئی، مقامی پرجامنڈل نے تمام سرکاری عمارتوں پر قبضہ کرلیا اور قصر شاہی کا محاصرہ کرلیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ صرف ایک پالتو چیتے کی وجہ سے قصر شاہی کی عورتیں بلوائیوں کی دراز دستی سے بچ سکیں۔

آخر ۱۴ نومبر ۱۹۴۷ء کو حکومت ہند کی ہدایت کے مطابق صوبہ اڑیسہ نے نیلگری پر قبضہ کرلیا،

۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو میرے دفتر میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں ہری کرشن مہتاب وزیر اعظم اڑیسہ بھی موجود تھے۔

اس میٹنگ میں ہم نے طے کیا کہ والیان ریاست نے جو یونین بنائی ہے اسے حکومت ہند ہرگز قبول نہیں کرے گی،

ذمہ دار حکومت بھی کامیاب نہ ہوئی

تقسیم یعنی آزادی ہند کے فوراً بعد اڑیسہ کی ریاستوں میں ذمہ دار حکومت کے مطالبہ نے بڑی شدت اختیار کرلی لیکن یہاں کے لوگ سیاسی طور پہ بہت زیادہ پسماندہ تھے، بعض ریاستوں میں فرماں رواؤں نے ـــــ عوامی احتجاج و مطالبہ سے متاثر اور مجبور ہو کر ذمہ دار حکومت قائم کردی، لیکن اس کا نہایت عجیب وغریب نتیجہ برآمد ہوا، ایک ریاست میں راجہ اور وزیروں نے سرکاری محاصل کو آپس میں نصف نصف تقسیم کرلینے پر اتفاق کر لیا، اور نظم حکومت کے لئے کوئی خرچ میزانیہ میں نہیں رکھا ایک اور ذمہ دار حکومت اس طرح قائم ہوئی کہ اس نے ریاست کے تمام سرکاری دفاتر پر تالہ لگا دیا،

ذمہ دار حکومت بے معنی چیز ہے

۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہم کٹک پہنچے، والیان ریاست کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے سردار نے کہا۔

"چھوٹی ریاستوں میں ذمہ دار حکومت بے معنی اور مہمل چیز ہے"!

تقریر کے اختتام پہ سردار نے ارشاد فرمایا:

"اگر میری یہ صلاح نہ مانی گئی، تو نتیجہ یہ ہوگا ان والیان ریاست کو جب ان کی رعایا نکال باہر کردے گی تو یہ دوڑے دوڑے میرے پاس دہلی آئیں گے، لیکن اس وقت معاملات ایسے دھرے پہ آچکے ہوں گے کہ میں کسی طرح کی مدد نہیں دے سکوں گا"!

اس کے بعد ہم نے یہاں کے والیان ریاست کو وہ مسودہ دیا جس کی رو سے ان ریاستوں کو صوبۂ اڑیسہ میں مدغم ہوجانا تھا۔

ذمہ دار حکومت بھی نہ بچا سکی

مہاراجہ مایور بھنج نے کہا وہ اپنی ریاست میں ذمہ دار حکومت قائم کرچکے ہیں، اور عوامی وزارت وہاں برسرکار

اور برسر اقتدار رہے لہذا وزارت سے مشورہ کے بغیر وہ صوبہ میں مدغم ہونے سے متعلق کوئی وعدہ نہیں کر سکتے،

گفتگو کے دوران میں یہ اندازہ ہو گیا کہ اے کلاس کی ریاستیں ادغام کی تجویز سے متفق نہیں ہیں، اب تو سردار کا ضبط جواب دے گیا، انھوں نے فرمایا، !

"اگر میرا دوستانہ مشورہ بھی نہیں قبول کیا جا سکتا اور صورت حال وہی رہتی ہے جو تھی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ انجام کیا ہوگا، !"

میری تدبیر کام آئی

آخر میں نے راجہ دھنکنال کو اپنے اعتماد میں لیا، یہ اے کلاس کی ایک ممتاز ریاست کے والی تھے، لیکن پرجا منڈل کی طرف سے ذمہ دار حکومت کے مطالبہ نے انھیں بوکھلا رکھا تھا، یہ بڑی آسانی سے اڑیسہ میں اپنی ریاست کے ادغام پر تیار ہو گئے، جب میں نے انھیں یقین دلایا کہ ان کے تمام معقول مطالبات حکومت ہند تسلیم کرے گی، جب یہ تیار ہو گئے تو میں نے ان سے کہا اب آپ دوسرے والیان ریاست کے پاس جائیے، اور انھیں بتائیے کہ اڑیسہ میں آپ اپنی ریاست مدغم کر رہے ہیں، اور یہ بھی کہئے کہ اگر دوسرے والیان ریاست نے آپ کی پیروی نہ کی تو حکومت ہند ان کی ریاستوں پر قبضہ کر لے گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سب ریاستوں نے اور مایر بھنج نے بھی، دستاویز الحاق پر دستخط کر دیے، !(۱)

---

(۱) مسٹر مینن کے لئے سب سے زیادہ غم انگیز اور ناقابل برداشت اور اشتعال انگیز واقعہ وہ ہوتا ہے جب ہندو اکثریت کے علاقہ میں وہ اقلیت یعنی مسلمانوں کو برسر اقتدار دیکھتے ہیں، وہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں، مگر یہ نہیں برداشت کر سکتے، ظاہر ہے اکثریت کی حکومت میں اگر اقلیت کوئی ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کر لیتی ہے تو یہ کسی جبر و جور کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتا، صرف غیر معمولی اہلیت اور قابلیت ہی اس کا سبب ہو سکتی ہے، لیکن مینن صاحب کو کسی طرح یہ منظور نہیں ہے کہ اہلیت اور قابلیت کے باوجود بھی اکثریت کے علاقہ میں اقلیت فروغ حاصل کر سکے، چنانچہ

سیکولر حکومت کا یہ سیکولر تقیب جب اڑیسہ کی ہندو ریاستوں میں پنجابی مسلمانوں اور پٹھانوں کو برسر اقتدار دیکھتا ہے تو دامن صبر تار تار ہو جاتا ہے، اور کسی طرح بھی یہ اپنے جذبۂ نہاں کو سوز عیاں کی صورت اختیار کرنے سے نہیں روک سکتا، اور یہ صورت صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، عیسائی اور دوسری اقلیتیں بھی اس میں شامل ہیں اور آج تیرہ برس گذر چکنے کے بعد بھی سیکولر دلیس کا قومی تعصب اسی طرح قائم ہے، ملاحظہ ہو ایک موقر روزنامے کا ایڈیٹوریل نوٹ،

بلسور یونیورسٹی میں وائس چانسلر کی آسامی خالی ہوئی تو گورنر صوبہ نے جو بہ لحاظ عہدہ یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہوتے ہیں ایک لائق پروفیسر ڈاکٹر نکم کو اس عہدہ پر مامور کر دیا۔ مگر ۱۴ اپریل کو پروفیسر نکم کے تقرر کا اعلان ہوا اور ۱۶۔ اپریل کو یعنی صرف دو دن بعد گورنر نے حکومت بلسور کو لکھا کہ ابھی اس حکم کو معطل سمجھا جائے اور اس پر عمل روک دیا جائے، حالانکہ یہ گورنر صاحب کا اپنا ہی حکم تھا، صوبائی حکومت کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

لوگ حیران تھے کہ ۴۸ گھنٹوں میں کیا نئی بات پیدا ہوئی جو گورنر صاحب نے اپنی پہلی رائے بدل لی اور اپنا حکم معطل کر دیا؟ اب کوئی ڈیڑھ مہینہ بعد معاصرہ "ٹائمز آف انڈیا" میں ایک نامہ نگار نے اس راز پر سے پردہ اٹھایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر نکم ایک قابل پروفیسر ہیں اور بعض ایسی کتابوں کے مصنف ہیں، جن کی ہندوستان سے باہر بھی قدر کی جاتی ہے مگر اُن کا قصور یہ ہے کہ وہ ایک اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی عیسائی ہیں!) اور اکثریتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے بعض با اثر حلقوں نے گورنر پر دباؤ ڈالا کہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ اقلیتی فرقہ کے کسی آدمی کو نہیں ملنا چاہئے۔ یہ اکثریتی فرقہ یعنی ہندوؤں کا حق ہے اور گورنر صاحب پر یہ دباؤ اتنا سخت اور مؤثر تھا کہ انھوں نے ۴۸ گھنٹے بعد ہی اپنا حکم معطل کر دیا۔

ہندوستانی اہل سیاست ——— بشمول عزت مآب پنڈت نہرو ——— پاکستان کو یہ طعنہ دیا کرتے ہیں کہ وہ قرونِ وسطیٰ کی ایک مذہبی ریاست ہے۔ اور بھارت ورش کے متعلق یہ دعوےٰ ہے کہ یہ ایک "سیکولر" ماڈرن ملک ہے۔ مگر اس سیکولر ماڈرن ملک میں ایک قابل یونیورسٹی پروفیسر محض اس بنا پر وائس چانسلر بھی مقرر نہ کیا جا سکا۔ کہ وہ عیسائی ہے۔ مگر قرون وسطیٰ کی مذہبی ریاست پاکستان میں صدر مملکت کے بعد

سب سے بڑا عہدہ ——— یعنی سپریم کورٹ کی چیف ججی ——— بہ طیب خاطر ایک عیسائی جج کو تفویض کر دیا گیا کہ وہ اس کے اہل و مستحق تھے۔ اُن کا عیسائی ہونا اُن کے استحقاق کی راہ میں حائل نہ ہو سکا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم جون ۱۹۶۰ء)

---

(۱۲)

ایک ہندو ریاست

جس کا حیدر آباد سے سودا ہو رہا تھا

ایک نئی مصیبت

اڑیسہ کی ایک ریاست بسٹر، ہمارے لئے حد درجہ تشویش اور اضطراب کا سبب بن گئی تھی، اس ریاست میں بھی ایک عرصہ دراز سے نظم و انتظام پر "اقلیت" کا قبضہ چلا آ رہا تھا ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۸ء تک، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۸ء تک اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک یہاں کے انتظام و انصرام پر اقلیت ہی قابض رہی،

پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کی شرارت

اگست ۱۹۴۶ء میں حیدر آباد کے انگریز ریذیڈنٹ نے حکومت ہند کے پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بسٹر کو سیاسی طور پر حیدر آباد کی وحدت میں شامل کر دیا جائے۔

انتقال اختیارات یعنی آزادی ہند سے ذرا پہلے زور شور سے یہ افواہ گرم ہوئی، اور متواتر ہمارے پاس اطلاعات آنے لگیں کہ اس ریاست کے گراں مایہ معدنیات، ایک طویل المعیاد ٹھیکہ کے ذریعہ حیدر آباد کے پاس گرو رکھے جا رہے ہیں، اگر یہ صورت عملی جامہ پہن لیتی تو کوئی شبہ نہیں بھارت کو بڑا خسارہ رہتا —!

چنانچہ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ سے تحقیق احوال کی گئی، آخر بڑی دشواریوں اور پریشانیوں کے بعد متعلقہ کاغذات دستیاب ہوئے جو فوراً سردار کی خدمت میں پیش کر دیے گئے، جن سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ انتہائی عجلت کے ساتھ یہ سودا مکمل کر دینا

چاہتا تھا۔

سردار کی سرکارفیلڈ سے گفتگو

میں نے اور سردار نے اس موضوع پر سرکانراڈ کارفیلڈ Sir Conrod Corfiafd سے گفتگو کی، وہ اس موقف پر اڑ گئے کہ چھوٹی ریاستوں کا گارجین پولٹیکل ڈپارٹمنٹ ہے اور اسے پورا حق ہے کہ اگر کسی چھوٹے والی ریاست کا مفاد دیکھے تو جو مناسب سمجھے کرے،

سردار نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ ہرگز یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ اس انداز میں عوام کے مفاد کا سودا کیا جائے۔

تقسیم ہند سے ذرا پہلے مہاراجہ بسٹر یعنی پروبیر چندرا دیو کو اختیارات شاہی پولٹیکل ڈپارٹمنٹ نے عطا کر دیے،

ہمیں اطلاع دی گئی کہ حیدر آباد کے ایجنٹ ٹھیکہ کے معاہدہ پر دستخط لینے کے لئے مہاراجہ کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔

مہاراجہ بسٹر کو سردار کی دھمکی

سردار نے مہاراجہ بسٹر کو دہلی طلب کیا مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس ناتجربہ کار نوجوان کو پولٹیکل ڈپارٹمنٹ نے جملہ شاہی اختیارات عطا کر دئے تھے۔

سردار نے مہاراجہ سے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا کہ اگر انھوں نے ریاست کے گراں بہا معدنیات کا سودا ریاست حیدر آباد سے کر لیا تو اس کے نتائج نہایت تلخ ہوں گے، اور حکومت کوئی نہایت ہی سنگین قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے گی۔

اندیشہ صحیح نکلا

جو خطرات اور اندیشے بسٹر اور حیدر آباد کے بارے میں ہمارے دل میں پیدا ہو رہے تھے ایک ذریعہ سے ان کی تصدیق بھی ہو گئی، ایک سینیئر پولٹیکل افسر کا خط ہمارے ہاتھ میں آ گیا، جو اس نے موقع واردات سے حکومت ہند کو لکھا تھا :

"حیدر آباد سے بیلا ڈیلا کے خام لوہے کے علاقے تک مشکل سے ۱۰۰ میل کا فاصلہ ہو گا۔ اس راستہ کی سڑکیں ہموار اور عمدہ حالت میں ہیں، اس علاقہ کی

آبادی بکھری ہوئی ہے، مقامی باشندے شراب اور تمباکو کے شائق ہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیدر آباد اور حکومت ہند کے مابین گفت وشنید مصالحت میں تعطل پیدا ہو گیا ہے، اور نازک گھڑی سر پر آ پہنچی ہے، بہرحال یہ بات یقینی نظر آرہی ہے کہ حیدر آباد دبسٹر کے علاقہ میں پاؤں جمانے کی کوشش کرے گا، مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر میرا یہ اندیشہ بے بنیاد ثابت ہو، لیکن کسی حالت میں بھی یہ چیز ہمارے لئے خوشگوار نہیں ہوگی، ہمیں یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ حیدر آباد اب ایک خطرہ بنتا جارہا ہے، جبکہ یہاں کی آبادی بھی ایک جگہ نہیں بسی ہوئی ہے بلکہ بکھری ہوئی ہے، یہ خطرہ اس صورت میں اور زیادہ سنگین صورت اختیار کر لیتا ہے جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں کی باگ والیان ریاست اور ان کے حکام و عمال کے ہاتھ میں ہے اور جن کی حکومت ہند سے وفاداری کا اب تک کوئی ثبوت ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے، !" (۱)

---

(۱) ان تصریحات سے دو۲ امور پر روشنی پڑتی ہے،

۱۔ یہ کہ مسٹر مینن، اور سردار کی نظر میں، "اقلیت" کتنی خطرناک چیز ہے۔

ریاض کا ایک شعر ہے،

ہماری زمزمی میں آب زمزم بھی ہے "وہ شے" بھی
ہوئے ہیں جمع کیونکر آگ پانی دیکھتے جاؤ،

آپ سمجھے "وہ شے" سے کیا مراد ہے؟ ——— شراب،

شاعر نے شراب کا لفظ نہیں استعمال کیا، "وہ شے" کہکر اس نے بلیغ انداز میں اپنا مفہوم ادا کیا کہ مفہوم پورا پورا ادا ہو جاتا ہے، اور تعزیر محتسب کا ڈر بھی نہیں رہتا کہ تم نے شراب کا چرچا کیوں کیا؟

اسی طرح مسٹر مینن اپنا اور اپنی حکومت کے سیکولرزم کا بھرم رکھنے کے لئے "مسلمان" کا لفظ نہیں استعمال کرتے، اسے "اقلیت" کے بلیغ لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، سمجھنے والے

سمجھ جائیں گے اور اس بلاغت معنی پر سر دھنیں گے،

گویا مسٹر مینن کے نزدیک اس سے بڑھ کر ناخوشگوار، نامرغوب اور ناپسندیدہ کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ اقلیت میں اتنی صلاحیت اور اہلیت ہو کہ وہ اکثریت کے علاقہ میں اعلیٰ عہدے اور منصب حاصل کر سکے، یہ حق صرف اکثریت کا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اقلیت پر، نااہلی اور عدم استحقاق کے باوجود حکومت کرے۔ خواہ اس طرح اقلیت ختم ہی کیوں نہ ہو جائے اور ——— اقلیت کی اہلیت اور صلاحیت سے محروم ہوکر، خود اکثریت کو غیر معمولی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

شام کے مشہور علمی ادارہ "المجمع العلمی" کی طرف سے بہت دن ہوئے شیخ کرد علی کی ایک کتاب "اندلس کا ماضی اور حال" شائع ہوئی تھی، کتاب مختصر تھی، لیکن بڑے پتے کی باتیں فاضل مصنف نے لکھی تھیں، اس نے لکھا تھا، مسلمان جب اسپین میں داخل ہوئے، تو وہاں کچھ نہ تھا، جب وہاں وہ رہ پڑے، تو بہت مختصر مدت میں اسپین دنیا کا بہت بڑا علمی مرکز بن گیا، زراعت و فلاحت کے اعتبار سے سارے یورپ میں اس نے ممتاز مقام حاصل کرلیا، اس کی آب رسانی کا انتظام بڑے بڑے انجینیروں کو محوِ حیرت کر دیتا تھا - باغوں، پھلوں اور میووں کی وہ کثرت ہوئی کہ یورپ کے صحرا میں وہ نخلستان نظر آنے لگا، وہاں مدارس اور مکاتب قائم ہوئے، جہاں سے علم کی روشنی پھیلی اور جہالت کی تاریکی دور ہوئی، ایسے فلک شکوہ، اور فلک مرتبت قلعوں، محلوں، اور عمارتوں کی بنیاد پڑی جن کے کھنڈر آج بھی اپنی عظمت رفتہ کی گواہی دے رہے ہیں، مالی حالت اتنی اونچی ہوگئی کہ کوئی غریب نہ رہا، رواداری کا یہ عالم تھا کہ یہودی، جو عیسائیوں کی حکومت میں غلاموں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے، انہی شہری حقوق کے مالک ہوگئے، جو عیسائیوں اور مسلمانوں کو حاصل تھے، یہودیوں اور عیسائیوں کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دے دی گئی، اور جب مسلمان حکومت سے محروم ہوئے ملکۂ ازابیلا اور شاہ فرڈیننڈ فاتح ——— اور کشورکشا کی حیثیت سے غرناطہ میں داخل ہوئے، آخری تاجدار ابو عبداللہ کو جلاوطن ہونا پڑا، اور پھر اندلس کے سارے مسلمانوں پر عرصۂ زیست تنگ ہوگیا، اور بالآخر وہ قتل یا جلاوطن کردیے گئے، یا پھر جبراً انھیں عیسائی بنا لیا گیا، تو وہاں کے عیسائیوں نے "اقلیت" کی حکومت

کے خاتمہ پر بڑی دھوم دھام سے یوم نجات منایا، اور اکثریت کی حکومت کے قیام پر جوش انشاط و مسرت و مسرت سے دیوانے ہو گئے، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد یعنی مسلمانوں کے رخصت ہوتے ہی وہ ساری برکتیں افسانۂ ماضی بن گئیں جو اقلیت کے عہد حکومت میں عام تھیں، آب رسانی کا وہ نظام جو انجینرنگ کا محیر العقول کارنامہ تھا، اکثریت قائم نہ رکھ سکی، باغ اجڑ گئے، لہلہاتے ہوئے کھیت بجر بن گئے، زراعت و فلاحت کی کامرانی کا دور ختم ہو گیا، مسجدیں گرجا بن گئیں، مدارس بند ہو گئے، کلیات و جامعات (کالج اور یونیورسٹی) کے دروازوں پر تالا لگ گیا، مذہبی رواداری خواب وخیال بن گئی، یہودیوں اور مسلمانوں کے سامنے تبدیل مذہب یا جلاوطن، ورنہ قتل کا بدل رکھا گیا، ساری ترقیاں دفعتہً رک گئیں، ——— اور آج اسپین یورپ کا سب سے زیادہ پسماندہ ملک ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے، کردعلی کی اس کتاب کے مذکورہ باب کا ترجمہ کر کے میں نے کسی رسالہ میں شائع کر دیا تھا، یہ ۲۵، ۳۰ سال پہلے کا واقعہ ہے، تفصیل یاد نہیں لیکن مغز سخن یاد رہ گیا۔

بالکل یہی صورت، حیدر آباد، بھوپال، اور جونا گڑھ وغیرہ میں "اقلیت" کے حسن انتظام اور خدمات جلیلہ کی تھی، جب "اقلیت" کو ان جگہوں سے بھگایا اور نکالا گیا تھا تو صرف مینن صاحب ہی نہیں، اکثریت کا بہت بڑا طبقہ جوش مسرت سے دیوانہ ہو گیا،

لیکن جب اقلیت نکال دی گئی، بھگا دی گئی، عضو معطل کر دی گئی، تو آج اکثریت اقلیت کی خوبیوں، کارناموں، اور خدمتوں کو یاد کر رہی ہے، اور شاید بہت دنوں تک یاد کرتی رہے گی۔

حیدر آباد اور ریسٹر کا تجارتی معاہدہ بھی کوئی ایسا جرم نہیں تھا، جس پر صدائے فریاد وا الغیاث بلند کی جاتی، حیدر آباد نہ ان معدنیات کو پاکستان بھیج دیتا، نہ اپنے حدود مملکت میں منتقل کر لیتا، دونوں ہندوستانی تھے، اور دونوں باہمی رضامندی سے ایک سودا کر رہے تھے۔ لیکن سردار پٹیل نے مہاراجہ کو دھمکی دے کر ثابت کر دیا کہ وہ تن تنہا، تاج برطانیہ سے بھی زیادہ بالادستی کی قوت رکھتے ہیں! ؂

(۱۳)

کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کا خاتمہ

مسلمانوں اور انگریزوں کا دور

کاٹھیاواڑ کی مذہبی عظمت یہ جزیرہ نما، ملک کے مغربی ساحل پر، شمالی حصہ میں واقع ہے، ہندوستان کی تاریخ میں اسے قابل فخر مقام حاصل ہے، تاریخ اور دیو مالا Mythology کے بہت سے ہیرو اس سرزمین سے اٹھے،

دوارکا جہاں شری کرشن نے حکومت کی، کاٹھیاواڑ ہی کا دوسرا نام ہے، سداما جسے سری کرشن سے بے حد پیار تھا، جس کی بے پناہ محبت نے غیر فانی مرتبہ حاصل کر لیا، پور بندر کی رہنے والی تھی، جوناگڑھ نے زندہ جاوید شاعر نرسنہہ مہتا عطا کیا، جس کا نغمہ گاندھی کی مجلس عبادت میں ہر روز گایا جاتا تھا،

دیانند سرسوتی بھی کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے، یہ وہی دیانند سرسوتی ہیں جنہوں نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی تھی، سومنات کا مشہور مندر بھی کاٹھیاواڑ کی مقدس سرزمین پر واقع ہے، جوناگڑھ اور گرنار پہاڑیوں کے مابین چٹانوں پر اشوک کے کھدوائے ہوئے فرامین اب تک موجود ہیں، علاوہ ازیں شترنجیا، جین فرقہ کا مقدس ترین مقام یہیں واقع ہے جو ان کی نظر میں وہی عظمت رکھتا ہے جو ہندوؤں کی نظر میں بنارس کی ہے،

کرکیٹ کے بڑے بڑے کھلاڑی بھی کاٹھیاواڑ نے ماضی اور حال میں پیدا کئے عہد ماضی

میں اگر رنجی جیسے بے پناہ شخص پر فخر کیا جا سکتا ہے تو زمانۂ موجودہ میں کون ہے جو دلیپ، امر سنگھ اور وینو منکڈ کو نہ جانتا ہو؟ ——— !

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گاندھی جی کی جنم بھومی ——— پوربندر ——— بھی یہیں واقع ہے۔

کاٹھیاواڑ پر مسلمانوں کی حکومت

گیارہویں عیسوی میں کاٹھیاواڑ کا علاقہ مسلمانوں کے زیر حکومت آگیا، سومنات کا مندر محمود غزنوی کے ہاتھوں ۱۰۲۴ء میں برباد ہوا، ۱۱۹۴ء میں انھلواڑ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا، یہ واقعہ بعد میں کاٹھیاواڑ پر خلجی اور تغلق کی یلغاروں اور فتحمندیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا، ۱۵۷۲ء میں گجرات پر شہنشاہ اکبر کا قبضہ ہو گیا، اکبر کے وائسرائے کاٹھیاواڑ سے خراج کی رقوم معینہ اوقات پر افواج کے ذریعہ وصول کر لیا کرتے تھے،

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں مرہٹوں نے مغلوں کی جگہ لے لی، اور وہ خراج کی رقمیں وصول کرنے لگے،

۱۸۰۲ء میں کاٹھیاواڑ کے بعض والیان ریاست اور تعلقداروں نے انگریزوں کی سرپرستی حاصل کر لی اور ان کا ریزیڈنٹ پوربندر میں رہنے لگا،

کرنل واکر Colonel Walker نے جو ریزیڈنٹ تھے گورنر جنرل کو اپنے ایک مراسلہ میں تحریر کیا تھا۔

"سوا اس کے کہ کاٹھیاواڑ کی ریاستیں خراج ادا کرتی ہیں ہر معاملہ میں بالکل آزاد ہیں، حتیٰ کہ غیر ملکوں سے تعلقات قائم کرنے کی بھی انھیں آزادی ہے، !"

۱۹۴۷ء تک کاٹھیاواڑ مختلف سیاسی ادوار سے گزرا، لیکن کرنل واکر نے جو اس کی حیثیت متعین کر دی تھی کم و بیش وہ قائم رہی،

طاقت ور کی منطق

انتقال اختیارات کے ساتھ ہی ریاستی باشندوں نے ذمہ دار حکومت کا مطالبہ شروع کر دیا، جب تک انگریز برسر اقتدار تھے وہ والیان ریاست کی مدد کو پہنچ جاتے تھے، اب صورت حال دوسری تھی، عوامی

مظاہرۂ قوت میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی، آزاد ہند کے عوام ان کے ساتھ تھے، اس طوفان کے سامنے اکثر والیان ریاست کو ہتھیار ڈال دینا پڑے مثلاً میں ایک چھوٹی سی ریاست موردی کو پیش کرتا ہوں، یہاں مظاہرین نے بزور قوت عدالتوں، سرکاری عمارتوں اور جیل پر قبضہ کر لیا، آخر ریجنل کمشنر کی ہدایت پر راجہ نے ایک دیوان مقرر کیا جسے سارے اختیارات سونپ دیے گئے۔

یہ رنگ دیکھ کر بعض والیان ریاست نے براہِ راست ریاستی عوام کے نمائندوں سے بات چیت شروع کر دی، اور ریجنل کمشنر کو واسطہ نہیں بنایا، لیکن یہ روش حکومت ہند کی نظر میں ناقابل اطمینان تھی،

کاٹھیاواڑ یونین میں ریاستوں کا اُدغام

آخر کاٹھیاواڑ یونین میں ریاستوں نے مدغم ہونے پر رضامندی کا اظہار کر دیا،

لیکن اس موقع پر ایک خاص امر کا میں خاص طور پر تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، یہ کہ اپنے موروثی اقتدار سے دستبردار ہونا ان والیان ریاست کے لیے زہر اب غم ثابت ہو رہا تھا۔ آج سے ایک مہینہ پہلے تک کسی والئ ریاست کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یوں چشم زدن میں اسے اپنی ریاست اور اقتدار حکومت سے محروم ہونا پڑے گا، ان بیچاروں کے چہرے پر ذہنی کوفت نے نزع کا سا عالم طاری کر دیا تھا، جو چھپائے نہیں چھپتا تھا اگرچہ بہادری سے یہ اسے فراموش کر دینے کی سعی کر رہے تھے کٹک اور ناگپور کی ریاستوں کے ادغام کے وقت بھی میں نے ایسا رقت انگیز منظر نہیں دیکھا تھا جو راج کوٹ میں مجھے نظر آ رہا تھا، یہ المناک اور جگر فگار منظر ہمیشہ میرے دل و دماغ پر نقش رہے گا،

ایک اور رقّت انگیز منظر

موردی کے مہاراجہ میرے پاس آئے اور انھوں نے التجا کی کہ حکومت ہند انھیں تخت حکومت سے دستبردار ہونے کی اجازت دے دے، ان کا ولی عہد نئے فرماں روا کی حیثیت سے معاہدہ ادغام پر ان کے بجائے دستخط کرے،

مہاراجہ کے جذبات کو میں نے محسوس کر لیا، اور میں نے یہ بات مان لی۔

موروی کی خوبی بھی اسے نہ بچاسکی

اس موقع پر میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ موروی کا نظام حکومت ہر اعتبار سے بہتر تھا، مہاراجہ نے خزانہ میں اس سے کہیں زیادہ روپیہ چھوڑا جس کی توقع اس ریاست سے کی جاسکتی تھی۔

کاٹھیاواڑ یونین کا افتتاح

بہرحال ۱۵-فروری سنہ ۱۹۴۸ء کو جام نگر میں سردار نے کاٹھیاواڑ یونین کا افتتاح کردیا، (۱)

---

(۱) مسٹر مینن کی ان تصریحات سے ایک بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے، یہ کہ ریاست ہائے ہند کے الحاق، ادغام، اور جبری گروہ بندی کے سلسلہ میں سردار پٹیل نے کسی اصول ، کسی وعدے، کسی معاہدے، اور کسی اقرار کی پابندی نہیں کی،

دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ سردار اور ان کے رفقائے نامدار نے، حصول مقصد کے لئے جو طریق کار اختیار کیا، وہ عدم تشدد کے اصول سے ذرا بھی مطابقت نہیں رکھتا تھا، یہ وہی اصول ہے جسے زندگی بھر کلیجہ سے لگائے رکھنے، اور جس پر زندگی کی بہاریں قربان کرنے کے باوجود بھلا دیا گیا، لیکن دنیا اسے نہ بھلا سکی،

مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو،

تاریخ کا یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جو لوگ، زندگی بھر آزادی حق خود ارادیت، عوامی بالادستی اور رائے عامہ کو تسلیم کرانے کی جدوجہد کرتے رہے، اور اس راستے میں ہر کٹھنائی کا بجن وزنداں سے لے کر دار ورسن تک خیر مقدم کرتے رہے، جب خود اختیار حکومت کے مالک ہوئے تو دوسروں کی آزادی ——— محدود آزادی تک ——— چھیننے لگے، حق خود ارادیت کے نام سے چڑھنے لگے، عوامی بالادستی ان کے لئے ایک مضحکہ خیز چیز بن گئی، اور اپنی ذاتی رائے کو انھوں نے رائے عامہ کا فرماں روا تسلیم کرلیا، انھوں نے کشت دہقان بھی لوٹی، اور تخت وتاج بھی چھینے، عوام کا گلا بھی گھونٹا اور اصول شکنی بھی کی اس کا عشر عشیر بھی اگر ایک اور حکمران اقلیت ——— انگریز —

——— کرتی، تو طوفان آجاتا، نہایت ہولناک طوفان،

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان،

لیکن یہ دھاندلی اکثریت کی تھی، سابق حکمران اقلیت یعنی انگریز کی، اور موجود بے بس اقلیت یعنی مسلمان کی، اور ہدف ستم اقلیت، یعنی والیان ریاست کی، اور محرم اثر رائے عامہ یعنی رعایائے ریاست کی اب کیا مجال تھی کہ وہ جنبش لب کر سکے، سوا اس کے کہ زبان حال سے کہتی رہے،

آپ جو چاہیں کریں آپ کی بن آئی ہے!

(١٤)

دکن کی مسلم ریاستیں

جنجیرا اور سوانور

دکنی ریاستوں میں جنجیرا اور سوانور مسلم ریاستیں تھیں، ریاست جنجیرا، ان حبشی مسلمانوں نے قائم کی تھی جو مشرقی افریقہ سے یہاں آئے تھے، یہ لوگ سلاطین بہمنی کی فوج میں ملازم تھے، پھر اس علاقہ پر قابض ہو کر اسے اپنی مستقل ریاست کی صورت دے دی، موجودہ فرمانروا اسی خاندان میں سے ہیں،

ریاست سوانور ایک پٹھان قبیلہ میانی نے قائم کی تھی، موجودہ حکمران اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔

یونین کے تخیل سے نہرو کا اتفاق

دکن کی دونوں مسلم ریاستیں اور دوسری غیر مسلم ریاستیں، اپنی ایک یونین بنانا چاہتی تھیں، نہرو نے بھی اس تخیل سے اختلاف نہیں کیا، کے بجاج نے دکھنی والیان ریاست اور کانگرس کے مابین واسطہ کا فریضہ انجام دیا، شاید انہی کی شخصیت تھی جس کی وجہ سے کانگرس یونین کے خلاف کھلم کھلا کچھ نہ کر سکی۔ کے، ایم منشی (جو پہلے بمبئی کے وزیر داخلہ رہ چکے تھے) کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ معاہدہ Covenant کا مسودہ تیار کریں، انہوں نے یہ کام پوری تفصیل کے ساتھ انجام دیا، اس مجوزہ معاہدہ کی رو سے دکھنی ریاستوں کی وحدت قائم ہو جاتی تھی، جس کے لئے ایک راج منڈل (ایوان والیان ریاست)، ہائی کورٹ جوڈیشل کمیشن اور کانسٹی ٹیوئنٹ

اسمبلی کی گنجائش رکھی گئی،

سردار کی زبان پر کچھ تھا دل میں کچھ

راج منڈل کا ایک وفد ۱۰- دسمبر ۱۹۴۷ء کو مجھ سے ملاقات کرنے نئی دہلی آیا، دوسرے دن وفد نے سردار سے ملاقات کی- سردار نے وفد کو بتایا کہ انھیں ریاست ہائے دکن کی یونین کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے، دکن کی کچھ ریاستیں بمبئی میں شامل ہو جانے پر تیار ہو جائیں تب بھی یہ یونین قائم رہ سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر ضرورت ہو تو استصواب رائے عامہ کرا لیا جائے یعنی ادغام یا جداگانہ یونین کے قیام پر،

سردار یونین کے مخالف بن گئے

جہاں تک میرا تعلق تھا، میں نے سردار سے کہا اس موقع پر دکن کے والیان ریاست سے کوئی وعدہ کر لینا قرین دانشمندی نہیں، پہلے ہمیں ایک پالیسی اختیار کر لینی چاہیے- پھر اس معاملہ کو ہاتھ میں لینا چاہیے، علاوہ ازیں اگر ادغام کا فیصلہ عوام کی رائے پر منحصر رکھا گیا تو خود ہمارے لئے بڑی سنگین قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی، لہذا میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ حکومت ہند خود ہی اس باب میں فیصلہ صادر کر دے، کیونکہ وہ سارے ملک کے عوام کی نمائندہ ہے،

سردار نے میرے معروضات کے جواب میں کہا، ایک مرتبہ دو تین ریاستوں کو بمبئی میں مدغم ہو جانے دو، پھر دوسری ریاستیں مجبور ہوں گی کہ اسی راستے پر چلیں، جس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب ریاستیں صوبہ بمبئی میں مدغم ہو جائیں گی، اور یونین کا خواب خود بخود پریشان ثابت ہو کر رہے گا،

سردار کا حکم: بمبئی میں مدغم ہو جاؤ

۱۹- جنوری ۱۹۴۸ء کو سردار سے بمبئی میں ریاستہائے دکن کی یونین کا وفد ملا، اور مجوزہ معاہدہ ــــــ جسے منشی نے تیار کیا تھا ــــــ پیش کیا، اور یونین کی ضرورت اور قیام کے سلسلہ میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا،

سردار نے جواب میں کہا کہ چونکہ اس یونین کو حکومت ہند نے تسلیم نہیں کیا ہے، لہذا

یہ مجوزہ معاہدہ کوئی اہمیت وحیثیت نہیں رکھتا، ضروری ہے کہ ہر ریاست بمبئی میں مدغم ہو جائے۔

اس کے بعد دکنی ریاستوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ بمبئی میں مدغم ہو جائیں ——

والیان ریاست ملازمت کی تلاش میں

بعض والیان ریاست نے کہا کہ چونکہ ہم حکومت سے محروم ہو چکے ہیں، اور اب بے روزگار ہیں لہذا امید ہے حکومت ہند ہمدردی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے سرکاری ملازمتوں میں ہمیں بھی حصہ دے گی، ان میں سے بعض عسکری تربیت Military training حاصل کر چکے تھے، ان کی خواہش تھی انھیں فوج میں رکھ لیا جائے، کچھ نے وزارت خارجہ میں ملازمت کی درخواست کی، محکمہ امور ریاست نے دوسری وزارتوں سے مشورہ کرنے کے بعد، ان میں سے چند کو ملازمت دیدی۔

جنجیرا کو بھی ادغام پر راضی ہونا پڑا

ریاست جنجیرا نے اب تک معاہدہ ادغام پر دستخط نہیں کئے تھے، اس ریاست کا نظم وقانون حکومت بمبئی کے حوالہ کر دیا گیا، ہم نے جنجیرا کے حکمران کو اطلاع دی کہ انھیں بہرحال معاہدہ ادغام پر دستخط کرنا ہی چاہئیں، آخر نواب نے دستخط کر دیے۔

۸- مارچ ۱۹۴۸ء کو دکنی ریاستوں کا بمبئی سے الحاق مکمل ہو گیا۔ (۱)

---

(۱) مسٹر مینن کے ان فرمودات سے یہ دلچسپ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ گو ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کو حکومت ہند جبری گروہ بندی میں شریک کر چکی تھی، اور دکنی ریاستوں کا جہاں تک تعلق تھا،

• ——— پنڈت نہرو، اصولاً یونین کے قیام پر بقول خود کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے۔

• ——— سردار پٹیل نے حکمرانوں کے وفد سے بالفاظ واضح کہہ دیا کہ وہ

یونین کی تشکیل اور قیام میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے،

لیکن جب یونین بن گئی، معاہدہ کا مسودہ کسی اور کے نہیں، سردار کے دست راست، ——

—— وہ دشمن ہمارا وہ پیارا تمہارا —————— مسٹر منشی نے مجوزہ معاہدہ کا مسودہ تیار کر لیا تھا سینین کی دسوسہ اندازی سے سردار نے بھی اپنی رائے بدل دی، نہرو نے بھی اپنے قول کا پاس نہ کیا، حکومت ہند نے یونین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور عرض و التجا اور احتجاج کے باوجود، سب کو بمبئی میں مدغم کر دیا گیا ——————

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا، !٭

(۱۵)

گجرات کی مسلم ریاستیں

پاکستان کی سرحد سے قریب گجرات میں حسب ذیل مسلمان ریاستیں قائم تھیں۔

۱۔ ریاست پالا سینور،

۲۔ ریاست کھمبایت،

۳۔ ریاست ساچین۔

۴۔ ریاست رادھن پور،

۵۔ ریاست پالن پور،

ان میں سے پالن پور، اور رادھن پور کی سرحدیں پاکستان سے بالکل ملی ہوئی تھیں۔

یونین بنانے کی اجازت نہ ملی کاٹھیاواڑ یونین کے قیام نے گجراتی ریاستوں کے فرمانرواؤں کو اس امید موہوم میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ بھی اپنی ایک یونین بڑودہ کے ساتھ ملکر بنا سکتے ہیں، مہارانا لوناواڑ والیانِ ریاست کے نمائندے بن کر اسی سلسلہ میں مجھ سے ملنے دہلی آئے۔

میں نے ان پر یہ بات واضح کر دی کہ گجرات کی ریاستوں کیلئے واحد چارہ کار یہی ہے کہ بمبئی میں مدغم ہو جائیں،

آخری معاہدۂ ادغام پر گجراتی ریاستوں کے فرماں رواؤں نے دستخط کر دیے۔ (۱)

---

(۱) جو حشر دکنی ریاستوں کا ہوا تھا وہی گجراتی حکومتوں کے ساتھ بھی کیا گیا، بہ یک جنبش لب

ان کی انفرادیت ختم کر دی گئی، اور انھیں صوبۂ بمبئی میں مدغم کر دیا گیا۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ مسٹر مینن کسی موقع پر بھی پاکستان کو نظر انداز نہیں کرتے، کسی ریاست کی سرحد اگر پاکستان سے قریب ہوتی ہے تو وہ اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کسی ریاست میں آزادی اور استصواب رائے عامہ کی تحریک اٹھتی ہے تو اسے وہ پاکستان کا کرشمہ قرار دیتے ہیں، حد یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام مغفور کی زندۂ جاوید کتاب آزادیٔ ہند India Wins Freedom جب شائع ہوئی تو مینن صاحب نے روزنامہ ہندو مدراس میں کئی کالم کا ایک طویل مضمون سپرد قلم فرمایا، اور انھیں پاکستانی قرار دے دیا،

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں،

مولانا نے کانگرس، اور وطن کے جو گراں بہا خدمات انجام دیئے ہیں ان کے سامنے گاندھی جی اور نہرو سر جھکاتے تھے، لیکن انڈین سول سروس کا یہ رکن جو ایک معنی میں ان کا ماتحت بھی رہ چکا تھا، انھیں پاکستانی ہونے کا طعنہ ان کی وفات کے بعد دے رہا ہے، کیا یہ عالی ظرفی کی انتہا نہیں ہے؟ ٥

(۱۶)

بندیل کھنڈ کی ریاستیں

عہد اکبر کی ایک ریاست

اس علاقہ کو تین طرف سے صوبہ یوپی اور جنوب کی طرف سے صوبہ متوسط گھیرے ہوئے ہے، یہ علاقہ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک بندیل کھنڈ دوسرا باگھیل کھنڈ کہلاتا ہے۔ راستہ کی دشوار گزاریاں اتنی سخت ہیں کہ باہر سے کسی کا پہنچنا مشکل ہے لیکن یہ اتنا زرخیز علاقہ ہے کہ اگر اسے ترقی دی جائے، زرعی اور جنگلاتی دولت کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہاں کے اصلی راجپوت حکمرانوں کو بندیلیوں نے نکال باہر کیا۔ یہ بندیل بھی ایک راجپوت قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ مغل شہنشاہوں کی سرپرستی میں بندیلیوں نے بڑی ترقی کی اور بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے۔

باگھیل کھنڈ کے علاقہ میں ریوا جیسی بڑی ریاست واقع تھی اور چند چھوٹی ریاستیں بھی۔

شہنشاہ اکبر کے قبضہ کے بعد

ریاست ریوا کا شاہی خاندان باگھیلا قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بھی راجپوت ہی تھے۔ دراصل یہ خاندان گجرات کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، پھر اس خاندان کا ایک شخص وسطی ہند میں آیا، اور بندھو گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۹۶ء

تک، یعنی جب تک اس علاقہ پر شاہنشاہ اکبر کا قبضہ نہیں ہوگیا، یہی شہر پایۂ تخت رہا۔ اکبر کے تسلط کے بعد ریوا کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی، کیونکہ وہ باگھیلا حکمران پر غالب ہوگیا تھا اور اسے اپنا باجگزار بنا لیا تھا، جب سے ابتک وہی نسل حکمران چلی آرہی ہے۔

بندیل کھنڈ اور باگھیل کھنڈ میں پینتیس ریاستیں واقع ہیں۔

مہاراجہ استصواب چاہتے تھے

۱۹۴۳ء میں ریوا گیا۔ پہلی مرتبہ مجھے مہاراجہ سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر مقامی لیڈروں کی رائے ہوئی تو مجھے یونین میں شرکت سے کوئی انکار نہیں، یہ مہاراجہ بالکل نوجوان اور قطعی ناتجربہ کار تھے، لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ مقامی لیڈروں سے گفتگو کی جائے، مہاراجہ دلچسپی کے ساتھ ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے شریک بحث تھا، ان عوامی لیڈروں کا اصرار تھا کہ مہاراجہ کا مفاد ہر حالت میں محفوظ رہنا چاہیئے۔

ریوا کے عوامی نمایندوں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ریوا کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ جب مناسب سمجھے یونین سے باہر آجائے۔

وہ رعایت جو حیدرآباد کو نہیں ملی

میں نے محسوس کیا کہ اگر یہ مطالبہ منظور نہیں کیا جاتا تو ریوا یونین میں شریک نہیں ہوگا، لہذا یونین کے مجوزہ معاہدہ میں ایک دفعہ میں نے یہ بڑھادی کہ اگر مجوزہ یونین کا پہلا اجلاس منعقد ہونے کے ایک مہینہ کے اندر ریوا کے تین چوتھائی ممبر یونین سے علیحدگی کا فیصلہ کریں تو جہاں تک ریوا کا تعلق ہے اس معاہدہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا، بلاشبہ یہ ریوا کے علیحدگی پسند لیڈروں کے ساتھ بہت بڑی رعایت تھی، لیکن مجھے یقین تھا کہ اگر ایک مرتبہ یونین بن گئی تو محکمۂ امور ریاست آیندہ پالیسی کا مالک ہوگا اور وہ ریوا کو یونین سے باہر نہیں نکلنے دے گا۔

عوامی لیڈر مہاراجہ کے ساتھ تھے

اب ایک نیا مطالبہ پیش ہوا اور اس نے کافی وقت ضائع کیا۔ سوال پیدا ہوا کہ مہاراجہ کو سالانہ وظیفہ کیا دیا جائے۔ عوامی لیڈروں نے بجائے اس کے کہ کم رقم کا مطالبہ کیا ہوتا مہاراجہ کی حمایت میں بڑی رقم کا مطالبہ لے کر بیٹھ گئے۔ حساب سے مہاراجہ کو نو لاکھ بہتر ہزار پانچسو روپیہ سالانہ وظیفہ ملنا چاہیئے تھا،

لیکن مقامی لیڈروں کے دباؤ سے میں نے یہ رقم دس لاکھ کر دی۔ یونین کا نام وندھیا پردیش تجویز ہوا۔

عوامی وزارت رشوت خور ثابت ہوئی

یونین بننے کے بعد عوامی وزارت قائم کر دی گئی لیکن یہ وزارت ایک سال بھی نہ چل سکی اور بالکل مایوس کن ثابت ہوئی، رشوت اور اقربا نوازی کا چلن عام ہوگیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک وزیر دہلی میں ایک معدنیاتی کمپنی سے رشوت لیتا ہوا موقع واردات پر پکڑا گیا۔

سردار نے یہاں کی مجلس وزراء کا اجلاس دہلی میں طلب کیا۔ وزراء ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگے۔ سردار نے ہدایت کی کہ تمام وزیر مستعفی ہو جائیں۔ ۱۴؍اپریل ۱۹۴۹ء کو سب نے استعفا دے دیا۔ بنرجی آئی سی ایس جو ریجنل کمشنر تھے وزیر اعلیٰ بنادیئے گئے۔

سردار کا فیصلہ: یونین توڑ دی جائے

اس صورت حالات نے سردار کو بہت پریشان کر دیا۔ وہ اگرچہ ایک رائے قائم کر چکے تھے لیکن اس پر عمل کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ سردار کی رائے تھی کہ یہ علاقہ یوپی اور صوبہ متوسط میں تقسیم کر دیا جائے۔ میں اس تجویز سے متفق نہ تھا۔ اگر انگریز پانچسو ریاستوں سے زیادہ کا نظم و انتظام خوبی سے قائم رکھ سکتے تھے تو کیا ہم دس سال تک بھی ریاستوں کی صرف چھ یونینوں کو نہیں چلا سکتے تھے؟ لیکن سردار نے میری بات نہ مانی، ان کا یہ قطعی فیصلہ تھا کہ یونین ختم کر دی جائے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں یونین کو ختم کرنے اور اس علاقہ کو یوپی اور سی پی میں مدغم کرنے کی کارروائی شروع کر دوں، سردار نے یہ نہایت ناخوشگوار فریضہ میرے اوپر عائد کیا تھا، وندھیا پردیش یونین کے معاہدہ کی ابھی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ہم اسے توڑنے بیٹھ گئے۔ سب سے بڑا مرحلہ والیانِ ریاست کو راضی کرنے کا تھا اور عوام کو بھی، نہ عوام اس رائے کے حق میں تھے، نہ والیانِ ریاست۔

کانگریس سردار کی مخالف تھی

۲۰؍نومبر کو میں نے ان والیانِ ریاست کا اجلاس دہلی میں طلب کیا اور انھیں وہ مسودہ دکھایا جس کی دفعہ ۳ کے ماتحت ہر ریاست کے حکمران کو عہد کرنا تھا کہ وہ اپنے حقوق شاہی حکومتِ ہند کو منتقل کرتا ہے، اور حکومتِ ہند کو حق ہوگا کہ اپنے یہ اختیارات جسے چاہے منتقل کر دے۔

معاہدہ کے اس مسودہ کا علم جب وندھیا پردیش کے کانگرسی لیڈروں کو ہوا تو انھوں نے نہایت سخت الفاظ میں ایک تجویز اس کے خلاف منظور کی۔ والیان ریاست بھی کانگرس کے ساتھ تھے۔

استصواب رائے سے میرا انکار

مہاراجہ ریوا اس بات کے سخت مخالف تھے کہ ریاست تقسیم کر دی جائے، وہ مجوزہ معاہدہ پر دستخط کے لئے آمادہ نہ تھے، میں نے مہاراجہ کو لکھا کہ میں ریوا آرہا ہوں تاکہ آخری فیصلہ کیا جا سکے۔ ۱۷ دسمبر کو میں نے متعلق والیان ریاست کی ایک کانفرنس ریاست نوگان میں منعقد کی جس میں مہاراجہ ریوا نے شرکت نہیں کی۔ میں نے حاضر الوقت والیان ریاست سے کہا، مجھے معلوم ہوا ہے بعض حکمران یہ چاہتے ہیں کہ یونین کی شکست اور ریاستوں کے ادغام کا مسئلہ استصواب رائے سے کیا جائے، لیکن میری صلاح یہ ہے کہ یہ معاملہ سردار پر چھوڑ دیا جائے، وہ سارے ملک کے معتمد لیڈر ہیں، وہ جو فیصلہ کریں گے ملک کے مفاد عمومی کو ملحوظ رکھ کر کریں گے۔

ریوا میں میرے خلاف خطرناک عوامی مظاہرہ

یہاں سے فارغ ہو کر اور مہاراجہ ریوا کو منانے کے لئے چند والیانِ ریاست کو ساتھ لے کر ریوا گیا، مہاراجہ سے پہلے ان لوگوں نے ملاقات کی، پھر چترویدی وزیر ریاست اور وائٹ (White) چیف سیکرٹری کے ساتھ میں راج بھون گیا، وہاں جانے کا راستہ چترویدی نے متعین کیا، میری کار جب محل کے قریب پہنچی تو میں نے دیکھا قصر شاہی کے پھاٹک پر ایک بڑا مجمع جو کئی ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا ہمارا راستہ روکے کھڑا ہے۔ ہماری طرف سے بہتیری کوشش ہوئی کہ یہ لوگ راستہ دیدیں، لیکن کسی نے ایک نہ سنی، بعض لوگوں نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا اور ہمارے اوپر بہت سے پمفلٹ پھینک دیئے، چیف سیکرٹری نے مجمع کو قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی بات بھی نہ سنی گئی، میں نے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں کہا۔

"سردار نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی شکایت ہے تو اپنے نمائندے دہلی بھیجئے"۔ لیکن مجمع نے میری بات پر دھیان نہ دیا۔ یہ لوگ نعرہ لگاتے رہے۔

"وندھیا پردیش یونین توڑنے کے لئے نہیں قائم کی گئی تھی۔ ہمارے مستقبل کا فیصلہ ہم سے رائے لئے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کسی طرح بھی اس کار کو محل میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا

مطالبہ ہے کہ تم واپس جاؤ (Go Back) مجمع کو رام کرنے کی تمام کوششیں اور اسے ہمنوا بنانے کی ہر جد وجہد ناکام ہوئی، آخر مجھے واپس آجانا پڑا، نہ کہیں راستہ میں نہ محل کے پھاٹک پر کوئی سپاہی نظر آیا۔

اپنی قیام گاہ پر واپس آکر یونین کے وزیر اعظم اور انسپکٹر جنرل پولیس کو میں نے بتایا کہ مجھ پر کیا گزری، میں نے یہ بھی کہا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے ضرور اس میں مہاراجہ کا ہاتھ ہے، ورنہ کیا وجہ تھی کہ چند قدم چل کر یا اپنے کسی سپاہی کو بھیج کر انھوں نے مجمع کو سمجھانے بجھانے کی کوشش نہیں کی۔"

میں نے یونین کے وزیر اعلیٰ مہتا کو ہدایت کی کہ وہ فوراً محل جائیں اور معاہدہ کا مسودہ مہاراجہ کے سامنے پیش کر کے ان سے کہیں کہ یا تو فوراً دستخط کیجئے ورنہ تحریری طور پر انکار کر دیجئے، کیونکہ میں آج ہی شام کو دہلی واپس جا رہا ہوں۔

مہاراجہ نے ڈر کر دستخط کر دیئے

مہتا جب راج بھون میں میرا پیام لے کر پہنچے تو آج کے حادثہ سے دوسرے والیان ریاست اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ انھوں نے کہا "مہاراجہ ریوا کا فیصلہ کچھ بھی ہو ہم معاہدہ پر دستخط کرنے پر تیار ہیں" خود مہاراجہ ریوا اتنے حواس باختہ ہو چکے تھے کہ بے تامل انھوں نے دستخط کر دیئے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ایک بھرے ہوئے مجمع کا سامنا کرنا پڑا، صورتِ حالات اپنے اندر بہت خوفناک امکانات پوشیدہ رکھتی تھی۔ اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت پولیس کا موجود نہ ہونا بہتر ثابت ہوا۔ اور اگر ہم تشدد کے ذریعہ مجمع کو منتشر کرنے کی کوشش کرتے تو نہ جانے انجام کیا ہوتا۔

وندھیا پردیش کی تقسیم پر یوپی اور سی پی کا جھگڑا

اس کے بعد سردار نے یوپی اور سی پی کے وزراء اعلیٰ کو طلب کیا کہ وندھیا پردیش کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ گفتگو شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہر دو وزراء اعظم اپنے اپنے دعوے میں ایک دوسرے کے حد درجہ مخالف ہیں۔ سردار نے چاہا دونوں مفاہمت کر لیں۔ جب کامیابی نہ ہوئی تو وندھیا پردیش کو مرکز کے ماتحت لے لیا گیا، اور یکم جنوری ۱۹۵۰ء میں اسے لفٹیننٹ گورنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔

؎۱ ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دور میں وہ ریاستیں تیزی سے ضبط کی جانے لگیں جن کے حکمران اولاد نرینہ

(باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

(پچھلے صفحہ کا باقی) سے محروم تھے، کیونکہ کمپنی انھیں متبنیٰ کرنے کا حق نہیں دینا چاہتی تھی، وہ ریاستیں بھی ضبط کر لی گئیں جن کا انتظام ناقص تھا۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ کمپنی نے ہندوستان کی کئی ریاستوں کا جبری الحاق کر لیا تھا، اس پالیسی پر آج تک انگریز مطعون اور بدنام ہیں۔

پھر غدر کے بعد جب کمپنی کی حکومت ختم ہوئی، اور ملکہ وکٹوریہ نے قیصر ہند کا تاج سر پر رکھا تو صاف اور واضح الفاظ میں یہ اصول طے کر دیا کہ ہر والی ریاست جو لاولد ہو، جسے چاہے اپنا متبنیٰ کر سکتا ہے، حکومت اسے جائز جانشین تسلیم کرے گی۔

دوسرا اعلان ملکہ وکٹوریہ نے یہ کیا کہ آیندہ سے کسی ریاست کا نہ الحاق کیا جائے گا، نہ ضبطی عمل میں آئے گی، غداری، بد انتظامی، یا کسی اور جائز وجہ سے والی ریاست کو اختیارات سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ حدود ریاست میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ریاست قائم رہے گی۔

لیکن آزاد ہندوستان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی کو اپنایا، اور ایک نہیں ساری ریاستوں کے ادغام یا الحاق کا فیصلہ کر لیا، حالانکہ آزادی کے چند روز بعد تک ببانگ دہل یہ اعلان کرتی رہی تھی کہ دفاع، امور خارجہ، اور مواصلات کے سوا ریاستوں سے ہم کچھ نہیں لینا چاہتے۔ ان کے اندرونی معاملات میں قطعاً دخل نہیں دیں گے، وہ چاہیں تو شاہی نظام بھی قائم رکھیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

لیکن مکمل طور پر اقتدار ہاتھ میں آنے کے بعد سارے وعدے ختم ہو گئے۔ ایک ہاتھ میں شمشیر آبدار دوسرے میں معاہدۂ الحاق لے کر کانگرس ریاست میں گھسی، اور سب سے دستخط لے آئی۔

اس باب میں ایک نہایت دلچسپ بات یہ نظر آئے گی کہ معاہدۂ اتحاد پر مہاراجہ سے دستخط کرا لینے کے باوجود ان کا پاس خاطر اتنا محفوظ رکھا گیا کہ طے کر دیا گیا اگر ریوا کے نمایندے چاہیں تو یونین سے باہر آ سکتے ہیں، لیکن حیدر آباد کے سلسلہ میں اصول اتنا بے لچک تھا کہ اسے اس طرح کی رعایت دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔

دوسری اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ریوا میں مہاراجہ کے محل کے عین سامنے

مسٹر مین سکرٹری وزارت امور ریاست پر عالم نزع طاری تھا۔ اور بپھرا ہوا مجمع محل کا راستہ روکے کھڑا اور "واپس جاؤ" کے نعرے لگا رہا تھا، تو مہاراجہ نے ذرا مداخلت نہ کی، سردار پٹیل نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ وزارت امور ریاست نے کوئی تعزیری اقدام نہیں کیا۔

لیکن حیدرآباد میں، جب وہاں کے عوام نے، حکومت ہند کے نمایندے کو نہیں، اپنی ریاستی مجلس وزارت کے ارکان کو معاہدے کے لئے دہلی جانے سے روکا تو ایک ہلچل مچ گئی، طوفان آگیا، اور آیندہ کے لئے گفت وشنید کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

تیسری سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو کانگرس حیدرآباد میں، جوناگڑھ میں، ماناودر میں، مانگرول میں، اور دوسری ہندو اکثریت کی ریاستوں میں استصواب پر مصر تھی، اور جس نے نمائشی طور پر استصواب کرایا بھی، وہ بندیل کھنڈ اور ریوا کی خالص ہندو آبادی رکھنے والی ریاست میں استصواب کے نام سے چڑنے لگی، اور کسی قیمت پر راضی نہ ہوئی۔

چوتھی اور آخری دلچسپ بات یہ ہے کہ بندیل کھنڈ کی کانگرس تک نے، وہاں کے کانگرسی اور عوامی لیڈروں تک نے، کانگرس کی اس جبری پالیسی کے خلاف سخت وشدید احتجاجی تجویزیں منظور کیں، لیکن کانگرس کی مرکزی حکومت، جو عوام ہی کے ووٹ سے منتخب ہوئی تھی، اپنے غلط اقدام کو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے کہنے سے بھی واپس لینے پر آمادہ نہ ہوئی۔

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا، کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟

(۱۷)

گوالیار، اندور، اور مالوا کی مسلم ریاستیں

مالوہ کی تاریخ میں مسلمانوں کا حصہ

مالوہ کا سینتالیس ہزار مربع میل علاقہ جو پچیس ریاستوں پر مشتمل تھا مدھیا بھارت یونین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنوب اور جنوب مغرب میں اس کی سرحد صوبہ بمبئی سے، مغرب میں راجستھان سے، شمال اور شمال مشرق میں یو پی سے، مشرق میں بھوپال اور صوبجات متوسط سے ملتی تھی جغرافیائی لحاظ سے اس کا محل وقوع ایسا ہے کہ ہر بادشاہ کی للچائی ہوئی نظر اس پر پڑی، جس شخص نے بھی گنگا کے میدانی علاقہ پر قبضہ کیا وہ مالوہ کا مالک بھی بن گیا۔ مغلوں اور مرہٹوں کے زمانہ میں مالوہ جنوبی ہند کی گزرگاہ بنا رہا۔ مالوہ درحقیقت قدیم موریہ گپتا اور ہرش کی مملکتوں کا مجموعہ ہے۔ شمالی ہند کے بڑے حصہ پر جب راجپوتوں کا قبضہ ہو گیا تو مالوہ بھی ان کے زیر نگیں آ گیا آخر مغلوں نے آکر انھیں اپنا زیر نگیں کر لیا، اور اس کی حیثیت حکومت مغلیہ کے ایک صوبہ کی ہو گئی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مرہٹوں نے شمالی ہند پر تاخت و تاراج شروع کی، اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں مالوہ مہاراجگان گوالیار و اندور یعنی سندھیا اور ہلکر کے خاندانوں میں تقسیم ہو گیا، مہاراجہ گوالیار کو جو شاہی خطاب موروثی پر حاصل تھا وہ یہ تھا:

"لیفٹیننٹ جنرل مختار الملک عظیم الاقتدار، رفیع الشان، والا شکوہ، محتشم دوراں، عمدۃ الامراء مہاراج، گھیراج، عالی جاہ احسان السلطنت سر جارج جیواجی راؤ سندھیا بہادر شری ناتھ منصور زماں، فدوی حضرت ملک معظم رفیع الدرجات"

مالوہ کی مسلم ریاستیں

اس علاقہ میں چار مسلمان ریاستیں تھیں۔
(۱) جاورہ (۲) کوروائی (۳) محمد گڑھ (۴) پٹھاری۔

نواب جاورا عفور خاں کی اولاد میں ہیں، عفور خاں امیر خاں کا بہنوئی تھا، امیر خاں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا سردار تھا جس سے انگریزوں نے صلح کرلی اور وہ ریاست ٹونک کا بانی بن گیا۔
کوروائی ایک افغان سپاہی دلیر خاں کی حوصلہ مندی کا پھل ہے، یہ کوروائی کے ہندو راجہ کی سلک ملازمت میں داخل تھا جس کے انتقال کے بعد اس نے ریاست پر قبضہ کرلیا۔
محمد گڑھ اصل میں کوروائی کا ایک حصہ تھا۔ جسے ۱۷۵۳ء میں والیٔ کوروائی نے وصیت کے ذریعے اپنے چھوٹے بیٹے کو دیدیا تھا۔
پٹھاری کا حکمران دوست محمد خاں کی اولاد میں تھا جس نے ریاست بھوپال قائم کی تھی۔

ریاستہائے مالوہ کو سردار کا حکم

میں نے مالوہ کی ریاستوں کے بارے میں سردار سے مشورہ کیا، سردار نے فرمایا کہ اگر ایک مرتبہ گوالیار اور اندور کو ایک یونین میں شامل کرلیا جائے، پھر ملک میں، دوسری ریاستوں کی یونینیں قائم کرنا بڑا آسان ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا میری ذاتی رائے یہ ہے کہ حیدرآباد اور میسور کے علاوہ دوسری تمام ریاستوں کی گروہ بندی کرکے ان کی یونین بنادی جائے۔

اندور اور گوالیار الگ الگ یونین بنانا چاہتے تھے، میں نے ایک یونین پر انھیں راضی کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا، آخر میں انھیں لے کر سردار کے پاس گیا، بغیر کسی خاص بحث کے انھوں نے سردار کے سامنے سر جھکا دیا اور ایک یونین کا اصول تسلیم کرلیا، بعد کو میں نے مہاراجہ گوالیار کو جواب تک متامل تھے بتادیا، کہ سردار کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ صرف حیدرآباد اور میسور کی انفرادیت قائم رہے گی، باقی سب ریاستیں یا صوبوں میں مدغم ہوں گی یا ایک یونین کے ماتحت آجائیں گی۔

سردار کا حکم نافذ ہو گیا ۲۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو عملی طور پر یونین کے معاہدہ پر مدھیہ بھارت کی تمام ریاستوں نے دستخط کر دیئے، یہ ریاستوں کی ہندوستان میں سب سے بڑی یونین تھی۔[۱]

---

[۱] مالوہ کی مسلم ریاستوں کے ذکر کے سلسلہ میں مینن صاحب نے جاورہ کے بانی غفور خاں کو پنڈاروں کے سرغنہ امیر خاں کا بہنوئی قرار دیا ہے لیکن اس مطلع کا مقطع انھوں نے غائب کر دیا، مینن صاحب کو یہ تو یاد رہا کہ امیر خاں پنڈاروں کا سرغنہ تھا، لیکن یہ تاریخی حقیقت وہ فراموش کر گئے کہ پنڈاروں کے اس سرغنہ کا سردار کون تھا؟ —— کیا وہ مہاراجہ ہلکر نہیں تھے۔
تاریخی واقعات کے بیان میں بھی ذہنی تحفظ سے کام لینا نہ جانے کونسا شیوۂ دیانت ہے۔
مینن صاحب کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ امیر خاں وہ تنہا شخص تھا جس نے انگریزوں سے اس وقت بھی جنگ جاری رکھی جب سیندھیا (گوالیار) اور ہلکر (اندور) انگریزوں کے سامنے وسیع ذرائع و وسائل کے باوجود گھٹنے ٹیک رہے تھے۔ امیر خاں نے جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتے پر ساتھیوں کے منہ موڑنے، اور وقت کی سب سے بڑی طاقت کو ناکوں چنے چبوانے کے بعد۔

---

(۱۸)

مشرقی پنجاب کی سکھ اور مسلم ریاستیں

عہد بابر و شاہجہاں کی ایک یادگار

مشرقی پنجاب کی ریاستوں کی تعداد چھ تھی، جن میں سے چار، یعنی پٹیالہ، نابھہ، جنت، اور فرید کوٹ سکھ تھیں، پٹیالہ، نابھہ اور جنت ریاست ہائے پھلکیاں کے نام سے مشہور تھیں، اس لئے کہ ان والیان ریاست کا جدامجد ایک شخص پھل تھا جو بریام کی اولاد میں تھا، جسے ۱۵۲۶ء میں شہنشاہ بابر نے چودھراہٹ کا منصب جو آجکل ریونیو کلکٹر کے مساوی ہے عطا کیا۔ پھل کو شہنشاہ شاہجہاں نے بھی اپنے فرمان کے ذریعہ اس منصب پر برقرار رکھا، اس کے بڑے بیٹے کی اولاد نابھہ اور جنت پر اور چھوٹے بیٹے کی اولاد پٹیالہ پر حکمران تھی، فرید کوٹ بھی ریاست پھلکیاں کا ایک جزء تھی، یہ چاروں سکھ ریاستیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی باجگذار تھیں، لیکن ۱۸۰۹ء کے معاہدہ امرتسر کے ماتحت یہ انگریزوں کی پناہ میں آگئیں۔

کپور تھلہ کی مسلم اکثریت

باقی رہ گئیں دو ریاستیں، کپور تھلہ اور مالیر کوٹلہ۔ مہاراجہ کپور تھلہ اہلو والیا خاندان سے ہیں، اس خاندان کے بانی راجہ جسا سنگھ تھے، جو نادر شاہ کے ہمعصر تھے۔

مالیر کوٹلہ کے حکمران شیروانی افغان تھے جو اپنا سلسلہ نسب شیخ صدرالدین سے ملاتے ہیں۔

جنھیں لدھیانہ کے قریب اڑسٹھ مواضعات جاگیر کے طور پر ملے تھے، جبکہ ان کی شادی سلطان بہلول لودھی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں مسلم وغیر مسلم تناسب

تقسیم ہند سے پہلے ان چاروں ریاستوں میں مسلم اور غیر مسلم تناسب آبادی یہ تھا۔

- فرید کوٹ میں سکھوں کو اکثریت حاصل تھی۔
- کپور تھلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔
- جنت میں ہندو اکثریت رکھتے تھے۔
- پٹیالہ میں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق سکھوں کی تعداد تقریباً پینتالیس فیصد تھی۔

شیخ عبداللہ اور راجہ فرید کوٹ میں جنگ

اس اثنا میں کہ پنجابی ریاستوں کا مستقبل زیر غور تھا راجہ فرید کوٹ اور انجمن ریاست ہائے ہند میں جھگڑا شروع ہو گیا، اس انجمن کے صدر شیخ عبداللہ تھے، راجہ نے سیاسی قیدیوں کے ساتھ، اور مسلم مہاجرین کے ساتھ ظلم و تشدد کا جو برتاؤ کر رکھا تھا اس نے وزارت امور ریاست کو مداخلت کرنے پر مجبور کر دیا۔

میں نے سردار سے مشورہ کیا اور ان کی اجازت سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس پہنچا، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے رائے دی کہ قبل اس کے کہ ہم راجہ فرید کوٹ کے خلاف کوئی اقدام کریں بہتر ہوگا بعض سربرآوردہ والیان ریاست سے مشورہ کر لیا جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس تجویز کے مطابق مہاراجہ گوالیار، بیکانیر، پٹیالہ اور جام صاحب نوانگر کی ایک کانفرنس دہلی میں طلب کی گئی جس کی صدارت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کی۔

فرید کوٹ پر حکومتِ ہند کا قبضہ

ان والیانِ ریاست نے رائے دی کہ حکومت ہند کو فرید کوٹ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے حالات ایسے تھے کہ راجہ فرید کوٹ کو بھی اس تجویز پر صاد کرنا پڑا۔ دوسرے ہی دن فرید کوٹ پر حکومتِ ہند کا قبضہ ہو گیا۔

مہاراجہ گوالیار پر دہشت کا دورہ

اس سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ لطیفہ قابلِ ذکر ہے۔

ہم نے مہاراجہ گوالیار کو بڑے مختصر نوٹس پر مجوزہ کانفرنس میں شرکت کے لئے دہلی بلایا اور چونکہ فوراً ان کے دہلی پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لہٰذا انھیں لانے کے لئے طیارہ بھیج دیا۔

اس فوری اور پُراسرار طلبی نے مہاراجہ کو حواس باختہ کر دیا، اسی زمانہ میں گاندھی جی قتل ہوئے تھے اور قتل کا الزام بعض والیانِ ریاست پر بھی لگایا جا رہا تھا۔ مہاراجہ اندور پر ایک نوٹس کی تعمیل ہو چکی تھی کہ بلا اجازت دہلی سے باہر نہ جائیں، مہاراجہ نے اپنی طلبی کو اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھا، وہ خود کہتے تھے کہ انھوں نے طیارہ پر چڑھنے سے پیشتر اپنی بیوی اور دوستوں کو بڑے حسرت بھرے لہجہ میں الوداع کہا، ہم سب اس لطیفہ پر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

نواب مالیر کوٹلہ سب سے اچھے تھے

پنجاب کے والیان ریاست کی حالت یہ تھی کہ مہاراجہ جند سیاست سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے، مہاراجہ کپورتھلہ اتنے بوڑھے تھے کہ از کار رفتہ ہو چکے تھے، مہاراجہ نابھ پرانے مصاحب حکومت کرتے تھے، ان کو اگر کسی چیز کا شوق تھا تو شکار کا لیکن نواب مالیر کوٹلہ نہایت صاف دماغ اور شستہ اور شائستہ اطوار کے مالک تھے۔

پیپسو کا قیام

حکومتِ ہند مشرقی پنجاب کی ان ریاستوں کے بارے میں بہت فکر مند تھی اور اسے وہ اپنی مخصوص ذمہ داری سمجھتی تھی کہ یہ منظم اور مستحکم رہیں، کیونکہ یہ پاکستان کی سرحد کے قریب واقع تھیں۔ چنانچہ ۱۵ جولائی ۱۹۴۸ء کو پٹیالہ اینڈ ایسٹ پنجاب اسٹیٹس یونین ——— جس کا مختصر نام پیپسو ہے ——— کا افتتاح ہو گیا، سردار نے رسم افتتاح انجام دی لیکن وزراء کا انتخاب مختلف فیہ مسئلہ بن گیا، لہٰذا سردار یونین کا افتتاح اور راج پرمکھ مہاراجہ پٹیالہ سے حلف وفاداری لے کر چلے آئے۔[1]

---

[1] مینن صاحب نے ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے یہ کہ وہ اکثریت کے حقوق پر اقلیت کی دست درازی پسند نہیں کرتے۔ اڑیسہ کی ریاستوں میں جب نظم و انتظام پر پنجابی مسلمان اور پٹھان چھائے ہوئے نظر آئے

————— تو وہ اپنے سوزِ دروں کے اظہار پر مجبور ہو گئے۔ حیدر آباد کی ریاست اسی لئے ان کی نظر میں کھٹک رہی تھی کہ مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود حکمران بنے ہوئے تھے، دوسری ہندو ریاستوں، یا ہندو اکثریت کی ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو سر بلند اور سرفراز دیکھ کر وہ چیں بہ جبیں ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن انہیں اعتراف ہے کہ کپور تھلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ وہ جانتے ہیں کہ کپور تھلہ کے مسلمان بیک بینی و دو گوش ترکِ وطن پر مجبور کر دیئے گئے۔ باقی بے شمار تعداد میں قتل کر دیئے گئے، لیکن مسلمانوں کی مظلومیت اور مہاراجہ کی سفاکی پر ایک لفظ تک کہنے کی زحمت نہیں گوارا کرتے۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مینن صاحب اس کے معترف ہیں کہ پٹیالہ میں، نابھ میں، جنت میں، فرید کوٹ میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ ان سے زیادہ اس حقیقت کا شناسا کون ہو سکتا ہے کہ جب مشرقی پنجاب کے شہروں اور دیہاتوں میں، مشرقی پنجاب کی سکھ ریاستوں میں، مشرقی پنجاب کی کانگرسی حکومت کی آنکھوں کے سامنے مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جا رہے تھے، ان کا ناموس لوٹا جا رہا تھا، ان کی املاک، جائداد اور مال و منال پر قبضہ کیا جا رہا تھا۔ ان کے لئے خدا کی یہ وسیع سرزمین تنگ ہو گئی تھی تو آگ اور خون کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں عافیت اور امن کا ایک ٹاپو موجود تھا ————— مالیر کوٹلہ۔

مالیر کوٹلہ کے مسلمان تاجدار نے انتقام کے جذبہ سے، جو مسلمانوں کو قابو میں رکھا، اور حدود ریاست میں کسی ہندو یا سکھ کی نکسیر تک نہیں پھوٹنے دی، وہاں آخر وقت تک امن و امان قائم رہا، یہاں تک کہ ریاست کی انفرادیت ختم ہو گئی اور نواب صاحب وظیفہ لے کر گوشہ نشین ہو گئے۔

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

(۱۹)

الور اور بھرت پور

میواتی مسلمانوں کے قتل عام کی گونج

مسلمانوں کے حملے سے پہلے

ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں راجپوتوں نے نہایت شاندار اور یادگار کارنامے انجام دیے، مسلمانوں کے حملہ سے پہلے سارا شمالی اور وسطی ہندوستان مختلف راجپوت قبائل میں بٹا ہوا تھا، مسلمان حملہ آوروں کے خلاف راجپوتوں نے زبردست مورچے قائم کئے، راجپوت کا لفظ سنتے ہی ایک ہندوستانی کے دماغ میں شجاعت اور دلیری کا تصور ابھر آتا ہے،

اکبر کی رواداراﻧﮧ پالیسی

اکبر نے راجپوت راجاؤں کے خلاف مسلسل اور تابڑ توڑ یلغار کی اور بالآخر اس نے اکثر راجپوت ریاستوں کو اپنا تابع اور زیر نگیں کر لیا، تنہا اودے پور (میواڑ) ایک ایسی ریاست تھی جس نے مغلوں کی بالادستی کے خلاف مسلسل مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا؛

بہت جلد اکبر نے محسوس کر لیا کہ ہندوؤں اور خاص طور پر راجپوتوں کا تعاون حاصل کئے بغیر مستحکم بنیادوں پر وہ حکومت نہیں قائم رکھ سکتا، چنانچہ مذہبی رواداری

اس کی پالیسی بن گئی، راجپوتوں کے جذبات اور احساسات کا اس نے احترام شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت اس کے مطیع ہو گئے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اکبر اور بعد میں شاہجہان و جہانگیر کے عہد میں راجپوتوں نے مغلیہ حکومت کے قیام و استحکام میں نہایت نمایاں حصہ لیا، اکبر کی دور اندیشانہ پالیسی پر اورنگ زیب نے عمل نہیں کیا اور سچ پوچھئے تو مغلیہ حکومت کے زوال کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

ریاست بھرت پور

راجگان بھرت پور بھی اپنے آپ کو راجپوت شمار کرتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ وہ سری کرشن کی اولاد میں ہیں۔ بعد میں اس خاندان کے ایک لاولد راجہ بال چندر نے ایک جاٹ عورت سے شادی کر لی، اس سے اولاد تو ہوئی لیکن راجپوتوں نے اسے راجپوت نہ مانا، اس طرح یہ ریاست جاٹ ریاست بن گئی، مہاراجہ سورج مل کے زمانہ میں (از ۱۷۵۵ء تا ۱۷۶۳ء) بھرت پور انتہائے عروج کو پہنچ گیا، سورج مل نے مرنے کے بعد بہت بڑا خزانہ، اعلیٰ درجہ کی فوج اور خوشحال ریاست چھوڑی، بھرت پور کا قلعہ شہرت دوام حاصل کر چکا ہے، کیونکہ اس نے جنرل لیک Lord Lake کے محاصرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، انگریزوں کی بھرت پور سے پہلی لڑائی ۱۸۰۵ء میں ہوئی، ۱۸۲۶ء میں یہ ریاست پورے طور پر انگریزوں کی ماتحت بن گئی، موجودہ مہاراجہ گیارہ سال کی عمر میں ۱۹۲۹ء میں تخت نشین ہوا، شاہی اختیارات ۱۹۳۹ء میں تفویض کئے گئے،

ریاست الور

الور راؤ پرتاپ سنگھ کی قائم کی ہوئی ریاست ہے جو راجہ اودے کرن کی اولاد میں تھے، چودھویں صدی عیسوی میں جے پور بھی ان کی حکومت میں شامل تھا، الور کا شاہی خاندان کچھواہا خاندان ہے، ۱۸۰۳ء میں مہاراجہ الور نے انگریزوں کی بالادستی قبول کر لی،

۱۹۳۷ء میں اس وقت کے مہاراج سر جے سنگھ جی کو وائسرائے ہند نے ریاست میں داخل ہونے سے منع کر دیا، چند سال بعد پیرس میں انکا انتقال ہو گیا، چونکہ لاولد مرے

تھے لہٰذا ان کے متبنیٰ مہاراج سر تیج سنگھ بہادر فرمانروائے ریاست تسلیم کر لیے گئے جو اب تک مسند حکومت پر قابض ہیں۔

میواتی مسلمانوں پر الور میں ظلم و ستم

تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو کشت وخون شروع ہوا اس کا رد عمل الور اور بھرت پور میں بہت زیادہ نمایاں ہوا، مسلمانوں کا ایک طبقہ جو میو کہلاتا ہے حکومت الور کے لئے تقسیم سے پہلے ہی درد سر بن گیا تھا، تقسیم ہند سے ذرا پیشتر میو آمادۂ عمل ہو گئے، اور انھوں نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں فرقہ وارانہ جنگ شروع ہوئی اور وہ الور کی سرحد سے نکل کر بھرت پور تک پہنچ گئے۔

اس زمانہ میں الور کے وزیر اعظم ڈاکٹر کھارے تھے، جو ایک زمانہ میں سی پی کے کانگرسی وزیر اعلیٰ رہ چکے تھے، اور بعد میں وائسرائے کے ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی بن گئے تھے، آخر میں ہندو مہاسبھا کی صدارت پر فائز ہوئے، کھارے کی امن سوز سرگرمیوں کی اطلاعات ہمیں برابر ملتی رہتی تھیں، ہمیں بتایا گیا کہ ریاست میں میواتیوں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے، مسجدیں منہدم کر دی گئی ہیں، قبرستانوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے، اخبارات نے شاہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبریں چھاپیں، بعض دوسری سرحدی ریاستوں میں بھی فرقہ وارانہ کشت وخون نے ہمارے لیے اضطراب و تشویش کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

ڈاکٹر کھارے کا طرز عمل

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں سردار نے متعلقہ صوبوں اور ریاستوں کی ایک میٹنگ طلب کی، مہاراجہ الور، مہاراجہ بھرت پور اور ڈاکٹر کھارے بھی مدعو کئے گئے، اس جلسہ میں سردار نے بتایا وقت کی سب سے اہم ضرورت فرقہ وارانہ امن وامان کی بحالی ہے۔ جو لوگ آتش افتراق کو ہوا دے رہے ہیں وہ ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ صوبوں اور ریاستوں کے نمائندوں نے سردار کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ جلسہ میں ڈاکٹر کھارے کا طرز عمل حد درجہ تکلیف دہ اور اشتعال انگیز ثابت ہوا، وہ اس بات پر سخت برہم تھے کہ حکومت ہند

الور کے اندرونی معاملات میں کیوں مداخلت کر رہی ہے۔

میں اچانک الور جا پہنچا

الور اور بھرت پور کے خلاف برابر ہمیں اطلاعات ملتی رہیں، اور ان شکایات میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا، میرے بعض انگریز دوستوں نے ان ریاستوں کے دورہ سے واپس آ کر مجھے بتایا کہ الور اور بھرت پور میں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں ہے اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اگر حکومت ہند نے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کے سلسلہ میں کوئی موزوں قدم نہ اٹھایا تو ان ریاستوں میں مسلمانوں کا بنس بھی نہیں رہے گا، میں نے یہ سنتے ہی حکام ریاست کو اطلاع دیے بغیر الور پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ جو اطلاعات مجھے دی گئی تھیں، بلاشبہ ان میں سے بعض بے بنیاد اور مبالغہ آمیز تھیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ الور کی فرقہ وارانہ صورت حال نہایت ہولناک امکانات اپنے اندر پوشیدہ رکھتی تھی، میری ذاتی رائے یہ تھی کہ ڈاکٹر کھارے کو ریاست کی وزارت عظمیٰ سے فوراً الگ کر دیا جائے اور کوئی ایسا شخص وزیر اعظم منتخب کیا جائے جو ہمارا پسندیدہ اور منتخب کردہ ہو، میں نے اپنے یہ تاثرات سردار تک پہنچا دیے،

گاندھی جی کا قتل اور مہاراجگان الور و بھرت پور

اسی زمانہ میں گاندھی جی کا حادثہ قتل پیش آیا، جس نے سارے ملک کو ششدر اور سراسیمہ کر دیا، افواہیں تیزی سے پھیلنے لگیں اور نیک و بد ہر طرح کے لوگ ان کی لپیٹ میں آنے لگے، ایک خبر یہ بھی مشہور ہوئی کہ الور راشٹریا سیوک سنگ کا سب سے بڑا تبلیغی مرکز بن گیا ہے، گاندھی جی کے قتل کی سازش میں جو لوگ شریک تھے، ان میں سے کئی الور میں پناہ گزیں ہیں، ڈاکٹر کھارے علی الاعلان ہندو حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے، ان کے خلاف بھی بہت سی باتیں مشہور ہو گئیں، میں نے اور سردار نے ایک مرتبہ الور کے حالات پر غور کیا، الور کے فرقہ وارانہ کھچاؤ اور حکومت الور کا گاندھی جی کے قتل کی سازش میں حصہ لینے والوں کے ساتھ مربیانہ برتاؤ خاص طور پر زیر بحث آیا، چنانچہ ہم نے طے کیا کہ الور کا نظم و انتظام حکومت ہند اپنے ہاتھ میں لے لے، مہاراجہ

اور ڈاکٹر کھارے کو حکم دیا جائے کہ جب تک ان کے خلاف تحقیقات مکمل نہ ہو جائے دہلی سے باہر قدم نہ رکھیں،

مہاراجہ الور کی نظر بندی

۷۔ فروری ۱۹۴۸ء کو میں نے مہاراجہ سے اس حکم نامہ پر دستخط کرائے، حکمنامہ پڑھ کر وہ تو ہبھونچکا رہ گئے، وہ فوراً تیار ہو گئے کہ ڈاکٹر کھارے کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے الگ کر دیا جائے،

بھرت پور پر حکومت ہند کا قبضہ

بھرت پور میں مسلمانوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں ہو رہی تھیں، ان کا ذکر کیا جا چکا ہے، مزید یہ کہ کچھ ایسی مثالیں بھی ملیں کہ ریاست کے علاقہ میں ٹرینیں روک کر مسلمانوں کو لوٹا اور ستایا گیا، اس اثنا میں کہ ہم سوچ رہے تھے کہ بھرت پور کے سلسلہ میں کیا اقدام کیا جائے، کہ مہاراجہ فرمانروائے گوالیار کے ساتھ جو بچپن سے ان کے بڑے گہرے دوست تھے، ہم سے ملنے تشریف لائے،

مہاراجہ گوالیار نے مجھ سے کہا کہ مہاراجہ بھرت پور سخت پریشان ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ریاست کی ابتر حالت کا تدارک کس طرح کریں، وہ میرے ساتھ اس لئے آئے ہیں کہ آپ انکو مناسب مشورہ دیں، یقین کیجئے آپ کے مشورہ پر وہ دل و جان سے عمل کریں گے، میں نے کہا کہ ریاست کی جو حالت ہو رہی ہے اس کے پیش نظر مہاراجہ اپنے آپ کو دامن کشاں نہیں رکھ سکتے، میری رائے یہ ہے کہ ریاست کا نظم و انتظام گورنمنٹ آف انڈیا کے حوالہ کر دیا جائے، مہاراجہ بھرت پور نے یہ بات مان لی اور حکومت ہند نے ریاست پر قبضہ کر لیا۔

الور اور بھرت پور بے قصور ثابت ہوئے

مہاراجہ الور اور ڈاکٹر کھارے کے خلاف جو تحقیقاتی کمیٹی قائم کی گئی تھی تمام الزامات کا جائزہ لینے کے بعد ان دونوں کو اس نے بے قصور قرار دیا، اسی طرح مہاراجہ بھرت پور کو بھی تحقیقاتی کمیٹی نے بے گناہ قرار دیا، کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے خلاف

حکومت کا اقدام بہت سخت تھا، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ الور اور بھرت پور کا انتظام حکومت ہند نے جیسا اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو فرقہ وارانہ حالات درست ہو گئے،

آخری اعزاز: راج پرمکھ

آئندہ کے انتظام کے لیے یہ طے پایا کہ ایک یونین بنا دی جائے جس کے راج پرمکھ مہاراجہ الور یا بھرت پور ہوں، ۲۸- فروری ۱۹۴۸ء متسیا یونین قائم ہو گئی، شری گیڈگل نے ۱۸- مارچ کو اس کا افتتاح کیا،(۱)

---

(۱) بھرت پور اور الور کے بارے میں مسٹر مین کے تاثرات پڑھنے کے بعد واقعات کی صحیح صورت نظر کے سامنے نہیں آتی، مسٹر مین نے جو کچھ الور اور بھرت پور کے خلاف لکھا ہے، اور ضمناً مسلمانوں کی مظلومیت کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ "لا لحب علی بل لبغض معاویہ" والا معاملہ ہے، انھیں یا سردار کو اگر مسلمانوں سے ہمدردی ہوتی تو وہ دلی کے قتل عام سے اور مشرقی پنجاب کے ذبح عام سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرتے، لیکن وہاں انھوں نے کچھ نہیں کیا، الور اور بھرت پور کے خلاف اقدام کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گاندھی جی کے قتل میں سردار پٹیل کو عام طور پر ملوث سمجھا جا رہا تھا، جے پرکاش نرائن نے دلی کے جلسۂ عام میں گاندھی جی کے قتل کی ذمہ داری سردار کی غفلت پر عائد کی اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے، مین اور منشی دونوں نے دبی زبان سے گاندھی جی اور سردار کے اختلافات کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن تفصیل میں جانے سے عمداً احتراز کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے اختلافات نے اتنی سنگین صورت اختیار کر لی تھی کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد نے اگر گاندھی جی قتل نہ کیے گئے ہوتے تو سردار پٹیل کو وزارت سے مستعفی ہو جانا پڑتا، جب سردار پر ہر طرف سے یورش ہوئی تو انھوں نے دنیا کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے مہاراجگان بھرت پور و الور کو چند دن کے لیے اس الزام میں کہ وہ گاندھی جی کی سازش قتل میں شریک تھے دلی میں نظر بند کر لیا،

اور جب معاملہ دب گیا تو یہ دونوں نہ صرف باعزت طور پر رہا کر دیے گئے بلکہ ان میں سے ایک کو یونین کا راج پرمکھ بنا دیا گیا۔

بھرت پور اور الور میں مسلمان ایک پسماندہ اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے، ان دونوں ریاستوں میں مسلمانوں پر ہمیشہ ظلم کیا گیا، انگریزوں کے زمانہ میں بھی مہاراجہ الور نے مسلمانوں پر صرف مسلمان ہونے کے جرم میں اتنے مظالم توڑے کہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے دہلی آ گئے اور جامع مسجد کے سامنے ڈیرہ ڈال لیا، لارڈ ارون (Lord Irwin) وائسرائے تھے، وہ خونماں خانہ بدوشوں کو ایک مرتبہ دیکھنے تشریف لائے، ان کی بپتا سنی اور اتنے متاثر ہوئے کہ بالآخر مہاراجہ کو تخت حکومت سے دستبردار ہو کر خود جلاوطن ہونا پڑا، ان کی بقیہ زندگی لندن اور پیرس میں بسر ہوئی، وہیں ایک مرتبہ رقص کرتے کرتے گرے اور ایسی چوٹ کھائی کہ پھر جانبر نہ ہو سکے، ان کی جلاوطنی کے بعد موجودہ مہاراجہ جو ان کے متبنیٰ تھے تخت حکومت پر بیٹھے، انھیں وراثت میں مسلمانوں سے دشمنی ملی تھی، اپنے پیشرو کی طرح یہ بھی مسلمانوں کو ستاتے اور پریشان کرتے رہے، پھر جب ہندوستان آزاد ہوا، انگریزوں کی بالادستی ختم ہوئی تو مہاراجہ بھرت پور سے ساز باز کر کے انھوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کا وجود حرف غلط کی طرح ان دونوں ریاستوں سے مٹا دیا جائے، اور اپنی اس اسکیم میں بڑی حد تک یہ کامیاب بھی ہوئے، مسلمان قتل کیے گئے، ان کے بچے ذبح کیے گئے، ان کی عورتیں اغوا کی گئیں، ان کی مسجدیں مندر بنا دی گئیں، ان کی خانقاہیں مسمار کر دی گئیں، ان کے قبرستانوں پر قبضہ کر لیا گیا، ان کے کھیت چھین لیے گئے، ان کے مکانات یا جلا دیے گئے یا جبراً انھیں اپنی تحویل میں لے لیا گیا، سردار اور مینن صاحب یہ تماشہ ۱۵- اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۰- جنوری ۱۹۴۸ء تک یعنی تقریباً چھ مہینے تک نہایت اطمینان اور دلچسپی کے ساتھ دیکھتے رہے، حرکت میں اس وقت آئے جب گاندھی جی قتل ہو گئے اور خود ان کی جان کے لالے پڑ گئے، حالانکہ اس چھ مہینے کی مدت میں مسلمانوں کا اچھی طرح صفایا ہو چکا تھا۔

الور میں زیادہ اور بھرت پور میں کم میواتی مسلمان بڑی تعداد میں آباد تھے، یہ نومسلم تھے، لیکن ان کا جذبہ اسلامی خاندانی مسلمانوں سے بھی بڑھ ہوا تھا، جب کبھی اکثریت کے بل

پر ہندوؤں نے انھیں کچلنے کی کوشش کی تو انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن آزادی کے بعد جب ان کے ہتھیار چھین لئے گئے، اور ان پر مشین گنوں سے حملہ شروع ہوا تو یہ مقابلہ نہ کر سکے، بہادری کے ساتھ لڑے اور بہادری کے ساتھ پسپا ہوئے،

گاندھی جی اس بات کے مخالف تھے کہ مسلمانوں کو دارالسلطنت دہلی اور آس پاس کے علاقوں میں اس طرح ختم کیا جائے کہ ہندو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، ممالک غیر کے نمائندگان اخبارات دہلی میں موجود تھے، وہ اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ رہے اور اپنے ملکوں میں اپنے مشاہدات کی تفصیل بھیج رہے تھے، گاندھی جی کے قتل کا سبب یہی تھا کہ وہ ہندوؤں کی خیر خواہی میں مسلمانوں کو بچانا چاہتے تھے۔

آج بھی جبکہ ہندوستان کو آزاد ہوئے تیرہ سال کی مدت گزر چکی ہے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیت علماء ہند جیسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے بار بار مطالبہ ہو رہا ہے کہ الور کی اور بھرت پور کی مسجدیں واگزار کی جائیں، لیکن ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

کتنی عجیب بات ہے کہ الور اور بھرت پور کے مہاراجگان نے مسلمانوں کے ساتھ سفاکی اور درندگی کا یہ مظاہرہ کیا، حالانکہ ان کی مسلمان رعایا نے ہمیشہ ان کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ کیا، اور ہر آڑے وقت میں دل و جان سے ان کی مدد کی، جس کا اعتراف متعدد مواقع پر انھوں نے خود بھی کیا، اور بھرت پور کی ریاست تو ایک معنیٰ میں مسلمانوں ہی کی بخشی ہوئی ہے، احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں جب مرہٹوں کو شکست دی اور مرہٹہ ایمپائر کا خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواب پریشان بن گیا تو بھرت پور کے راجہ سورج مل جاٹ پر رحم کھا کر نہ صرف اس کی جان بخشی کی، بلکہ ریاست میں بھی ہاتھ نہیں لگایا، ورنہ اگر صفایا کر دیا ہوتا تو مسلمان یوں تباہ و برباد نہ ہوتے،!

(۲۰)

ٹونک

راجپوتانہ کی واحد مسلم ریاست

سارے راجستان میں ٹونک ہی ایک مسلمان ریاست تھی اسے انیسویں صدی کے آغاز میں مشہور پٹھان امیر خان نے جو لٹیروں کا سرغنہ اور جسونت راؤ ہلکر کا دست و بازو تھا قائم کیا، اس شخص نے مالوہ میں انگریزوں کے راستہ میں ناقابل عبور مشکلات پیدا کر رکھی تھیں، آخر ۱۸۱۷ء میں انگریزوں نے اس سے صلح کر لی اور جو علاقے اس کے قبضہ میں تھے اسے ان کا فرماں روا تسلیم کر لیا،

یہ ریاست راجستان یونین میں شریک کر لی گئی اور اس کا کچھ حصہ مدھیا بھارت میں شامل کر لیا گیا، ۱۱- اپریل ۱۹۴۸ء کو راجستان یونین کے عہد نامہ پر والیان ریاست نے دستخط کئے، یہ یونین چونکہ غیر معمولی سیاسی اہمیت کی حامل تھی، لہٰذا اس کا افتتاح ۱۸- اپریل ۱۹۴۸ء کو نہرو نے کیا، (۱)

---

(۱) ٹونک یقیناً راجستان کی چھوٹی سی ریاست تھی لیکن اس نے سامراجی قوتوں کے خلاف جو کارنامے انجام دیے اور مسلمانوں کے تہذیبی اور ثقافتی سرمایہ میں جو اضافہ کیا وہ تاریخ ہند کا ایک روشن باب ہے جو راجستان میں اس کے ادغام کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا،

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب جہاد کے لیے کوچ کیا تو ٹونک کی ریاست نے انھیں ہر طرح کی اخلاقی امداد دی، اور پھر حضرت کی شہادت کے بعد ان کے خاندان اور سپاہ کے لئے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے دروازے کھول دیئے، ٹونک کا ایک محلہ قافلہ کے نام سے انہی حضرات کی وجہ سے مشہور ہو گیا، نوابان ٹونک اس خاندان کا ہمیشہ انتہائی احترام کرتے رہے۔

علمی اور مذہبی اداروں کی امداد و اعانت میں بھی ٹونک ہمیشہ پیش پیش رہا، اس ریاست کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں کا نظام بالکل شریعت کے مطابق تھا، ٹونک نے بڑے بڑے علماء پیدا کئے، جن پر نہ صرف ٹونک کو بلکہ سارے ہندوستان کو فخر ہے۔ پروفیسر محمد خان شیرانی وہیں کے باشندے تھے، جن کے تحقیقی کارنامے لازوال صورت اختیار کر چکے ہیں، مولانا محمود حسن خاں وہیں کے رہنے والے تھے، جنھوں نے عربی زبان میں معجم المصنفین، لکھ کر، عربی زبان اور دنیائے علم کی اتنی بڑی خدمت انجام دی ہے جو ان کے نام نیک کو ہمیشہ زندہ رکھے گی، یہ کام جسے چند اہل علم ملکر بھی برسہا برس میں انجام دے سکتے تھے، تنہا ایک شخص نے چند سالوں میں انجام دے ڈالا۔ مولانا حیدر حسن خاں بھی یہیں کے باشندے تھے، جو فقہ حنفی کے امام اور فن حدیث کے شیخ وقت تھے، مولانا حکیم برکات احمد نے بھی یہیں کا توطن اختیار کر لیا تھا، جو ایک طرف طبیب حاذق کی حیثیت سے مقبول انام تھے، دوسری طرف منطق اور فلسفہ میں مولانا عبدالحق خیرآبادی کی یادگار، لیکن اب یہ سب باتیں خواب و خیال ہو چکی ہیں، نہ اب ٹونک باقی ہے، نہ اس کی علمی سرپرستیاں، نہ وہاں کے اعاظم رجال —— ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ ؎

(۲۱) ریاست کچھ

سندھی مسلمانوں کے حملے

یکم جون سنہ ۱۹۴۸ء کو ریاست کچھ گورنمنٹ آف انڈیا کے ہاتھ میں آگئی اور اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔ مغربی ہندوستان میں اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ بڑی اہم ریاست تھی، اس ریاست کے فرماں روا کو کاٹھیاواڑ کے تمام والیان ریاست کے مقابلہ میں بلند اور برتر رتبہ حاصل تھا،

یہ ریاست چودھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی، جبکہ ایک راجپوت قبیلہ نے اسے فتح کیا، یہ قبیلہ پناہ گزین کی حیثیت میں یہاں آیا تھا، بعد میں یہاں کا مالک بن گیا، انگریزوں کے قدم انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہاں پہنچے، کیونکہ سندھ کے مسلمان تاجداروں نے تابڑ توڑ حملے کر کے یہاں کا امن وامان درہم برہم کر دیا تھا۔ کچھی لوگ اپنی ذہانت اور تجارتی مہارت کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں سمندر پار ملکوں میں بھی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں،

مہاراؤ کچھ سے میری گفتگو

تقسیم ہند کے فوراً بعد پرجا پریشد نے ذمہ دار حکومت کا مطالبہ اتنے زور شور سے شروع کیا کہ مارچ سنہ ۱۹۴۸ء کے وسط میں مہاراؤ کچھ بمبئی مجھ سے ملنے تشریف لائے، اکہ میں نیچ

ہیں چھوڑ کر پرجا پریشد سے مصالحت کرادوں، میں نے مہاراؤ، ان کے مشیروں اور پرجا پریشد کے لیڈروں سے گفتگو کی، مہاراجہ بڑی خوشی سے ذمہ دار حکومت قائم پر تیار تھے، بلکہ بے قرار تھے، لیکن میں نے یہ بات واضح کر دی کہ ذمہ دار حکومت کچھ جیسی چھوٹی ریاست میں قائم کرنے سے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ میں نے مہاراؤ سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ریاست سوراشٹر یا یونین میں شامل ہو جائیں، یا پھر مرکزی حکومت اسے اپنے قبضہ میں لیکر چیف کمشنر کا صوبہ بنا دے،

پاکستان کی وجہ سے کچھ کی اہمیت

بمبئی سے واپس آنے کے بعد میں نے سردار کو اس گفتگو کی روئداد سنائی جو مہاراؤ کچھ اور ان کے مشیروں سے ہوئی تھی۔ میں نے تجویز پیش کی کہ گو یہ ریاست لسانی اور ثقافتی اعتبار سے کاٹھیاواڑ کا ایک حصہ ہے، لیکن بہت معقول وجوہ کی بنا پر ہمیں چاہیئے کہ اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو کچھ عرصہ کے لیئے اس پر براہ راست اپنا اقتدار قائم رکھیں، خاص طور پر اس وجہ سے کہ تقسیم ہند کے بعد یہ ایک سرحدی ریاست بن گئی ہے اور پاکستان سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں، اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب جوناگڑھ کا مسئلہ ایک ہنگامہ خیز صورت اختیار کر چکا تھا اسی زمانہ میں کچھ سے متصل سندھ کے اضلاع میں پاکستانی افواج کی نقل و حرکت شروع ہو گئی، کچھ کا ایک علاقہ رن جہاں کچھ کی سرحد ختم ہوتی اور سندھ کی سرحد شروع ہوتی ہے، اس علاقہ میں جنگجو اور خانہ بدوش مسلم قبائل آباد ہیں، انڈین یونین سے ان کی وفاداری بہر حال مشتبہ تھی، لہذا ضروری ہوا کہ فوج کے ساتھ ساتھ سنٹرل ریزرو پولیس کے کچھ دستے بھی بھیج دیے جائیں تاکہ وہ اس علاقہ کی حفاظت بخوبی کر سکیں،

کچھ کے لئے تعمیری منصوبے

تقسیم ہند کے نتیجہ میں کراچی کے بہت بڑے بندرگاہ سے ہم محروم ہو چکے تھے اضرورت تھی کہ کچھ کے پس ماندہ بندرگاہ کھنڈالہ کو ترقی دی جائے، یہ ایک بہت بڑی اسکیم تھی، جس کے مصارف کا تخمینہ کروڑ ہا روپے کا تھا، علاوہ ازیں ہمیں کچھ مضافاتی بستیاں

بھی تعمیر کرنا تھیں، تاکہ سندھ سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کو آباد کیا جا سکے، اکثر و بیشتر کچھ میں قحط پڑتا رہتا، اور وہ بھی نہایت ہولناک قسم کا، صرف مرکزی حکومت ہی ان حالات سے عہدہ برآ ہو سکتی تھی۔

ادغام کا معاہدہ میری گفتگو سے سردار متاثر ہوئے، انھوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ حکومت ہند کچھ کا انتظام سنبھال لے اور اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دے، چنانچہ مہاراؤ کچھ دہلی طلب کیے گئے اور ان سے گفت و شنید شروع کر دی گئی، جس کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا، ۴ مئی ۱۹۴۸ء کو کچھ نے معاہدہ ادغام پر دستخط کر دیے، (۱)

---

(۱) پاکستان کی دہشت کچھ اس طرح ہندوستان کے ارباب کار پر مسلط ہو گئی تھی کہ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بس یہی ایک دھڑکا تھا جو انھیں ہر وقت وقف اضطراب رکھتا تھا۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

یوں تو پاکستان کے قیام نے ہندوستان کی سبھی ریاستوں کو آماجگاہ آفات و حوادث بنا دیا، لیکن سب سے زیادہ جن ریاستوں کی شامت آئی وہ پاکستان کی سرحد سے قرب رکھنے والی بدقسمت ریاستیں تھیں،
ہر ریاست خواہ وہ کتنی ہی کٹر ہندو ہو وہاں کے فرماں روا کو اور وہاں کے عوام کو پاکستان سے کتنی کد ہو مگر حکومت ہند کی نظر میں وہ مشتبہ تھی، ناقابل اعتماد تھی۔
ریاست کچھ کے مہاراؤ کو پاکستان سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، وہاں کے باشندے پاکستان کے بارے میں اگر کوئی جذبہ رکھتے تھے تو مخالفانہ، لیکن یہ ریاست ساحل پر واقع تھی، اور یہ ساحل پاکستان سے قریب تھا، لہٰذا اسے اس طرح جکڑ دیا گیا جیسے مکڑی مکھی کو اپنے جالے میں جکڑ دیتی ہے، نہ عوام کی خواہش کے مطابق یہاں ذمہ دار حکومت

قائم کرنے کی اجازت دی گئی، نہ اس ریاست کو کسی یونین سے مدغم کیا گیا، حکومت ہند نے براہ راست اپنی تحویل میں لے کر اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا، تاکہ رتی رتی کی خبر اسے پہنچتی رہے اور جب ضرورت محسوس ہو پورے جاہ و جلال کے ساتھ اپنا خدم وحشم لے کر وہاں پہنچ جائے، ہندوستان کو ریاستوں کے الحاق کی صورت میں لاکھوں مربع میل کا جو علاقہ ملا، کروڑوں کی جو آبادی ہاتھ آئی، اور جو بے اندازہ دولت ملی وہ صرف پاکستان کے طفیل! ——— پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں۔

---

(۲۲)

ریاست تری پورہ

مشرقی پاکستان کی ہمسایہ ریاست

ریاست تری پورہ آسام اور مشرقی پاکستان کی سرحد پر واقع ہے، اس ریاست نے بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیے، یہ قدیم ریاست ہے، اس کے روایات اور خاندانی کی تاریخ کا بیان راج مالا میں بڑے زور شور سے ملتا ہے، راج مالا بنگالی زبان کی ایک رزمیہ نظم ہے، کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ قدیم کوئی تحریر بنگالی زبان کی موجود نہیں ہے،

تری پورہ کوہستانی اور میدانی علاقوں پر مشتمل ہے، سولھویں صدی عیسوی میں اس ریاست کا فوجی وقار عروج پر پہنچا ہوا تھا، اٹھارھویں صدی میں نواب مرشد آباد نے اسے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، اس کے بعد سے یہ مسلمانوں کی ماتحتی میں آ گئی، مسلمانوں نے اگرچہ پوری ریاست پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا لیکن عملاً وہ صرف میدانی علاقہ پر قابض تھے، جو مسلمان امراء اور جاگیرداروں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

تری پورہ کی اہمیت سیاسی

۱۷۶۵ء میں انگریزوں نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ عجب طرح سے، کوہستانی علاقے پر راجہ کی حکومت تسلیم کی اور میدانی علاقہ میں اسے زمیندار تسلیم کیا، اس طرح مہاراجہ تری پورہ بیک وقت

اپنی ریاست کے حکمران اور برطانوی ہند کے زمیندار بن گئے، مہاراجہ کی زمینداری کا بڑا حصہ مشرقی پاکستان میں رہ گیا جو تقریباً چھ سو مربع میل پر مشتمل تھا، ریاست کا مجموعی رقبہ چار ہزار ایک سو سولہ مربع میل پر مشتمل تھا، آبادی پانچ لاکھ سے زائد، ریاست کا سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب علاقہ شمالی، مغربی اور جنوبی حصوں میں واقع تھا، اور یہ سب پاکستانی سرحد سے ملا ہوا تھا،

ہندوستان سے سلسلہ منقطع ہوگیا تقسیم ہند کے بعد تریپورہ کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ باقی ہندوستان سے کٹ گیا، اس کا دارالحکومت اگرتلا، نیز ریاست کے دوسرے اہم علاقے اس تنگنائے میں واقع تھے جو بالکل پاکستان سے متصل ہیں، سڑک اور ریل کا راستہ ان علاقوں تک پاکستان سے ہوکر گزرتا تھا، عملی طور پر مواصلات کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا تھا، ریاست کا وہ علاقہ جو پاکستان کی سرحد سے متصل تھا، سات سو میل میں پھیلا ہوا تھا، اگرچہ تری پورہ کی سرحد آسام سے بھی ملتی تھی، لیکن تری پورہ اور آسام کے مابین آمد و رفت کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

سب سے پہلا کام جو ہم کو کرنا تھا وہ تریپورہ سے آسام تک ایک سڑک کی تعمیر تھی، اور پھر ایک ایسی سڑک کی تعمیر جو آسام اور ہندوستان میں آمد و رفت آسان بنادے، تریپورہ کے لیے سڑک بنانے کا تخمینہ ایک کروڑ روپیہ تھا، سڑک کی جب تک تکمیل نہیں ہوگئی، ضروریات زندگی کی چیزیں کلکتہ سے ہوائی جہاز کے ذریعہ تریپورہ پہنچائی جاتی تھیں،

چیف کمشنر کا صوبہ مشرقی پاکستان سے جب ہندو پناہ گزینوں کا ریلا آیا تو تریپورہ کی ذمہ داریوں میں ایک مزید اضافہ یہ ہوا کہ ان خانماں بربادوں کی دیکھ بھال کرے، ان حالات میں ضروری ہوگیا کہ حکومت ہند تریپورہ کا انتظام خود سنبھالے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنادیا گیا، مہاراجہ نابالغ تھے ان کی والدہ جو مہاراجہ پنا کی صاحبزادی تھیں ایجنٹ کے فرائض انجام دے رہی تھیں، وہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آئیں اور میں نے ان سے تمام معاملات پر گفتگو کی، ۹-ستمبر

کو مہارانی نے اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے معاہدہ ادغام پر دستخط کر دیئے، ۱۵-اکتوبر ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند نے تریپورہ اپنی تحویل میں لے لیا، (۱)

---

(۱) ریاستوں کے بارے میں حکومت ہند کی پالیسی ہمیشہ مخصوص مفاد کی تابع رہی ہے اصول پر مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی گئی،

ریاست تریپورہ بالکل مشرقی پاکستان سے ملی ہوئی تھی، پھر بھی پاکستان نے نہ اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، نہ اس پر کسی طرح کا دباؤ ڈالا، حکومت ہند نے احتیاطی اقدام کے طور پر اس پر قبضہ کر لیا، اور کچھ مدت کے لئے اسے بھی چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا۔

خیر! یہ حکومت ہند اور تریپورہ کا معاملہ تھا، ان دونوں کے مابین جو معاملات بھی ہوں ان میں ہمیں دخل دینے کی ضرورت نہیں لیکن اس سلسلہ میں مینن صاحب نے ایک بات اس طرح نظر انداز کر دی ہے، جیسے اسے کوئی اہمیت ہی نہیں حاصل تھی، حالانکہ وہ ایسی بات تھی جسے وہ چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، لہذا تقاضائے دانش یہ تھا کہ اسے بیان کر دیتے اور پھر کوئی الٹی سیدھی توجیہ کر کے حسب عادت لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے،

وہ بات یہ ہے کہ تریپورہ پر حکومت ہند نے جب قبضہ کیا تو وہاں کے مسلمان جو تعداد میں بہت کم تھے، اور جنھیں سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا بری طرح ہدف ستم بنائے گئے، ان کا مسلمان ہونا ان کا سب سے بڑا جرم تھا، اور یہ ناقابل معافی جرم تھا، ہر اصول کو بلکہ انسانیت کے ابتدائی اصول تک کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کو وہاں سے اکھاڑا گیا، چلئے اس کی بھی توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ ایک سرحدی ریاست میں سرحد کے قریب مسلمانوں کو آباد رکھنا خطرہ کا سبب بن سکتا تھا، لیکن انھیں مار مار کر اور لوٹ لوٹ کر پاکستان میں دھکیلنے کے بجائے کم از کم یہ تو کیا جا سکتا تھا کہ اندرون ریاست میں، یا مغربی بنگال میں، یا وسط ہند میں کہیں آباد کر دیا جاتا، لیکن

مینن صاحب کے ممدوحوں کے سکولرازم نے یہ بھی گوارا نہ کیا، مسلمان لٹتے رہے، پٹتے رہے، بھاگتے رہے، اور کارفرمایانِ وقت یہ دلچسپ تماشہ جس کے وہ خود ہی ڈائرکٹر تھے دیکھتے رہے،

ہندوستان نے ایک عرصۂ دراز تک برطانوی راج سے ٹکر لی، لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ جن باتوں کے لئے انگریزوں سے ہندوستان نے جنگ جاری رکھی، حکومت کا اقتدار و اختیار ہاتھ میں لینے کے بعد وہی باتیں خود شروع کر دیں، گویا انگریزوں کے لئے جو بات بری تھی، حکومت ہند کے لئے وہی بات جائز بن گئی،

(۲۳)

ریاست منی پور

سرحدی ریاست

ریاست منی پور کا رقبہ آٹھ ہزار چھ سو اٹھائیس مربع میل تھا، اس میں سے سات سو مربع میل کا علاقہ وادی میں واقع تھا اور باقی کوہستان میں، آبادی پانچ لاکھ سے کچھ زائد۔

ریاست کی ابتدائی تاریخ نامعلوم ہے، اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں یہ ریاست برمیوں کی تاخت وتاراج کا ہدف بنی رہی، یہ لوگ بہت سے آدمیوں کو پکڑ کر لے جاتے، اور باقی آبادی کو منی پور کی وادی سے ملحقہ پہاڑیوں میں اور کچھار میں دھکیل دیتے۔

۱۸۲۳ء میں جب پہلی جنگ برما برپا ہوئی اور برمیوں نے کچھار کا علاقہ گھیر لیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے مہاراجہ کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا، اور منی پور کی فوج انگریزوں کے تابع ہوگئی، ایک انگریز افسر کی کمان میں آنے کے بعد اس فوج نے نہ صرف برمیوں کو منی پور سے نکال بھگایا بلکہ وادیٔ کابا اور وادیٔ کالے سے بھی نکال باہر کیا،

بعد میں شاہ برما سے گفت وشنید مصالحت شروع ہوئی اور طے یہ پایا کہ وادی کابا برما کو واپس کر دی جائے اور ہرجانے کے طور پر پانچ ہزار سات سو بیس روپے

ہر سال مہاراجہ منی پور کو برباد کیا کرے،

۱۸۹۱ء میں ریاست کے اندر ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض انگریز افسر قتل کردیے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے ریاست ضبط کرلی، بعد میں ازراہ ترحم موجودہ مہاراجہ کے والد کو دوبارہ عطا کردی گئی۔

ناگا قبائل کی ہمسائیگی

منی پور شمال کی طرف آسام کے ضلع ناگا سے گھری ہوئی تھی، مشرق میں برما سے ملی ہوئی ہے، جنوب میں برما اور لوشیا ہل سے متصل ہے، مغرب میں ضلع کچھار سے،

معاہدۂ ادغام پر دستخط

ریاست کے سرحدی محل وقوع کے پیش نظر اور اس کی پسماندہ حالت کو دیکھتے ہوئے منی پور کے بارے میں بھی ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت ہند اسے اپنی تحویل میں لے کر چیف کمشنر کا صوبہ بنادے، ۲۱- ستمبر کو مہاراجہ نے معاہدۂ ادغام پر دستخط کردیے، ۱۵- اکتوبر ۱۹۴۹ء کو حکومت نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا، (۱)

---

(۱) ریاست منی پور کو بھی عارضی طور پر چیف کمشنر کا صوبہ بننے کا اعزاز حاصل ہوا، کچھ اس لئے کہ وہ سرحدی ریاست تھی، اور زیادہ تر اس لئے کہ بہادر اور حریت طلب ناگا قبائل قریب ہی رہتے تھے، ؎

سنبھل کے دشت محبت میں پاؤں رکھ مجنوں
اسی نواح میں میر شکستہ پا بھی ہے

ہندوستان نے آزادی حاصل کرلی، اور آزادی حاصل کرتے ہی دوسروں کو غلام بنانے کا حق بھی حاصل کرلیا، ناگا قبائل کے لوگ خود مختار حکومت نہیں چاہتے تھے صرف داخلی آزادی کے متمنی تھے جو ان کا جائز حق تھا، زبان تہذیب، تمدن، معاشرت رسم و رواج، روایات، مذہب، ہر اعتبار سے وہ انفرادیت کے حامل تھے اور اپنی اس انفرادیت کو قائم بھی رکھنا چاہتے تھے، لیکن حکومت ہند نے ان کا یہ حق تسلیم

نہ کیا، جب ان کے مطالبہ نے شدت اختیار کی تو حکومت ہند کی فوجیں توپ اور ٹینک لے کر پہنچ گئیں ——— وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانہ توپ سے،

تیرہ سال کی طویل مدت گزر چکی لیکن یہ کشمکش اب تک جاری ہے، ایک طرف چالیس کروڑ کی آبادی رکھنے والی، بے انتہا وسائل و ذرائع کی مالک حکومت، فوج گراں لے کر کھڑی ہوئی ہے، دوسری طرف مٹھی بھر حریت طلب اور آزادی خواہ لوگ ہیں، جن کے پاس نہ وسائل و ذرائع ہیں، نہ دولت، نہ سامان جنگ، نہ امریکہ اور روس کی ٹیکنیکل اور مادی امداد، ان دونوں میں لڑائی ہو رہی ہے، طاقت ور کو یہ زعم ہے کہ وہ ان مٹھی بھر آدمیوں کو مچھر کی طرح مسل دے سکتا ہے، اور ان مٹھی بھر آدمیوں کو یقین ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے، لہٰذا کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی انھیں جادۂ حریت سے منحرف نہیں کر سکتی، ہر ناکامی ان کے سمند شوق پر مہمیز کا کام دیتی ہے اور وہ پہلے جوش تر ہو کر اور عزم و محبت کے ساتھ مرنے اور جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں، ،

---

(۲۴)

بھوپال

عہد بہ عہد کے حالات

وسطی ہندوستان میں بھوپال سب سے بڑی مسلمان ریاست تھی، اس ریاست کا بانی ایک افغان مہم پسند دوست محمد تھا، بہادر شاہ اول کے زمانہ میں یعنی ۱۷۰۷ء میں یہ دہلی آیا۔ ۱۷۰۹ء میں بیرسیا پرگنا جو مالوہ میں واقع تھا اسے ٹھیکہ پر مل گیا، یہاں آنے کے بعد اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھایا جو شہنشاہ دہلی کی وفات کے بعد پیدا ہوگئی تھی، بھوپال پر قبضہ کرکے یہ خود مختار فرماں روا بن گیا۔ آس پاس کے کچھ علاقے بھی اس نے ہتھیالئے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں مالوہ جن تغیر پذیر حالات سے دوچار ہوا بھوپال بھی اس سے غیر متاثر نہ رہا، ۱۸۱۷ء میں پنڈاریوں سے انگریزوں کی جنگ شروع ہوئی، اس موقع پر انگریزوں نے بھوپال کو اپنا اتحادی بنالیا، ۱۸۱۸ء میں باقاعدہ معاہدہ بھی ہوگیا جس کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھوپال کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ۱۸۴۴ء سے ۱۹۲۶ء تک مسلسل بھوپال کی حکمرانی بیگمات کے ہاتھ میں رہی، موجودہ نواب سر حمید اللہ خاں ۱۰ر مئی ۱۹۲۶ء کو تخت نشین ہوئے۔ ان کی والدہ نواب سلطان جہاں بیگم رضاکارانہ طور پر ان کے

حق میں دست بردار ہوگئی تھیں۔

سر حمید اللہ کا امتیاز خاص

سر حمید اللہ خاں ایوان والیان ریاست کے ایک ممتاز اور سربرآوردہ ممبر تھے، ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۲ء تک، پھر ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ ایوان والیانِ ریاست کے چانسلر رہے اس میں کوئی شبہ نہیں، نواب بھوپال کو جو مرتبہ اور وقار حاصل تھا وہ ریاست کے رقبہ اور آمدنی کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔

بھوپال کے ادغام کی تحریک

انڈین یونین سے بھوپال کا الحاق جب عمل میں آگیا تو ہم نے نواب اور ریاست کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، لیکن وہ اپنے آپ کو اس طوفان سے نہ بچا سکے جو ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کی صورت میں جملہ ریاست ہائے ہند کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا، اپریل ۱۹۴۸ء میں نواب نے پرجا منڈل سے سمجھوتہ کرکے ایک وزارت قائم کرلی، جو عوامی لیڈروں پر مشتمل تھی، لیکن اس طرح اصل گتھی نہ سلجھ سکی۔ ایک پرزور تحریک یہ شروع ہوچکی تھی کہ ریاست بھوپال کو مدھیہ بھارت یونین میں مدغم کردیا جائے، ان حالات نے نواب کو سخت مشکلات میں مبتلا کردیا تھا۔ ۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو انھوں نے سردار کے نام ایک خط لکھا اور ان سے مشورہ طلب کیا، کچھ عرصہ تک نواب اور سردار کے مابین خط وکتابت جاری رہی جس کے نتیجہ کے طور پر مجھے بھوپال جانا پڑا ۱۴ جنوری کو میں بھوپال پہنچ گیا اور تین روز تک مسلسل نواب، وزرائے ریاست اور عوامی لیڈروں سے گفت وشنید میں مصروف رہا۔

بھوپال کی انفرادیت قائم نہیں رہ سکتی

نواب صاحب سے گفتگو کرتے وقت غیر مشتبہ الفاظ میں یہ بات میں نے واضح کردی کہ ایک جداگانہ ریاست کی حیثیت سے بھوپال اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا، کیونکہ جغرافی، ثقافتی، تمدنی ہر حیثیت سے یہ ریاست مالوہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ لہٰذا اسے ضرور مدھیہ بھارت میں مدغم ہونا چاہیئے۔ فوری اقدام کے طور پر میں نے تجویز کیا کہ وزارت مستعفی ہوجائے اور جب تک بھوپال کے مستقبل کا باقاعدہ فیصلہ نہ ہوجائے ریاست کے معاملات کی باگ انہی (نواب صاحب) کے ہاتھ میں رہے، نواب صاحب نے کہا کہ وہ ہر امکانی کوشش معاملات کو روبراہ کرنے کے لئے کرچکے

ہیں، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب نہ کوئی مزید ذمہ داری لینے پر تیار نہیں ہیں، اس شورش کی ذمہ داری لینے سے بھی انھوں نے انکار کیا جو ایک غیر ذمہ دار طبقہ کی طرف سے برپا ہو رہی تھی۔ ایک موقعہ پر تو وہ تختِ حکومت سے دست بردار ہونے کا فیصلہ بھی کر بیٹھے تھے، کہ ان کا جانشین ہی ان حالات سے نپٹے، میں نے نواب صاحب کو ترغیب دی کہ یہ خیالات دل سے نکال دیں، مزید گفت وشنید کے بعد ہم دونوں چند خاص نتائج پر پہنچے، میں نے نواب صاحب سے کہا کہ قبل اس کے کہ ہماری گفت وشنید کا سلسلہ آگے چلے اب تک کی گفتگو سردار کے علم میں آجانی چاہیئے۔

بھوپال کے عوامی وزراء ادغام کے مخالف

نواب صاحب سے گفتگو کے بعد وزراء ریاست سے بھی میں نے گفت وشنید کی، ان لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ادغام کا فیصلہ استصواب رائے عامہ سے کیا جائے، میں نے کہا استصواب کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، جب گوالیار اور اندور جیسی بڑی ریاستوں میں ہم نے استصواب نہیں کرایا تو بھوپال میں کیسے کرایا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ نہرو، سردار اور مرکزی کابینہ کی نمایندہ حیثیت کا انکار کر سکتے ہیں جن کی بنائی ہوئی پالیسی کے بارے میں میرا خیال ہے کہ سارا ملک بیک آواز اس کی تائید کرنے پر آمادہ رہتا ہے، بالآخر کافی بحث وتمحیص کے بعد وزراء ریاست نے یہ بات مان لی کہ سردار جو فیصلہ بھی کریں گے وہ ان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

دہلی روانہ ہونے سے پہلے میں اور نواب صاحب اس بات پر متفق ہوگئے کہ اگر سردار اجازت دیں تو ایک پریس کمیونکے شائع کر دیا جائے جس میں اعلان کر دیا جائے کہ بھوپال کے بارے میں ایک قابلِ اطمینان حل دریافت کیا جا چکا ہے۔ لہذا ادغام کی تائید یا مخالفت میں جو ایجی ٹیشن ہو رہا ہے وہ فوراً بند کر دیا جائے۔ اس کمیونکے کی اشاعت کے بعد نواب صاحب ریاست کی عنان انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس وقت تک کام کرتے رہیں جب تک ریاست کے مستقبل کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

نواب صاحب اس بات پر بضد تھے کہ ریاست کے ادغام سے متعلق اس وقت تک کوئی اعلان

نہ کیا جائے جب تک بڑودہ، کولھاپور، ٹراونکور اور کوچین کے مستقبل کا فیصلہ کر کے اس کا اعلان نہ کر دیا جائے۔

سردار کا تمسخر

میرے اور نواب صاحب کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی سردار نے اس سے اتفاق کیا، چنانچہ مجوزہ کمیونکے شائع کر دیا گیا، بھوپال کی وزارت مستعفی ہو گئی۔ نواب صاحب نے عنانِ انتظام اپنے ہاتھ میں لے لی، اس کے بعد ریاست کے مستقبل سے متعلق ہم نے گفت وشنید کا آغاز کیا۔ اس گفتگو نے خاصی طوالت اختیار کر لی، اور مجھے بار بار بھوپال جانا پڑا، سردار کے ہاتھ ایک لطیفہ آ گیا، وہ مجھے اکثر چھیڑا کرتے، "کہئے بھوپال کی زیارت پر آپ کب جائیں گے؟"

نواب صاحب کو زیر بحث مسائل کی ہر تفصیل لکھ لینے اور اس پر دستخط کرا لینے کی عادت تھی۔ ساری گفت وشنید کی روئداد اس جگہ درج کرنا غیر ضروری طوالت کلام کا موجب ہو گا، بہر حال ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ مدھیا بھارت میں بھوپال کے ادغام کا مسئلہ عارضی طور پر ملتوی کر دیا جائے، اور عبوری دور کے لئے اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا جائے۔

چیف کمشنر کا صوبہ کیوں؟

مسلمانوں کی اکثریت بھوپال شہر میں مرتکز تھی انہیں یقین دہانی کی ضرورت تھی۔ خاص طور پر اس وقت تک کے لئے جب تک کہ حالات معمول پر نہ آ جائیں، بھوپال کی فوج میں غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی، اور یہ سب پاکستانی باشندے تھے، ان کی چھانٹی کے لئے بڑی احتیاط اور سلامت روی کی ضرورت تھی۔ بھوپال کے سرکاری ملازمین اور خاص طور پر پولیس کی غالب اکثریت بھی مسلمانوں پر مشتمل تھی، ضرورت تھی کہ ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب پیدا کیا جائے، یہ وجوہ تھے جن کے پیش نظر حکومتِ ہند نے بھوپال کو چیف کمشنر کا صوبہ بنانے کا فیصلہ کیا۔

نواب کی قابلیت و ذہانت

بھوپال کے مستقبل سے متعلق اب جس گفت وشنید کا آغاز ہوا، وہ خالص دوستانہ ماحول میں جاری رہی ایک آدھ موقع پر نواب صاحب نے مسٹر جیکر یا سر جوزف بھور کو مشورہ کے لئے طلب کیا، لیکن گفت وشنید کے اس مرحلہ میں بڑی حد تک خود نواب صاحب نے اپنا کیس انتہائی قابلیت اور

ذہانت کے ساتھ پیش کیا۔

۳۰ر اپریل ۱۹۴۹ء کی تاریخ معاہدہ پر دستخط کے لئے ہم نے مقرر کی میں ٹھیک وقت پر بھوپال پہنچ گیا، لیکن نواب صاحب بخار میں تپ رہے تھے، شدید درد نے انھیں بے چین کر رکھا تھا، بمبئی سے ایک خاص ڈاکٹر علاج کے لئے بلایا گیا تھا، اس سے پہلے جب میں بھوپال آیا تھا تو میں نے نواب صاحب سے کہا تھا کہ اب جب میں آؤں گا تو معاہدہ پر ان کے دستخط لے کر جاؤں گا اور انھوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ابھی بعض معاملات و مسائل بحث طلب اور تصفیہ طلب باقی تھے لیکن اب ان کی شدید علالت کے پیش نظر یہ بات بڑی نامعقول معلوم ہوئی کہ ان سے پھر گفتگو شروع کر دی جائے، لیکن نواب صاحب اپنے فیصلہ میں اٹل تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا امکان غالب یہ ہے کہ مجھے آپریشن کرانا پڑے گا، لیکن پہلے دستخط کر دوں گا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے مجھ سے درخواست کی کہ میں بحث و گفتگو کا سلسلہ شروع کر دوں۔ نواب صاحب کے اس رنگ طبیعت سے میں بہت متاثر ہوا، گفت و شنید کے بعد طے یہ پایا کہ نواب صاحب کو گیارہ لاکھ روپیہ سالانہ پریوی پرس کا دیا جائے گا، جس میں سے ایک لاکھ روپیہ ولی عہد کو ملے گا، جو ان کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ نواب صاحب کی طرف سے دوسرا سوال یہ اٹھایا گیا کہ اگر معاہدۂ کے سلسلہ میں کوئی انقلاب پیدا ہو تو اس کا فیصلہ فیڈرل کورٹ کرے، میں نے اس پر اعتراض کیا کہ کسی معاہدۂ ادغام میں ہم نے اس طرح کی کوئی شرط نہیں رکھی، اور ہم کسی قیمت پر بھی سیاسی معاملات کو جن کا آخری فیصلہ صرف وقت کی حکومت ہی کر سکتی ہے قانون کی عدالت میں لے جانے پر تیار نہیں ہیں۔

کچھ اور سوالات زیر بحث آئے، مثلاً بھوپال اسٹیٹ ریلوے میں نواب صاحب کا حصہ، یا جانشینی کا مسئلہ، لیکن یہ سب باتیں قابل اطمینان طور پر طے پا گئیں۔

جاگیر کی واپسی کا مطالبہ

اس گفتگو کے بعد میں نواب صاحب کے کمرہ سے باہر آیا اور وزارت امور ریاست کے جوائنٹ سکریٹری بچ کو تمام تفصیل بتائی کہ کن معاملات پر ہم نے گفتگو کی اور کن فیصلوں پر ہم پہنچے؟ بچ نے مجھے یاد دلایا کہ معاہدۂ ادغام پر نواب صاحب کے دستخط سے پہلے ایک اور نہایت اہم مسئلہ تصفیہ طلب باقی ہے۔

یہ مسئلہ اس جاگیر کا ہے جو شاہزادگی کے زمانہ میں بیگم بھوپال نے انھیں مرحمت کی تھی۔ واقعی یہ بے انتہا اہم مسئلہ میرے ذہن سے بالکل اتر گیا تھا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ نواب صاحب کو پھر تکلیف دوں، میں پھر نواب صاحب کے بستر علالت پر پہنچا، اور ان سے درخواست کی یہ جاگیر ریاست کے حوالہ کر دیں، نواب صاحب کو یہ بات گراں گزری، انھوں نے فرمایا، اگر یہ آپ کی رائے ہے تو میں مانے لیتا ہوں، اور دستخط کر دوں گا، لیکن میری خواہش ہے کہ مجھے سردار سے اپیل کرنے کا موقع دیا جائے

آخر ہم اس سمجھوتے پر پہنچے کہ وہ خود اپنے ایک فرمان کی رو سے یہ جاگیر ریاست کو حکومت ہند کو بھوپال پر قبضہ دینے سے پہلے واپس کر دیں، لیکن ایسا کرنے سے پہلے، وہ سردار کو اپنی اپیل بھیجدیں اور جو ان کا فیصلہ ہو مان لیں۔

اس گفتگو کے بعد نواب صاحب نے معاہدۂ اوغام پر دستخط کر دیئے یکم جون ۱۹۴۹ء کو بھوپال چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔[۱]

---

[۱] ریاست بھوپال کے بارے میں مسٹر مینن نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یقیناً صحیح ہے لیکن کچھ ایسی صحیح باتیں بھی ہیں جو انھوں نے نہیں فرمائیں۔

حکومتِ ہند کی عام پالیسی یہ تھی کہ اس نے عارضی طور پر صرف ان ریاستوں کو چیف کمشنر کا صوبہ بنایا جو پاکستان کی سرحد پر واقع تھیں تاکہ براہ راست نگرانی کے فرائض انجام دے سکے اور بوقت ضرورت اقدام وعمل کی پالیسی پر فوراً عمل پیرا ہو سکے، لیکن بھوپال وسط ہند میں واقع تھا اس کے جنوب میں اور مشرق میں، شمال میں اور مغرب میں کہیں بھی پاکستان کی سرحد ملنا تو کجا دُور دُور تک نظر نہیں آتی تھی، پھر اسے چیف کمشنر کا صوبہ کیوں بنایا گیا۔

ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کسی بڑی سے بڑی ریاست کے فرمانروا کو بھی یہ موقع نہیں دیا گیا کہ وہ عوامی وزارت برطرف کر کے حکومت کی باگ خود اپنے ہاتھ میں لے سکے، لیکن نواب حمید اللہ خاں کو یہ موقع مرحمت فرمایا گیا، حالانکہ حکومت کی نظر میں نواب صاحب مشتبہ آدمی تھے، وہ ان پر قطعاً اعتماد نہیں کرتی تھی، بلکہ ایوان والیانِ ریاست کی چانسلرشپ کے زمانے میں تیسرا ہندوستان بنانے کی جس جدوجہد کا انھوں نے آغاز کیا تھا۔ اس پر پٹیل، نہرو اور دوسرے اربابِ کانگرس سخت برہم تھے، پھر بھی ان کے ساتھ یہ خصوصیت

کیوں ملحوظ رکھی گئی؟

اصل بات یہ ہے کہ حکومتِ ہند ریاست بھوپال کو مدھیہ بھارت یعنی مالوہ یونین میں مدغم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی، لیکن اس فیصلہ کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود بھوپال کے ہندو ڈال رہے تھے، یہ گستاخی اگر مسلمانان بھوپال سے سرزد ہوئی ہوتی تو پولیس کی لاٹھیاں بھی حرکت میں آجاتیں، فوج کی گولیاں بھی سنسنانے لگتیں اور جیل کے دروازے بھی کھلنے لگتے، لیکن اس گستاخی کا ارتکاب بھوپال کے ہندو کر رہے تھے، ان پر نہ لاٹھیوں کی مشق کی جا سکتی تھی، نہ گولیوں کی۔

اور یہ بھوپال کے ہندو مالوہ یونین میں ہندو ہونے کے باوجود شرکت پر کیوں آمادہ نہیں تھے؟ اس کا سبب یہ تھا کہ گوالیار، اندور، ریوا اور مالوہ کی دوسری ریاستیں اپنی تہذیب و تمدن معاشرت اور اطوار حیات میں انفرادیت کے باوجود متحد تھیں۔ ان کے کلچر، تہذیب معاشرت، اطوار حیات ہر چیز پر ہندوانہ اثرات غالب تھے لیکن بھوپال کا ہندو اس مشترک تہذیب اور ثقافت کا حامل تھا جو کئی سو برس کے میل جول کے بعد عالم وجود میں آئی تھی۔ جس پر ہندوؤں کو بھی اتنا ہی ناز تھا جتنا مسلمانوں کو، مسلمان بے بس تھے، سہمے ہوئے تھے۔ خائف تھے، وہ کچھ نہ کہہ سکے، ہندو ہندو تھا، نہ وہ بے بس تھا، نہ خائف، میدان میں آگیا۔ اس کا مقابلہ کرنا پٹیل کی حکومت کے لئے ناممکن تھا۔

وزراء ریاست نے جن کی غیر معمولی اکثریت ہندو تھی مینن کے سامنے استصواب رائے کی تجویز رکھی۔ وہی مینن صاحب جنھوں نے جونا گڑھ، مانگرول، مانادور، سردار گڑھ اور بابریاواڑ جیسی چھوٹی ریاستوں میں بغیر کسی فرمائش کے استصواب عام کرالیا، بھوپال میں اس نام سے چڑنے لگے، اس لئے کہ وہاں کامیابی یقینی تھی، اور یہاں ناکامی، یہ وزراء نواب صاحب کے نامزد نہ تھے، رائے عامہ کے نمایندے تھے، رائے عامہ نے انھیں منتخب کرکے بھیجا تھا، ان پر دباؤ ڈال کر مینن صاحب دنیا میں حکومتِ ہند کو رسوا کرانے پر تیار نہ تھے، آخر انھوں نے حکمت عملی سے کام لیا، وزارت برطرف کرادی، وزیروں کے استعفے لے لئے، نواب صاحب کو ایک مرتبہ پھر خود مختار فرمانروا بنادیا اور پھر ان کے سامنے معاہدہ ادغام رکھ دیا کہ براہِ

اس پر دستخط کر دیجئے، نواب صاحب نے دستخط کر دیئے، بات ختم ہو گئی، دنیا کو باور کرا دیا گیا کہ بھوپال نے رضا کارانہ طور پر ادغام کا معاہدہ تسلیم کر لیا۔

مینن صاحب نے بھوپال کی فوج کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی غالب اکثریت پاکستانی تھی، بظاہر اس سے متبادر ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے پاکستان سے سپاہیوں کی کھیپ کی کھیپ منگا کر فوج میں بھرتی کر لی تھی، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، یہ وہ پاکستانی سپاہی تھے جو ایک عرصۂ دراز سے بھوپال کو اپنا وطن بنا چکے تھے، انھیں پاکستانی کہہ کر فوج سے نکالنا زیادتی تھی، اگر یہ پاکستانی تھے تو خود نواب صاحب بھی پاکستانی تھے جن کے آباؤ اجداد پاکستان سے ہندوستان گئے تھے۔

مینن صاحب نے سرکاری ملازمتوں اور پولیس میں مسلمانوں کی اکثریت کو متناسب کرنے کا ذکر بھی کیا ہے، اور اس طرح انھوں نے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ سیکولر ہونے کے باوجود کسی مرحلہ پر بھی حکومتِ ہند یہ نہیں گوارا کر سکتی کہ مسلمان کہیں بھی سربلند اور نمایاں نظر آئیں۔ خواہ وہ اڑیسہ کی ہندو ریاست ہو یا بھوپال کی اسلامی ریاست۔

(۲۵)

مدراس کی واحد مسلمان ریاست، بناپالی

بیجاپور کے مسلم عہد حکومت کی یادگار

مدراس کے علاقہ میں بناپالی ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست تھی، اس کا رقبہ دو سو پچھتر مربع میل اور آبادی چالیس ہزار تھی، پہلے یہ ایک جاگیر تھی جو شاہ بیجاپور نے عطا کی تھی، بعد میں اس نے ایک مستقل ریاست کی صورت اختیار کر لی، اس ریاست کے بارے میں بھی حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے صوبہ مدارس میں مدغم کر دیا جائے، نواب فضل علی خاں بہادر نے ۱۸۔ فروری ۱۹۴۸ء کو معاہدہ ادغام پر دستخط کر دئے، ۲۳۔ فروری ۱۹۴۸ء کو حکومت مدراس نے ریاست پر قبضہ کر لیا، (۱)

---

(۱) جنوبی ہند میں ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد تھی، جو ہر اعتبار سے خود کفیل تھی، جسے آزاد رہنے کا حق تھا، اور جو اپنی آزادی کو قائم اور برقرار رکھنے کی استعداد رکھتی تھی، لیکن حکومت ہند نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ آزادی اور خود مختاری کا نام لے سکے جب اس نے اپنے مطالبہ پر اصرار کیا تو اپنے گذشتہ وعدوں، اپنے منظور کئے ہوئے دستور اور بین الاقوامی قوانین کو یکسر نظرانداز کر کے پولیس ایکشن کے ذریعہ اس پر قبضہ کر لیا، اس

دھاندلی پر نہ امریکہ نے صدائے احتجاج بلند کی، نہ برطانیہ نے، نہ اسلامی ممالک نے،
حیدرآباد کا یہ حشر دیکھ کر جنوبی ہند کی سب سے چھوٹی ریاست کے فرماں روا فضل علی خاں بہادر کس برتے پر آزادی کا مطالبہ کرتے؟ انھوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور ادغام کے معاہدہ پر دستخط کر دیے،

بلاشبہ حکومتِ ہند نے ہندوستانی ریاستوں کو ملحق یا مدغم کر کے اپنے حدودِ مملکت میں توسیع کر لی، اور اسے وہ اپنا بہت بڑا کارنامہ بھی سمجھتے ہیں، ادغام اور الحاق کے وقت جو وعدے ریاستوں کے باشندوں سے کئے گئے تھے ان میں سے کوئی وعدہ بھی شرمندۂ ایفا نہ ہوا، نوابوں اور مہاراجوں کے دورِ حکومت میں جو جبری نہیں شخصی تھا انھیں جس طرح کی سہولتیں حاصل تھیں ان سب سے وہ محروم ہو چکے ہیں، آج اگر مجلس اقوامِ متحدہ کی زیرِ نگرانی گزشتہ ریاستوں میں استصوابِ رائے عامہ کرایا جائے تو یقیناً کسی ایک ریاست کا فیصلہ بھی حکومتِ ہند کے حق میں نہ ہو گا ——————
نہ والئی ریاست کا، نہ عوام کا،

گرانی، ضروریاتِ زندگی کی نایابی، بے روزگاری اور کس مپرسی نے انھیں ایک ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے جس کا وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے، ہندوستان سے ملحق یا مدغم ہونے پر وہ اس لیے آمادہ ہو گئے تھے کہ ان کا معیارِ زندگی بلند ہو جائے گا، لیکن اب تو حالت یہ ہے کہ زندگی ہی کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ——————
—————— وہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے،

(۲۶)

ریاست دوجانہ

مشرقی پنجاب کی مسلم ریاست یہ مشرقی پنجاب کی ایک مسلمان ریاست تھی، رقبہ سو مربع میل، آبادی تیس ہزار، یہ ریاست لارڈ لیک Lord Lake نے قائم کی تھی، جب انھوں نے سندھیا اور ہلکر کے خلاف جنگ شروع کی تو بانیٔ ریاست نے انھیں بہت مدد دی تھی، شروع میں اس ریاست کی حیثیت جاگیر کی تھی بعد میں حکومت ہند نے اسے ایک آزاد ریاست تسلیم کر لیا۔

نواب دوجانہ پاکستان چلے گئے تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب میں جب کشت و خون کا آغاز ہوا تو نواب صاحب دوجانہ پاکستان تشریف لے گئے اور جو کچھ ساتھ لے جا سکتے تھے وہ بھی لے گئے۔

حکومت ہند نے اس ریاست کو مشرقی پنجاب سے مدغم کر دیا، بعد میں نواب صاحب نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ ان کی پریوی پرس پاکستان میں انھیں ادا کی جاتی رہے، حکومت ہند نے جواب دیا کسی ایسے شخص کو پریوی پرس اس وقت تک نہیں دی جا سکتی جب تک وہ ہندوستانی رعایا نہ ہو، (۱)

---

(۱) مسٹر مینن نے نواب صاحب دوجانہ پر یہ الزام عائد نہیں کیا ہے کہ وہ ریاست

کا الحاق پاکستان سے کرنا چاہتے تھے، یہ تسلیم کیا ہے کہ مشرقی پنجاب کے ہولناک فسادات کے زمانہ میں وہ جان بچانے کے لیے پاکستان چلے گئے، مشرقی پنجاب کے فسادات ان کے اشارہ پر نہیں ہوئے تھے کہ انھیں قابل تعزیر قرار دیا جاتا، جان بچانے کے لیے کسی امن کی جگہ پہنچ جانا بھی کوئی جرم نہیں ہے، لیکن نواب صاحب دوجانہ کے لئے یہ جرم بن گیا، پاکستان میں ان کی پریوی پرس اس لئے نہیں بھیجی جاسکتی تھی کہ وہ ہندوستان کی رعایا نہ تھے، اور ہندوستان میں اس لئے انھیں آنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تھی کہ وہ پاکستان چلے گئے تھے۔

۱۹۵۵ء میں غلام محمد کی قائم کردہ کانسٹی ٹیوٹنٹ اسمبلی کا جب پہلا اجلاس مری میں منعقد ہوا تو روزنامۂ زمیندار کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے اجلاس کی کارروائی دیکھنے میں بھی گیا تھا، اس زمانہ میں نواب صاحب دوجانہ بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، اور ایک معمولی سے ہوٹل میں رونق افروز تھے، ان کا یہ حال زار دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا، مری سے واپس آکر کئی قسطوں میں اپنے جو تاثرات میں نے لکھے تھے ان میں نواب صاحب دوجانہ کا ذکر بھی تھا، اور آج جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں میری آنکھوں کے سامنے ان کا مظلوم چہرہ گھوم رہا ہے۔ ؁

(۲۷)

ریاست لوہارو

ایک آزاد مسلم ریاست

یہ مسلمان ریاست بھی مشرقی پنجاب میں واقع تھی
رقبہ دو سو ۲۶ مربع میل، آبادی ۲۸ ہزار،

یہ ریاست بھی ان خدمات کا ثمرہ تھی جو بانی ریاست نے ہلکر اور سندھیا کے خلاف لارڈ لیک کا ساتھ دے کر انجام دیے تھے، اس ریاست کا آغاز بھی جاگیر کی حیثیت سے ہوا، بعد میں حکومت ہند نے اسے آزاد ریاست تسلیم کر لیا، تقسیم ہند کے بعد جب فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو نواب صاحب اپنی ریاست میں نہ رہ سکے، میں نے ریاست کے مستقبل کے بارے میں نواب صاحب سے گفتگو کی، وہ مشرقی پنجاب سے ریاست کا ادغام کرنے پر رضامند ہو گئے، ۱۷ فروری ۱۹۴۸ء کو مشرقی پنجاب کی حکومت نے ریاست پر قبضہ کر لیا، (۱)

---

(۱) لوہارو ایک چھوٹی سی ریاست تھی، لیکن مرزا غالب کی وجہ سے اسے غیر معمولی شہرت حاصل ہو گئی تھی، اس خاندان سے ان کے عزیزانہ تعلقات تھے، مرزا داغ بھی اسی خاندان کی یادگار تھے، اسی خاندان میں وہ منچلا شخص بھی پیدا ہوا تھا، جس نے اس زمانہ میں جب انگریز خدائی کر رہے تھے، اور دلی کے مالک بنے ہوئے تھے، جب ان کے نام سے

بہادر شاہ تک کانپتے تھے، ایک انگریز ریزیڈنٹ کو اس کی خودسری اور بیہودگی کے باعث قتل کیا، اسی جرم میں پکڑا گیا، اور نہایت بہادری سے خود ہی پھانسی کے تختے پر چڑھ گیا، نہ اس کے چہرے پر ہراس تھا، نہ پاؤں میں لغزش، اور اس کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں نے جب اسے پھانسی دینے کا فیصلہ کیا، تو پہلے علماء کرام سے اس مضمون کا فتویٰ حاصل کیا کہ "ذمّی" کا قتل شرعاً ناجائز ہے، اور اگر کوئی مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے،

گویا انگریزوں نے باہمہ قوت وطاقت، اور اقتدار واختیار پہلے اپنے آپ کو مسلمانوں کا "ذمی" تسلیم کیا، پھر پھانسی کا پھندا تیار کیا، !

(۲۸)

ریاست پٹودی

لارڈ لیک کی عنایت

یہ مسلمان ریاست بھی مشرقی پنجاب میں واقع تھی، رقبہ ترپن ۵۳ مربع میل، آبادی ۲۰ ہزار،

ریاست پٹودی کے بانی نے بھی لارڈ لیک کی اس معرکہ آرائی میں نمایاں حصّہ لیا تھا جو انھوں نے سندھیا اور ہلکر کے خلاف شروع کی تھی۔ لارڈ لیک نے انعام کے طور پر یہ جاگیر بخش دی، بعد میں حکومت ہند نے اسے آزاد ریاست تسلیم کر لیا۔

مشرقی پنجاب سے الحاق

نواب پٹودی مشہور و معروف کھلاڑی اور کرکٹر تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بالکل نوجوانی کے عالم میں ان کا انتقال ہو گیا، سیاسی معاملات میں ان کے نپے تلے افکار و آرا مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے، رواداری کی تلقین انھوں نے قول سے بھی کی اور عمل سے بھی، جس وقت ہندوستان فرقہ وارانہ جنون کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا وہ ان چند مسلمانوں میں تھے جن کے قدم نہیں لڑکھڑائے، اور طوفان کے ریلے میں بھی وہ اپنی جگہ جمے کھڑے رہے۔

نواب صاحب دہلی آئے اور رضا کارانہ طور پر انھوں نے خود پیش کش کی کہ پٹودی کو مشرقی پنجاب میں مدغم کر دیا جائے، ۱۸۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو معاہدۂ ادغام پر دستخط

ہو گئے فوراً حکومت مشرقی پنجاب نے ریاست پر قبضہ کر لیا،
نواب صاحب پھر دہلی آ گئے اور اپنے انتقال کے وقت تک وہیں مقیم رہے،[1]

---

(۱) شکر ہے ایک مسلمان تو ایسا ملا، جس کی خوبیوں کا اعتراف مسٹر مینن صاحب کو کرنا پڑا۔ نواب صاحب پٹودی واقعی بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، سیاسیات سے انھیں کبھی دلچسپی نہیں رہی، آدمی حقیقت پسند تھے، دوسری ریاستوں کا حشر دیکھنے کے بعد، انھوں نے مناسب یہی سمجھا کہ خود پہل کریں، اور ادغام کی پیش کش کر کے اپنے سر سے بلا ٹالیں، پنڈت جواہر لال نہرو سے ان کے ذاتی تعلقات بھی تھے، اور پنڈت جی بھی ان کا خاص خیال رکھتے تھے، لیکن نواب صاحب کی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا کہ پھر اپنی ریاست میں قدم رکھیں زندگی کے بقیہ دن انھوں نے دہلی میں گزار دیے،

نواب صاحب کے چھوٹے بھائی، میجر ناصر علی خاں پاکستان آ گئے، آج کل ملایا میں وہ پاکستان کے سفیر کبیر ہیں،! ٭

(۲۹)

ریاست کوچ بہار

مشرقی پاکستان سے ملی ہوئی ہندو ریاست

اس ریاست کا رقبہ ایک ہزار تین سو اٹھارہ مربع میل تھا، آبادی ساڑھے چھ لاکھ۔ آج سے تقریباً تین سو برس پہلے یہ ریاست قائم ہوئی، ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس نے معاہدہ کر لیا اور اس کی ماتحتی میں آگئی، موجودہ مہاراج ۱۹۲۲ء میں جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی تخت نشین ہوئے ریاست کوچ بہار کی سرحدیں مغربی بنگال، آسام اور مشرقی پاکستان سے ملتی ہیں۔

غور و فکر کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک سرحد کے حالات اطمینان بخش نہ ہو جائیں اس ریاست کو چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا جائے، ۳۰۔ اگست ۱۹۴۹ء کو مہاراجہ نے معاہدۂ ادغام پر دستخط کر دیے، حکومت ہند نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور ۱۲۔ ستمبر ۱۹۴۹ء کو اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا،

دسمبر ۱۹۴۹ء میں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ سے گفتگو کے بعد سردار نے فیصلہ کیا کہ ریاست کوچ بہار مغربی بنگال میں مدغم کر دی جائے، یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو یہ فیصلہ عمل میں آگیا(۱)

---

(۱) ریاست کوچ بہار کو بھی چیف کمشنر کا صوبہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو براہ راست

حکومت ہند کا اس پر کے تمام معاملات پر اقتدار رہے، دوسرے وہاں کے مسلمانوں کو، آسانی کے ساتھ مشرقی پاکستان جانے پر مجبور کیا جا سکے،

اور کوئی شبہ نہیں کہ آج بہار کو چیف کمشنر کا صوبہ بنانے کے بعد یہ دوگونہ مقاصد جتنی سرعت اور کامیابی سے حاصل کر لئے گئے، کسی اور طرح نہیں حاصل کئے جا سکتے تھے۔

کتنی عجیب بات ہے سیکولرازم کا دعویٰ کرنے کے باوجود ہر اہم موقعہ پر ہندوستان نے مذہبی تعصب اور جانبداری کا ثبوت دیا، اور پاکستان کی "اسلامیت" کو طرح طرح سے متہم کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن آج تک ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں کیا جا سکا کہ اس نے اپنی رعایا کے کسی غیر مسلم طبقہ کو محض اس لیے کہ وہ غیر مسلم ہے، ستایا، اور پریشان کیا ہو، ! ٭

---

(۳۰)

رام پور

روہیلہ عہد حکومت کی یادگار ریاست رام پور غیر معمولی اہمیت اور خصوصیت کی ریاست تھی، کہنا چاہیئے روہیلہ عہد حکومت کی یہی ایک یادگار باقی رہ گئی تھی، اس کا رقبہ نو سو مربع میل تھا، آبادی پانچ لاکھ سے زیادہ، اپنے حسن انتظام کی بنا پر اسے غیر معمولی شہرت حاصل تھی۔ موجودہ فرماں روا ہز سید رضا علی خاں بہادر کے زمانہ میں صنعتی اعتبار سے بھی ریاست نے کافی ترقی کی اور اس کی آمدنی ایک کروڑ دس لاکھ روپے سالانہ تک پہنچ گئی،

نواب کی ہندوستان سے وفاداری تقسیم ہند کے بعد نواب صاحب مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ان پر بے انتہا زور ڈالا گیا کہ انڈین یونین میں ہرگز شرکت نہ کریں، لیکن حکومت ہند سے ان کی وفاداری اس دباؤ کے باعث ذرا بھی متاثر نہ ہوئی، وہ ممتاز مسلمان والیٔ ریاست تھے جس نے علی الاعلان ہندوستان سے الحاق کر لیا، نواب صاحب فرقہ وارانہ تعصب سے بری ہیں۔

مسلمانان ریاست کا اعتماد بحال کرنے کے لیے نواب صاحب نے تجویز پیش کی کہ کچھ عرصہ کے لئے ریاست کو حکومت ہند اپنے قبضہ میں لے کر چیف کمشنر کا صوبہ

بنا دے، ان کی یہ تجویز حکومت ہند نے مان لی، ۱۵ مئی کو معاہدہ پر انھوں نے دستخط کر دیے، یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند نے اسے اپنے قبضہ میں لے کر چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا، پھر پانچ مہینے کے بعد اس ریاست کو یوپی میں مدغم کر دیا۔

رام پور کا قابل فخر مشرقی کتب خانہ

اس موقع پر یہ ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ رام پور میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مشرقی کتب خانہ بھی ہے، جس میں تقریباً بارہ ہزار نادر قلمی مسودات ہیں، عہد مغلیہ کی مصوری اور نقاشی کے بھی نہایت نادر نمونے موجود ہیں، جنھیں دیکھنے کے لئے دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ آتے ہیں۔ یہ لائبریری حکومت ہند نے اپنے قبضہ میں لے لی ہے، اس کی دیکھ بھال ایک ٹرسٹ کے ذمہ ہے، (۱)

---

(۱) مینن صاحب نے ریاست رام پور کی قابل دید چیزوں میں وہاں کے مشرقی کتب خانہ کا ذکر بھی کیا ہے جو ان کی علم دوستی کی دلیل ہے، لیکن حیرت اس پر ہے کہ رام پور کا ذکر کرتے وقت مینن صاحب کو ہندوستان کے وہ کوہ وقار اور کوہ پیکر بھائی —— محمد علی، شوکت علی —— یاد نہیں آئے جن کے خدمات آزادی ہند کے سلسلہ میں کسی طرح گاندھی جی اور جواہر لال سے کم نہ تھے، اور سردار پٹیل کی تو انکے سامنے کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

گاندھی جی نے جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک شروع کی تو ان کے پاس کوئی فنڈ نہیں تھا، وہ کانگرس کے زعیم کبیر تھے، لیکن کانگرس کی مالی حالت اتنی سقیم تھی کہ وہ ان کے دورۂ ہند کے مصارف بھی نہیں برداشت کر سکتی تھی۔ وہ محمد علی شوکت علی تھے جنھوں نے خلافت فنڈ سے کانگرس کی مالی امداد کی، اور گاندھی جی کے دورۂ ہند کے مصارف برداشت کئے۔

وہ محمد علی اور شوکت علی تھے جنھیں تنہا کانگرس کے تمام لیڈروں میں بہ اعزاز اور امتیاز

حاصل ہے کہ انگریزوں کے خلاف بغاوت کے جرم میں ان پر مقدمہ چلایا گیا، اور طویل مدت کے لیے انھیں جیل بھیج دیا گیا۔

محمد علی، شوکت علی وہ پہلے شخص تھے، جنھوں نے علی الاعلان برطانوی فوج کے مسلمان سپاہیوں اور افسروں کو تلقین کی کہ وہ اس حکومت کی ملازمت ترک کردیں، اس سے کوئی تعاون نہ کریں، اس کی کوئی خدمت نہ بجا لائیں، اور یہ اعلائے کلمۃ الحق اس وقت کیا جب برطانیہ کا آفتاب جبروت وجلال نصف النہار پر تھا۔

مسٹر مبین نے تیس سال تک انگریزوں کی اور چند سال تک آزاد ہندوستان کی ملازمت کی، محمد علی، شوکت علی کی ساری سرگرمیاں سرکاری طور پر ان کے علم میں تھیں، پھر بھی رام پور کا ذکر کرتے وقت انھیں صرف وہاں کا مشرقی کتب خانہ یاد آیا، محمد علی، شوکت علی نہ یاد آسکے، علی برادران کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ مسٹر مبین یا اور کوئی بزرگ انھیں یاد رکھے،

طمع فاتحہ از خلق نہ داریم نیاز

عشق من از پس من فاتحہ خانم باقیست

اور پھر ہم مسٹر مبین کا کیا گلہ کریں، ان کے آقایانِ ولی نعمت نہرو، راجندر پرشاد، اور پٹابھی ستیارامیہ نے بھی تو اپنے ان محسنوں کو بھلا دیا،

کشمیر کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے



مس پٹیل - شیخ عبداللہ - بخشی غلام محمد - سردار پٹیل

(۳۱)
کشمیر اور جموں

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا!

کشمیر کی قدامت ریاست جموں اور کشمیر نے ایک مستقل اور جداگانہ وجود کی صورت ۱۸۴۶ء میں حاصل کی، چودھویں صدی عیسوی تک کشمیر پر بدھوں اور ہندوؤں کے مختلف خاندان حکومت کرتے رہے، جن کا ذکر مشہور سنسکرت نظم راج ترنگنی میں موجود ہے۔

کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ بعد ازاں مسلمانوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا اور ۱۵۸۷ء تک وہ حکومت کرتے رہے۔ پھر شاہنشاہ اکبر نے کشمیر پر حملہ کیا اور اسے سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ بنا لیا، دو سو سال تک کشمیر مغلوں کا گرمائی صدر مقام رہا، مغلوں کے آثار و نقوش قلعہ ہری پربت، شالیمار باغ، نشاط باغ، اچابل، اور ویرنگ میں اب تک موجود ہیں، چنار کے بلند و بالا درخت جو ہر جگہ نظر آتے ہیں، انہی کی یادگار ہیں۔

کشمیر سکھوں کے قبضہ میں ۱۷۵۲ء میں کشمیر مغل بادشاہ کے کمزور ہاتھوں سے نکل کر افغانستان کے احمد شاہ ابدالی کے مضبوط ہاتھوں میں آگیا، اس کے

بعد سرسٹھ ۶۷ سال تک مختلف پٹھان گورنر یہاں حکومت کرتے رہے، اگرچہ یہ افغانستان کے ماتحت تھے لیکن عملاً آزاد اور خود مختار تھے۔

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کو فتح کر لیا، سن ۱۸۴۶ء تک یہ سکھوں کے قبضہ میں رہا، اور سکھ گورنر یہاں کا انتظام کرتے رہے۔

گلاب سنگھ جموں کا مالک بن گیا

اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ میں ایک ڈوگرہ خاندان جموں پر حکومت کر رہا تھا، راجہ کا نام رنجیت دیو تھا، سن ۱۷۸۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا اور پھر فوراً ہی جنگ تخت نشینی برپا ہو گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سکھوں نے جموں اور دوسرے ملحقہ علاقوں کو بھی اپنا ماتحت بنا لیا، رنجیت دیو کے خاندان میں گلاب سنگھ، دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلک ملازمت میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں نے اتنے نمایاں اور شاندار خدمات انجام دیئے کہ سن ۱۸۲۰ء میں جموں کا علاقہ گلاب سنگھ کو دے دیا گیا۔ اور راجہ کا موروثی خطاب بھی عطا کر دیا گیا، بھمبر اور چھیبل کا علاقہ مع پونچھ کے دھیان سنگھ کو دیدیا گیا۔ رام نگر سچیت سنگھ کو بخشدیا گیا، بعد میں دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ قتل کر دیئے گئے۔

گلاب سنگھ نے کشمیر خرید لیا

سن ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کا انتقال ہو گیا اور سکھ حکومت جیسا کہ ایک مورخ نے لکھا ہے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی نذر ہو گئی۔ سن ۱۸۴۶ء میں پہلی سکھ جنگ کے اختتام پر گلاب سنگھ لاہور دربار اور انگریزوں کے درمیان صلح کا پیامی بن کر نمودار ہوا۔ اس گفتگوئے مصالحت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تاوان جنگ کے طور پر ایک کروڑ روپیہ سکھ مہاراجہ پر عائد کر دیا۔ علاوہ ازیں پنجاب کا ایک بہت بڑا علاقہ بھی ضبط کر لیا۔ ایک کروڑ کی رقم کا ادا کرنا سکھ مہاراجہ کے بس کی بات نہ تھی، اس نے اپنے تمام کوہستانی مقبوضات دریائے بیاس سے لے کر دریائے انڈس تک بشمول کشمیر اور جموں انگریزوں کے حوالے کر دیئے لیکن لارڈ ہارڈنگ نے جو اس زمانہ میں گورنر جنرل تھے، اس تمام علاقہ پر قبضہ کرنا مناسب نہ سمجھا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح برطانوی سرحد زیادہ لمبی ہو جائے گی اور اس کی حفاظت کے لئے زیادہ فوج رکھنا پڑے گی، علاوہ ازیں موصوف کا یہ خیال بھی تھا کہ اس طرح متصادم مفادات پیدا ہوں گے۔ حالانکہ اضلاع زیر بحث ——— وادئ کشمیر سے قطع نظر کرکے ——— پیداوار کے لحاظ

سے غیر خود مکتفی تھے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر تھی کہ یہ سارا علاقہ گلاب سنگھ کے موروثی مقبوضات سے ملا ہوا تھا، اور گلاب سنگھ کو بڑی آرزو تھی کہ اسے بھی اپنے قبضہ میں لے لے۔ وہ سامنے آیا اور انگریزوں نے سکھ مہاراجہ پر جو تاوان جنگ عائد کیا تھا اسے ادا کرنے کی پیشکش کی بشرطیکہ اسے جموں اور کشمیر کا آزاد فرماں روا تسلیم کر لیا جائے۔

ایک جداگانہ معاہدہ اس سلسلہ میں گلاب سنگھ اور انگریزوں کے مابین ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو بمقام امرت سر طے پا گیا۔ اس معاہدہ کے ماتحت گلاب سنگھ نے برطانوی حکومت کی بالادستی تسلیم کر لی، انگریزوں کی بالادستی تسلیم کر لینے کا ثبوت دینے کے لئے گلاب سنگھ نے وعدہ کیا کہ وہ ہر سال برطانوی حکومت کو ایک گھوڑا، بارہ اعلیٰ نسل کی بکریاں اور تین جوڑے کشمیری دوشالے پیش کرتا رہے گا، بعد میں یہ نذرانہ اور زیادہ مختصر ہو گیا۔ یعنی دو کشمیری دوشالے اور تین رومال۔

صرف ۷۵ لاکھ روپے میں

معاہدہ امرت سر نے ریاست جموں اور کشمیر کو ایک جداگانہ سیاسی حیثیت کا حامل بنا دیا، اس معاہدہ کی رو سے گلاب سنگھ مہاراجہ ہو گیا، انڈس اور راوی کے درمیان جو کوہستانی علاقہ تھا اس کا مالک بن گیا، یہ علاقہ مشتمل ہے: کشمیر، جموں، لداخ اور گلگت پر، لیکن انگریزوں نے لاہول، کلو اور چمبا سمیت کچھ علاقے بعض مصالح کی بنا پر گلاب سنگھ کو نہیں دیئے اپنے قبضہ میں رکھے، اور معاوضہ کے طور پر مطلوبہ ایک کروڑ میں سے پچیس لاکھ سہا کر دیئے، اس طرح گلاب سنگھ پر پچھتر لاکھ روپے کی ادائیگی لازم آئی۔
صوبہ کشمیر پر قبضہ کرتے وقت گلاب سنگھ کو بڑی دشواریاں پیش آئیں، سکھوں کے آخری گورنر نے کچھ عرصہ تک بڑی کامیاب مزاحمت کی آخر انگریزی افواج کی مدد سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔

افسر بکار خاص ریذیڈنٹ بنا دیا گیا

مہاراجہ گلاب سنگھ پر امدادی فوج کا صرفہ انگریزوں نے عائد نہیں کیا، حکومت ہند اور ریاست کشمیر کے مابین سیاسی تعلقات کا باقاعدہ آغاز ۱۸۴۶ء سے ہوا حکومت ہند کی طرف سے پنجاب گورنمنٹ اس کے فرائض انجام دیتی تھی، مہاراجہ کا ایک وکیل لاہور میں رہتا تھا، حکومت ہند کا کوئی نمائندہ کشمیر میں متعین نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن ۱۸۵۲ء میں جا کر حکومت ہند نے کشمیر میں افسر بکار خاص،

(Officer on special duty) مقرر کیا۔

۱۸۵۷ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بیٹے رنبیر سنگھ گدی نشین ہوئے۔ حکومتِ ہند اور ریاست کشمیر کے مابین جو سیاسی تعلقات تھے بغیر کسی تبدیلی کے ۱۸۷۷ء تک قائم رہے۔ اسی سال افسر بکارِ خاص کو ہدایت کی گئی کہ کشمیر سے متعلق تمام سیاسی معاملات میں پنجاب گورنمنٹ کو واسطہ بنانے کی بجائے براہِ راست حکومت سے خط و کتابت کیا کرے۔

۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر کا انتقال ہو گیا اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ ریاست کی گدی پر بیٹھا، اب ایک نئی تبدیلی یہ ہوئی کہ افسر بکارِ خاص کے منصب کا نام بدل دیا گیا اور اسے ریذیڈنٹ بنا دیا گیا۔ ریذیڈنٹ کا مستقل آفس سری نگر میں قائم کر دیا گیا۔

کشمیر کی بین الاقوامی سرحدیں

لیفٹیننٹ جنرل مہاراجہ سر ہری سنگھ تقسیم ہند کے وقت ریاست کے فرماں روا تھے، ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء کو یہ گدی نشین ہوئے تھے۔

تقسیم ہند کے وقت صورتِ حالات یہی تھی کہ کشمیر کی سرحدیں بین الاقوامی طور پر پھیلی ہوئی تھیں، مشرق میں تبت واقع تھا، شمال مشرق میں چین کا ایک صوبہ سنکیانگ، شمال مشرق ہی کی طرف افغانستان بھی، افغانستان کا کچھ علاقہ گلگت کے شمال میں بھی واقع تھا، جو اس مرکزی راستہ پر واقع ہے جو گلگت سے کاشغر تک درۂ منٹاکا سے ہوتا ہوا جاتا ہے۔ چند میل کے راستہ پر روسی ترکستان واقع ہے۔

کشمیر کے چار قدرتی حصے

جغرافی اعتبار سے ریاست چار قدرتی حصوں میں منقسم ہے۔ جنوب میں جموں کا علاقہ ہے، وسطی علاقہ وادئ کشمیر پر مشتمل ہے، جس میں گرمائی صدر مقام سری نگر بھی شامل ہے۔ شمال میں گلگت ہے، وادئ کشمیر اور تبت کے درمیان لداخ کا صوبہ ہے۔

تقسیم کے بعد فرقہ وارانہ تناسب میں فرق آگیا

جموں اور کشمیر میں ہمیشہ مسلمانوں کی غالب اکثریت رہی ہے لیکن تقسیم ہند کے بعد فرقہ وارانہ تناسب میں کچھ فرق آگیا۔ خاص طور پر جموں میں، کیونکہ یہاں کے کافی

لوگ پاکستان چلے گئے اور پاکستان کے کافی لوگ یہاں آ گئے۔ لداخ میں بدھ مت کے پیرو اکثریت رکھتے ہیں۔

مسلم کانفرنس، پھر نیشنل کانفرنس اگرچہ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن مسلمانوں کو شکایت تھی کہ سرکاری ملازمتوں میں اور فوج میں ہندوؤں کا غلبہ ہے، اور مسلمانوں کی پرسش نہیں ہوتی ۱۹۳۲ء میں شیخ عبداللہ کی زیر قیادت آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے جد وجہد اور حکومت سے جنگ کی جائے۔

۱۹۳۹ء میں اس کانفرنس نے اپنا چولا بدلا اور فرقہ داریت کا جامہ اتار پھینکا مسلم کانفرنس کے بجائے اس نے اپنا نام نیشنل کانفرنس رکھ لیا، فوراً ہی بعد اس کا الحاق کل ہند انجمن رعایائے ریاستہائے ہند سے ہوگیا۔ نیشنل کانفرنس نے مہاراجہ کے خلاف متعدد تحریکیں شروع کیں، اس سلسلہ میں کئی بار شیخ عبداللہ کو جیل بھی جانا پڑا۔

۱۹۴۶ء میں شیخ عبداللہ نے مہاراجہ کے خلاف ایک اور تحریک شروع کی جو "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے نام سے مشہور ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لمبی مدت کے لئے شیخ صاحب جیل بھیجد یئے گئے، لیکن اب ان کا اثر ورسوخ ریاست کے باشندوں پر بہت زیادہ گہرا ہوگیا تھا۔

گلگت ایجنسی قبل اس کے کہ ۱۹۴۷ء کے حوادث پر گفتگو کریں کچھ گلگت ایجنسی کے بارے میں بھی ہمیں کہنا چاہیئے، گلگت جموں اور کشمیر کا علاقہ ہے، ۱۸۷۷ء میں پہلے پہل پولٹیکل ایجنٹ کا یہاں تقرر ہوا لیکن ۱۸۸۱ء میں اسے واپس بلالیا گیا۔

۱۸۸۹ء میں برطانوی ریذیڈنٹ متعینہ کشمیر کی زیر نگرانی گلگت ایجنسی پھر قائم کر دی گئی۔ یہ ایجنسی حسب ذیل علاقوں پر مشتمل ہے۔

(۱) گلگت۔

(۲) ریاست ہائے ہنزہ

(۳) کونیال جاگیر

(۴) یاسین، کوہ خضر اور اشکومن کی بالا دستی۔

(۵) چیلاس۔

۱۹۳۵ء میں سوویٹ روس نے چینی ترکستان کے شہر سنکیانگ پر قبضہ کر لیا۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر حکومتِ ہند نے گلگت سب ڈویژن کا علاقہ ریاست جموں و کشمیر سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لیا، یہ قبضہ ایک معاہدہ کے مطابق ساٹھ سال کے ٹھیکے پر کیا گیا، حکومتِ ہند نے اس علاقہ کے دفاع اور انتظام کی ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

۱۹۳۵ء کے بعد بارہ سال تک گلگت سب ڈویژن کا انتظام اس ٹھیکہ کے ماتحت ایک انگریز اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کرتا رہا، دفاعی اغراض کے ماتحت گلگت اسکاؤٹس کا قیام عمل میں آیا جس کی کمان انگریز افسروں کے ہاتھ میں تھی، اور کوئی شبہ نہیں یہ کام نہایت نازک اور پیچیدہ تھا، جب ۳ رجون ۱۹۴۷ء کے کابینہ پلان کا اعلان ہوا تو حکومتِ ہند کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ نے یہ علاقہ مہاراجہ کو واپس کر دیا، اور گلگت اسکاؤٹس بھی انہیں دیدیئے گئے، گلگت کی واپسی پر مہاراجہ نے بہت زیادہ خوشی منائی، اور جشن مسرت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

پنڈت کاک ہندوستان کے خلاف تھے

اس سے پہلے میں بتا چکا ہوں کہ وزارت امور ریاست جب قائم ہوئی تو ہم نے ان والیانِ ریاست اور ان کے مشیروں سے الحاق کی ابتدائی گفت و شنید شروع کر دی۔ جو جغرافی اعتبار سے ہندوستان سے ملی ہوئی تھیں، پنڈت رام چندر کاک کشمیر کے وزیر اعظم اس وقت دہلی میں مقیم تھے۔ مہاراجہ پٹیالہ کی تجویز پر ہم نے اپنے ایک اجتماع میں انہیں مدعو کیا لیکن وہ شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں میری ان سے گورنر جنرل ہاؤس میں ملاقات ہوئی میں نے ان سے دریافت کیا یہ تو بتایئے مہاراجہ ریاست کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کرنا چاہتے ہیں یا پاکستان سے؟ لیکن انھوں نے کھل کر بات نہ کی، ٹال گئے، کاک کی سردار سے بھی ملاقات ہوئی، میں اعتراف کرتا ہوں کہ نہ یہ شخص میری سمجھ میں آسکا، نہ اس کی گہرائی کا مجھے اندازہ ہو سکا۔ بعد میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کاک اور جناح کے مابین ملاقات کا انتظام کیا۔

ماؤنٹ بیٹن کے ہری سنگھ سے پرانے تعلقات

۳ رجون ۱۹۴۷ء کے کابینہ پلان کے اعلان کے بعد جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن

ہندوستانی ریاستوں سے پاکستان یا ہندوستان کے الحاق کے بارے میں پالیسی متعین کرنے کے بارے میں گفت وشنید کر رہے تھے تو کشمیر کے متعلق وہ خاص طور پر فکرمند نظر آرہے تھے، ہندوستان میں رقبہ کے لحاظ سے یہ سب سے بڑی ریاست تھی۔ اس کی غالب ترین اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اس کا فرماں روا ایک ہندو مہاراجہ تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سر ہری سنگھ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ۲۲-۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز نے جب ہندوستان کا دورہ کیا تو یہ ہز رائل ہائینس کے ساتھ تھے۔ مہاراجہ کشمیر نے اسی زمانہ میں انھیں کشمیر آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ دعوت اب انھوں نے قبول کی اور جون کے تیسرے ہفتہ میں کشمیر تشریف لے گئے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کشمیر میں

لارڈ ماؤنٹ بیٹن چار روز تک کشمیر میں مقیم رہے اور مہاراجہ سے صورت حالات پر گفتگو کرتے رہے۔ انھوں نے مہاراجہ کو بتا دیا کہ کوئی ریاست بھی آزاد اور خود مختار نہیں رہ سکتی، نہ برطانوی حکومت اسے ایک ڈومینین کی حیثیت سے تسلیم کرے گی۔ انھوں نے مہاراجہ کو یقین دلایا کہ جب تک وہ یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ انھیں ہندوستان یا پاکستان میں سے کس کے ساتھ الحاق کرنا ہے، ہندوستان اور پاکستان میں سے کوئی حکومت بھی اگر کشمیر کو اپنی حفاظت میں لے لے تو بعد میں اس سے کوئی قباحت پیدا نہیں ہوگی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر وہ پاکستان سے الحاق کرلیں تو ہندوستان قطعاً برا نہیں مانے گا، یہ بات انھوں نے اپنی طرف سے بھی کہی اور سردار پٹیل کی طرف سے بھی اسی بات کی یقین دہانی کرائی، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مزید یہ بھی کہہ دیا کہ کشمیر میں آبادی کا جو فرقہ وارانہ تناسب ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ الحاق کے سلسلہ میں عوام کے جذبات اور رجحانات کا خیال بھی رکھا جائے۔ مہاراجہ قطعاً یہ فیصلہ کرنے کے نااہل ثابت ہوئے کہ کیا کریں؟ آخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز پیش کی کہ مہاراجہ اپنے وزیر اعظم کے ساتھ ان سے گفتگو کریں، لیکن عین وقت پر مہاراجہ نے پیام بھیجدیا کہ وہ بستر علالت پر دراز ہیں اور گفتگو کرنے سے معذور ہیں، بات ختم ہوگئی۔

لارڈ اسمے سری نگر بھیجے گئے

۱۵ اگست کو تقسیم ہند عمل میں آئی اور فوراً لارڈ اسمے (Ismay) سری نگر تشریف لے گئے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن

نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ مہاراجہ کو کوئی ایک راستہ جلد از جلد اختیار کر لینے پر آمادہ کریں کیونکہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق ناگزیر ہے، لیکن لارڈ اسمے کی کوششیں بھی بارآور نہ ہوئیں مہاراجہ کوئی فیصلہ نہ کرسکے۔

بیچارے مہاراجہ مجبور بھی تھے

مہاراجہ کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ جس صورتِ احوال میں گھرے ہوئے تھے اس کے پیشِ نظر کسی فیصلہ تک پہنچنا آسان بھی نہ تھا۔ اگر وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرتے تو جموں کے ہندو، لداخ کے بدھ اور خود بہت کافی تعداد میں وہ مسلمان جو نیشنل کانفرنس سے وابستہ تھے اس اقدام پر برہم ہو جاتے۔ دوسری طرف اگر ہندوستان سے الحاق کرتے تو اس کا ردِ عمل گلگت اور پاکستان کے ملحقہ علاقوں میں بہت تلخ ہوتا۔ مزید یہ کہ اس وقت تک سڑک کے ذریعہ مواصلات کا سلسلہ صرف پاکستان ہی سے قائم تھا۔ جنگلات کے شہتیر جو ریاست کی سالانہ آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھے انہی دریاؤں سے بہائے جاتے تھے جو پاکستان میں بہتے تھے۔

مہاراجہ نے شیخ چلی کا دماغ پایا تھا

مہاراجہ حالات کے پیشِ نظر اقدام و عمل کا ایک نیا راستہ اختیار کر سکتے تھے، اگر وہ باشندگانِ جموں و کشمیر کے نمایندگان کی ایک کانفرنس طلب کرتے اور اس کے صلاح و مشورہ کے بعد فیصلہ کر لیتے کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے تو یہ ایک معقول صورت تھی، لیکن انھوں نے شیخ چلی (Micawberish frame of mind) کا دماغ پایا تھا، کچھ نہ کرنا اور بہترین کی توقع کرنا ان کا اصول تھا۔ علاوہ ازیں وہ جموں اور کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کا خواب بھی دیکھ رہے تھے۔

پنڈت کاک رخصت کر دیئے گئے

تقسیم ہند سے ذرا پہلے پنڈت کاک وزارتِ عظمیٰ سے الگ کر دیئے گئے، میجر جنرل جنک سنگھ اس منصب پر فائز ہو گئے، حکومتِ کشمیر نے اعلان کیا کہ معاہدہ قائمہ کے سلسلہ میں وہ بھارت اور پاکستان دونوں کے ساتھ گفت و شنید کا ارادہ رکھتی ہے، پاکستان نے معاہدہ قائمہ پر دستخط کر دیئے لیکن دستخط سے پہلے تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کے لئے ہمیں وقت درکار تھا، ہم نے ریاست کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، ہم نے مہاراجہ سے الحاق کا مطالبہ نہیں کیا۔ اگرچہ ریڈکلف

ا Radcliffe ایوارڈ کے ماتحت ریاست کشمیر کا ایک سڑک کے ذریعہ ہندوستان سے تعلق قائم ہو گیا تھا۔ کشمیر کے فرقہ وارانہ تناسب آبادی کے پیش نظر کچھ مخصوص مسائل درپیش تھے جن کا حل ریاست ہی کے پاس تھا۔ علاوہ ازیں ہم اپنے بہت سے مسائل میں گھرے ہوئے تھے، اور اگر سچ بات کہنے کی اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ مسئلہ کشمیر پر غور کرنے کا میرے پاس وقت بھی نہیں تھا۔

کشمیر پاکستان سے نالاں تھا

پاکستان سے معاہدہ قائمہ کر لینے کے بعد بھی پاکستان اور کشمیر کے تعلقات خوشگوار نہ ہو سکے۔ حکومت کشمیر کو شکایت تھی کہ پاکستان اسے الحاق پر مجبور کر رہا ہے، پاکستانی حکام نے اناج، پٹرول اور دوسری ضروریات زندگی کی رسد کم کر دی، نیز کشمیر اور پاکستان کے مابین عام اور آزادانہ آمد و رفت میں بھی رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں، اس موقع پر حکومتِ کشمیر نے حکومت ہند سے پانچ ہزار گیلن پٹرول کا مطالبہ کیا، کیونکہ پاکستان اس کی اس ضرورت کی بہم رسانی میں قاصر رہا تھا، ہم نے صرف پانچسو گیلن بھیجا تاکہ مواصلات کا سلسلہ سری نگر میں بالکل بند نہ ہو جائے اور فوری طور پر کام چل سکے۔

پاکستان نے کشمیر پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا

پاکستان نے کشمیر پر الحاق کے سلسلہ میں فوجی دباؤ ڈالنا بھی شروع کیا، اور سرحد پر جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ یہ چار سو پچاس میل لمبی سرحد تھی، جارحانہ حملوں کی صورت میں ریاستی فوج اس کی مدافعت نہیں کر سکتی تھی۔

مہر چند مہاجن وزیر اعظم بن گئے

اکتوبر کے آغاز میں میجر جنرل جنک سنگھ بھی وزارت عظمیٰ سے علیحدہ ہو گئے، اور مہر چند مہاجن کو یہ مسند سونپی گئی۔ مہر چند مہاجن بہت بڑے قانون داں تھے، غیر منقسم پنجاب میں ہائی کورٹ کے جج بھی رہ چکے تھے۔ پھر مشرقی پنجاب ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ بعد میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۵/اکتوبر کو مہر چند مہاجن وزیر اعظم کشمیر نے برطانوی وزیر اعظم سے شکایت کی کہ حکومتِ پاکستان معاہدہ قائمہ پر عمل نہیں کر رہی ہے۔ ضروریات زندگی

کی رسد کا سلسلہ اس نے بند کر دیا ہے اور بغیر کسی سبب کے سیالکوٹ سے جموں تک ریلوے کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا ہے، انھوں نے کہا کہ ریاست کی پوری سرحد گورداسپور سے گلگت تک حملہ آوروں کے خطرہ سے گھری ہوئی ہے اور پونچھ میں تو حملوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔

وزیر اعظم برطانیہ سے فریاد

مہاجن نے وزیر اعظم برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ حکومت پاکستان کو مشورہ دیں کہ کشمیر کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور ایسا راستہ اختیار کرے جو برطانوی کامن ویلتھ کے ایک ممبر کے وقار اور نام نیک کے شایان شان ہو، کیونکہ پاکستان برطانوی کامن ویلتھ کا ایک ممبر ہے۔ برطانوی وزیر اعظم کی طرف سے اس تار کا کوئی جواب نہ ملا۔

۱۰ راکتوبر کو ریاست کشمیر نے ایک احتجاجی مراسلہ پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم کو معاہدہ قائمہ کی خلاف ورزیوں اور مسلسل حملوں کے خلاف بھیجا۔ ۲۰ راکتوبر کو جناح نے جواب دیا، انھوں نے اس مراسلہ کے لب و لہجہ اور زبان پر سخت اعتراض کیا۔ اور معذرت یہ پیش کی کہ مشرقی پنجاب کی ہنگامہ آرائیوں کے باعث مواصلات کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا ہے، پاکستان کے پاس کوئلہ بھی بہت کم ہے اس لئے رسد کی بہم رسانی میں دشواری پیش آرہی ہے۔

کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ

۲۲ راکتوبر کو کشمیر پر ہر طرف سے حملہ شروع ہو گیا، تقریباً پانچ ہزار قبائلیوں نے اس حملہ کا آغاز کیا، یہ لوگ تین سو لاریوں پر چڑھ کر آئے تھے، ان حملہ آور قبائلیوں میں آفریدی، وزیری، محسود، سواتی اور پاکستانی فوج کے زیر رخصت سپاہی شامل تھے۔ ان لوگوں کی کمان پاکستانی فوج کے ان افسروں کے ہاتھ میں تھی جو کشمیر سے اچھی طرح واقف تھے، ان لوگوں نے ایبٹ آباد سے پیش قدمی شروع کی تھی، جہلم ویلی روڈ پر انھوں نے گڑھی اور دومیل پر قبضہ کر لیا، اور مظفر آباد کے دروازہ پر پہنچ گئے، ریاستی فوج جو مسلمانوں اور ڈوگروں پر مشتمل تھی مظفر آباد میں متعین کر دی گئی۔ اس کی کمان لفٹننٹ کرنل نرائن سنگھ کے ہاتھ میں تھی، فوج کے تمام مسلمان سپاہی ساتھ چھوڑ گئے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے کمانڈنگ آفیسر اور اس کے ایڈجوٹنٹ کو گولی ماردی، اور حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہو گئے، اور حملہ آوروں کا ہراول بن کر انھوں نے پیشقدمی شروع کر دی۔

اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ مہاراجہ نے جب لفٹنٹ کرنل نرائن سنگھ سے چند روز پہلے دریافت کیا تھا کہ آیا انہیں اپنے مسلمان سپاہیوں کی وفاداری پر اعتماد ہے تو بغیر کسی تامل کے انھوں نے جواب دیا تھا "ڈوگروں سے زیادہ!" اس بٹالین کی کمان وہ کئی سال سے کرتے چلے آرہے تھے۔

بریگیڈیر راجندر سنگھ کی ہلاکت

حملہ آوروں نے بارامولا کی طرف سری نگر جانے والے راستہ سے پیش قدمی شروع کردی، ان کا دوسرا پڑاؤ اُڑی پر ہونے والا تھا۔ ریاستی فوج کے تمام مسلمان سپاہی ملازمت چھوڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہوگئے تھے جب بریگیڈیر راجندر سنگھ کو جو ریاستی فوج کے چیف آف اسٹاف تھے معلوم ہوا کہ مسلمان سپاہی ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور حملہ آوروں کی پیش قدمی جاری ہے، وہ تقریباً ڈیڑھ سو آدمی لیکر اُڑی کی طرف بڑھے۔ انھوں نے دو دن تک حملہ آوروں کو محصور رکھا اور اڑی کا پل برباد کردیا۔ بریگیڈیر اور ان کے ساتھی اس جنگ میں قیمہ قیمہ کر ڈالے گئے، لیکن راجندر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مہاویر چکر کا تمغہ سب سے پہلے جس شخص کو دیا گیا وہ یہی مرحوم سپاہی تھا۔ اور کوئی شبہ نہیں یہی انعام اس کے شایانِ شان تھا۔

حملہ آوروں کے عزائم

حملہ آور برابر بڑھتے رہے۔ ۲۴ اکتوبر کو انھوں نے مہوا کے بجلی گھر پر قبضہ کرلیا۔ جہاں سے سری نگر کو بجلی فراہم کی جاتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سری نگر تاریکی میں ڈوب گیا۔ حملہ آوروں نے اعلان کیا کہ وہ ۲۶ اکتوبر کو سری نگر میں داخل ہوکر وہاں کی مسجد میں نمازِ عید ادا کریں گے۔

حکومتِ ہند سے مہاراجہ کی دُکھ بھری اپیل

۲۴ اکتوبر کو حکومتِ ہند کے پاس مہاراجہ کشمیر کی دردناک اپیل مدد کے لئے پہنچی حکومتِ ہند کو سپریم کمانڈر کے وہ اطلاعات بھی پہنچے جن میں حملہ آوروں کے آیندہ اقدامات کا ذکر تھا۔

فیلڈ مارشل آکنلک ہمارے ساتھ تھے

۱۵ اگست کو جب ہندوستان تقسیم ہوا تو ہندوستانی فوج رائل انڈین نیوی، رائل انڈین ایرفورس

اور انڈین آرمی کی مذہبی بنیاد پر دونوں حکومتوں میں تقسیم کردی گئی، ہندوستان اور پاکستان میں آرمی، نیوی اور ایرفورس کے کمانڈران انچیف انگریز تھے۔ غیر منقسم ہندوستان کے آخری کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل آکنلک کو سپریم کمانڈر بنادیا گیا تاکہ وہ مسلح افواج کی تقسیم عمل میں لائیں۔ انھیں ہر قسم کی نقل و حرکت کی اطلاع ملتی رہتی تھی، اور وہ دونوں حکومتوں کو اس سے مطلع کرتے رہتے تھے، جب انھیں پاکستان آرمی کے صدر دفتر سے حملہ آوروں کی پیشقدمی اور ان کے آیندہ اقدامات کی اطلاع ملی تو بالکل بجا طور پر یہ اطلاع انھوں نے حکومتِ ہند کو پہنچادی ——— ۲۵ اکتوبر کی صبح کو مجلس دفاع کا ایک جلسہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مہاراجہ کی درخواست پر جو انھوں نے مسلح افواج اور سامان جنگ کے سلسلہ میں کی تھی غور کیا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک حکومتِ ہند کو مکمل اطلاعات نہ مل جائیں کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ طے پایا کہ میں فوراً سری نگر پرواز کرجاؤں اور وہاں جاکر موقع واردات پر حالات کا جائزہ لوں اور حکومتِ ہند کو رپورٹ پیش کردوں۔

سری نگر کا ہوائی اڈہ قبرستان بن گیا تھا

آرمی اور ایرفورس کے افسران، نیز ڈی این، کھیرو کی رفاقت میں، بی او سی کے طیارے پر میں سری نگر روانہ ہوا، یہ وہ طیارہ تھا جو خاص طور پر اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ سری نگر سے برطانوی قومیت رکھنے والے لوگوں کو نکال لائے۔ ہوائی اڈے پر جب میں اترا تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں ایک سنسان قبرستان میں کھڑا ہوں، ہر طرف ایک عجیب بھیانک خاموشی اور افسردگی مسلط تھی۔

مہاراجہ دبکے بیٹھے تھے

ہوائی اڈے سے ہم سیدھے ریاست کے وزیر اعظم کی قیام گاہ پر پہنچے۔ ہوائی اڈے سے سری نگر کا راستہ بالکل سنسان پڑا تھا۔ بعض سڑکوں کے ناکوں پر میں نے دیکھا کہ نیشنل کانفرنس کے رضاکار لاٹھی لئے کھڑے ہیں اور ہر گزرنے والے سے پوچھ گچھ کررہے ہیں۔ لیکن پولیس کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ ہر چند مہاجن نے وہاں کی نازک صورت حال کی تفصیل ہمیں بہم پہنچائی اور اپیل کی کہ حکومت

ہند کو فوراً ریاست کی مدد کے لئے پہنچنا چاہیئے۔ مہاجن بہت متحمل مزاج اور بردبار قسم کے آدمی ہیں لیکن اس موقع پر ان کا تحمل جواب دے چکا تھا۔ مہاجن کی قیام گاہ سے ہم دونوں مہاراجہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ مہاراجہ بے انتہا دہشت زدہ اور سراسیمہ نظر آرہے تھے پیش آمدہ حالات کے باعث وہ اپنے آپ کو تنہا اور بے بس محسوس کر رہے تھے۔ عملی طور پر ریاستی فوج کا وجود ختم ہو چکا تھا، اور حملہ آور قریب قریب بارامولا میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ رفتار اگر قائم رہتی تو ایک آدھ روز میں ان کا سری نگر پہنچ جانا یقینی تھا۔ یہ موقع گزرے ہوئے واقعات کو کریدنے کا نہیں تھا۔ نہ مہاراجہ کی بے عملی پر ملامت کرنے سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ میں اس بات کا یقین کامل رکھتا ہوں کہ مہاراجہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قبائلی لوگ ان کی ریاست پر حملہ کریں گے، یا فوج اور پولیس کے مسلمان سپاہی وسیع پیمانے پر ساتھ چھوڑ دیں گے، سری نگر کا مضافات سے ربط تقریباً ختم ہو چکا تھا، اور صحیح صورت حالات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہو رہا تھا، امید کی صرف ایک کرن تھی کہ بریگیڈیر راجندر سنگھ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک اور جہاں تک ممکن ہو سکے گا وہ حملہ آوروں کو بارامولا تک نہیں پہنچنے دے گا، اور ہم جانتے تھے کہ یہ بات کا دھنی شخص بدترین انجام تک بھی اگر ضرورت ہوئی تو جنگ جاری رکھے گا۔

مہاراجہ کشمیر کو بھاگنے کا مشورہ میں نے دیا

پہلا کام جو ہمیں کرنا تھا وہ یہ تھا کہ مہاراجہ اور ان کے خاندان کو سری نگر سے باہر نکالا جائے، وجہ ظاہر تھی، حملہ آور بارامولا تک پہنچ چکے تھے، مہاراجہ بالکل بے بس تھے، اور اگر حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ مہاراجہ کی مدد نہیں کرنی چاہیئے تو ان کا اور ان کے خاندان کا سری نگر میں جو حشر ہوتا وہ معلوم تھا۔ یہ بات بھی یقینی تھی کہ حملہ آور محل کی تمام قیمتی چیزیں لوٹ لیں گے۔ ان حالات میں، میں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً اپنے افراد خاندان کو لے کر اور تمام چیزیں بٹور کر جموں روانہ ہو جائیں۔

میں بھی بھاگ کھڑا ہوا

جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ مہاراجہ راتوں رات سری نگر سے جموں روانہ ہو جائیں گے اور میں نے وہ تمام معلومات حاصل کر لیں جو کسی طرح

بھی حاضر الوقت لوگوں سے حاصل کئے جا سکتے تھے۔ تو صبح ہوتے ہوئے گسٹ ہاؤس پہنچا تاکہ ذرا آرام کر لوں، میں سونے کے لئے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ مہاجن کا فون آیا، انھوں نے بتایا کہ حملہ آور سری نگر میں اب داخل ہوا ہی چاہتے ہیں اب ذرا دیر بھی سری نگر میں رہنا ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔ مجھے یہ یقین تو نہیں تھا کہ واقعی حملہ آور سری نگر پہنچ گئے ہیں۔ لیکن میں نے مہاجن کا مشورہ قبول کر لیا۔ مہاراجہ اپنے ساتھ تمام کاریں لے گئے تھے۔ صرف ایک پرانی جیپ باقی تھی۔ اسی جیپ میں مہاجن، میں اور میرے سات ساتھی گھس پیٹھ کر بیٹھے۔ جب ہم ہوائی اڈہ پر پہنچے تو یہاں لوگوں کا جم غفیر جمع تھا، گزشتہ شام کو جب میں یہاں آیا تھا تو سکوت مرگ طاری تھا۔ لیکن آج حالات بالکل بدلے ہوئے تھے۔ جب میں طیارے پر چڑھنے لگا تو ایک ہندو خاتون اپنی دو لڑکیوں کو لے کر میرے پاس دوڑتی ہوئی آئی، اس نے با چشم پرنم مجھ سے التجا کی کہ ان دونوں کو میں دہلی لیتا جاؤں، وہ ڈر رہی تھی کہ اس کی لڑکیوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو ہزاروں کشمیری عورتوں کا ہو چکا تھا۔ میں انکار نہ کر سکا۔ ان دونوں لڑکیوں کو میں نے طیارے میں بٹھا دیا۔ پائلٹ نے مجھے بتایا کہ جس ہوٹل میں وہ اور اس کے ساتھی رات کا کھانا کھا رہے تھے، خاموشی کا یہ عالم تھا کہ کوئی آدمی بھی بات کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا اگر کوئی آواز سنائی دیتی تھی تو صرف چھری اور کانٹے کی، سارے ہوٹل پر ایک بھیانک خاموشی مسلط تھی، یہ بڑے ہمت شکن حالات تھے، دو ہندو لڑکیاں جو میرے ساتھ جا رہی تھیں، ان کی سسکیوں اور ہچکیوں نے فضا کو اور زیادہ بوجھل کر دیا تھا میرے لئے کچھ سوچنا مشکل ہو رہا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن کا عیارانہ مشورہ

۲۶ اکتوبر کو صبح کی پہلی کرن جیسے ہی پھوٹی ہم سری نگر سے روانہ ہو گئے جیسے ہی میرا طیارہ دہلی پہنچا میں سیدھا ڈیفنس کمیٹی کے جلسہ میں پہنچ گیا۔ میں نے اپنے تاثرات و خیالات کمیٹی کے سامنے پیش کئے اور یہ رائے ظاہر کی کہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کشمیر کو حملہ آوروں سے بچایا جائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ہندوستانی افواج کو کشمیر میں بھیجنا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ فی الحال وہ ایک آزاد ملک ہے اور اس نے اب تک ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ نہیں کیا ہے، البتہ اگر یہ سچ ہے کہ مہاراجہ ہندوستان سے الحاق کے لئے بے قرار ہیں تو بیشک جموں

اور کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ بن جائے گا اور اس کی حفاظت ہمارا فرض ہوگا، صرف یہی ایک صورت ہے جس کی بنیاد پر ہندوستانی فوجیں حملہ آوروں کی جارحانہ کارروائیوں سے ریاست کو بچانے کے لئے روانہ ہو سکتی ہیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بہت پُر زور طور پر یہ رائے بھی ظاہر کی کہ ریاست کے فرقہ وارانہ تناسب کے پیشِ نظر ہندوستان سے کشمیر کا الحاق مشروط ہونا چاہیئے اور جب حملہ آوروں کو بھگا دیا جائے، ریاست میں امن وامان قائم ہو جائے تو استصواب رائے عامہ کے بعد الحاق کے سلسلے میں کوئی مستقل فیصلہ کیا جائے۔

نہرو اور دوسرے لیڈروں نے بڑی آمادگی کے ساتھ یہ بات مان لی۔

مہاراجہ سب کچھ جموں لے گئے

ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ختم ہوتے ہی مہاجن کو ساتھ لے کر میں نے جموں کی طرف پرواز کی۔ محل میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عجیب افراتفری کا عالم ہے، قیمتی چیزیں سارے محل میں بکھری پڑی ہیں، مہاراجہ سو رہے تھے۔ گزشتہ رات وہ سری نگر سے روانہ ہوئے اور ساری رات موٹر کا سفر جاری رکھا۔ میں نے انھیں جگایا اور بتایا کہ ڈیفنس کمیٹی نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ وہ ہندوستان سے الحاق پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے گورنر جنرل کے نام اسی وقت ایک خط لکھا جس میں ریاست کے حالِ زار کی تفصیل پیش کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر فوجی امداد کی درخواست کی تھی۔

مہاراجہ کو عبداللہ پر اعتماد نہ تھا

انھوں نے گورنر جنرل کو یہ اطلاع بھی دی کہ وہ فوراً ایک عارضی گورنمنٹ قائم کرنے پر تیار ہیں، اور شیخ عبداللہ سے درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اس نازک اور ہنگامی وقت میں وزیر اعظم مہرچند مہاجن کے ساتھ مل کر حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ خط کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا کہ اگر ریاست کو بچانا ہے تو سری نگر کی فوراً خبر لینا چاہیئے، مہاراجہ نے دستاویزِ الحاق پر بھی دستخط کر دیئے۔

بزدل مہاراجہ کی یخی

جب میں جموں سے رخصت ہو رہا تھا تو مہاراجہ نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے سونے سے پہلے اے ڈی سی کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر میں دہلی سے واپس آؤں تو ان کی نیند میں خلل نہ ڈالا جائے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومتِ ہند نے مدد

کے لئے میدان میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا انھیں آرام سے سونے دیا جائے، اور اگر میں دہلی سے واپس نہ آؤں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر امید ختم ہو گئی۔ ایسی صورت میں اے ڈی سی کو انھوں نے ہدایت کر دی تھی کہ سوتے میں انھیں گولی مار دی جائے۔

سردار ہوائی اڈے پر میرے منتظر کھڑے تھے

مہاراجہ کا خط اور دستاویز الحاق پر ان کے دستخط لے کر میں فوراً دہلی پرواز کر گیا۔

سردار ہوائی اڈے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں سے ہم دونوں سیدھے ڈیفنس کمیٹی کے جلسہ میں پہنچے جس کا وقت پہلے سے طے کر لیا گیا تھا، بڑی دیر تک بحث مباحثہ جاری رہا۔ آخر یہ طے پایا کہ ریاست جموں اور کشمیر کا ہندوستان سے الحاق تسلیم کر لیا جائے، البتہ یہ شرط رکھی گئی کہ جیسے ہی ریاست میں امن و امان قائم ہو استصواب رائے عامہ ضرور کرایا جائے، یہ بھی طے پایا کہ ایک پیدل بٹالین دوسرے دن صبح طیاروں کے ذریعہ سری نگر بھیج دی جائے۔ اس فیصلہ کی شیخ عبداللہ نے پرزور تائید کی۔ جو اس وقت آ چکے تھے، اور آل جموں اینڈ کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف سے حکومت ہند پر زور دے رہے تھے کہ وہ قبائلی حملہ کے خلاف ریاست کو فوجی امداد دے۔

ہندوستانی فوجیں انگریزوں کی جان بچانے کشمیر گئیں

یہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور انڈین آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے تینوں انگریز چیف آف اسٹاف اس اقدام کے خطرناک ہونے پر مشوش تھے لیکن نہرو نے کہا کہ اگر ہم سری نگر میں فوج نہیں بھیجتے ہیں تو وہاں قتل عام شروع ہو جائے گا۔ اور اس کا نتیجہ نہایت ہولناک ہندو مسلم تصادم کی صورت میں ہندوستان کے اندر ظاہر ہوگا۔ نہرو نے یہ بھی کہا کہ سری نگر میں جو انگریز موجود ہیں حملہ آور انھیں بھی قتل کر دیں گے کیوں کہ ان کے تحفظ جان کا بندوبست نہ پاکستان کمانڈر انچیف کے بس میں ہے نہ سپریم کمانڈر کے اختیار میں۔

دنیا کی تاریخ جنگ کا نادر واقعہ

دنیا کی تاریخ جنگ میں اس ہوائی فوج کی مثال جو ۲۷ اکتوبر کو اور اس کے بعد سری نگر بھیجی گئی تھی نہیں مل سکتی۔ یہ ایسا اقدام تھا جس کا پہلے خواب و خیال بھی نہیں تھا۔ بہت مختصر سے نوٹس پر فوجوں کی ترسیل اور جنگ کا نقشہ مکمل کر لیا گیا۔ دفاعی صدر دفتر جو انگریز اور ہندوستانی افسروں پر مشتمل تھا ۲۶ اکتوبر سے

شب و روز اپنے کام میں مصروف رہا، مواصلات کی دشواری، دشمن کی طاقت کے بارے میں لاعلمی، ان چیزوں نے نقشۂ عمل کا تیار کرنا بہت دشوار بنا دیا تھا۔ ۲۷ اکتوبر کی صبح کو ایک سو طیارے، فوج، سامان جنگ اور رسد لے کر سری نگر روانہ ہو گئے۔ رائل انڈین ایر فورس اور سویلین پائیلٹس نے، نیز زمینی عملہ نے ایسے جوش و خروش سے کام کیا کہ یہ ہوائی مہم کامیاب ہو کر رہی، جس جوش و خروش کے ساتھ فضائی سویلین اور فوجی افراد نے باہمی تعاون کا ثبوت دیا، وہ حیرت انگیز اور فقید المثال چیز ہے۔ بعض طیارچیوں نے ایک ایک دن میں کئی کئی پھیرے کئے۔ کاروباری طیارہ راں کمپنیوں نے جس ایثار اور خوش دلی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اپنے تمام طیارے پیش کر دیئے وہ بھی ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ یہ تعاون اگر حاصل نہ ہوتا تو ہماری ہوائی مہم کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

ماؤنٹ بیٹن دنگ رہ گئے

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو اتحادی فوجوں کے سپریم کمانڈر جنوب مشرقی ایشیا میں رہ چکے تھے فرمایا کہ انھوں نے مدت العمر کے جنگی تجربوں میں نہ یہ بات دیکھی، نہ سنی کہ اتنے مختصر نوٹس پر کوئی ہوائی فوج برسرِعمل ہو گئی ہو۔ انھوں نے اس حیرت انگیز کارنامے پر تمام متعلقہ لوگوں کو پرزور الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا، بعض حلقوں میں یہ بات اڑائی گئی کہ اتنی زیادہ تعداد میں ہندوستانی فوج کا سری نگر کی طرف پرواز کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے ہی سے تیاریاں کر لی گئی تھیں۔ ذیل میں آرمی، ایر فورس اور نیوی کے تینوں کمانڈران انچیف کا دستخط شدہ نوٹ پیش کرتا ہوں جس سے اس غلط فہمی کی بطرز احسن تردید ہو جائے گی:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی فوجوں کو کشمیر بھیجنے کا پروگرام ۲۲ اکتوبر سے پہلے طے کر لیا گیا تھا، جبکہ ایبٹ آباد کی طرف سے کشمیر پر حملوں کا آغاز ہوا تھا۔

واقعات کا حسب ذیل صحیح ترین ٹائم ٹیبل بتلائے گا کہ کب فیصلہ کیا گیا۔ کب نقشہ تیار ہوا، کب حکم دیا گیا، کب فوجی نقل و حرکت شروع ہوئی اور کب ہندوستانی فوجیں کشمیر روانہ ہوئیں؟

(۱) ۲۴ اکتوبر کو انڈین آرمی کے کمانڈر انچیف کو اطلاع ملی کہ قبائلیوں نے مظفر آباد پر

قبضہ کرلیا ہے، یہ حملہ کی پہلی علامت تھی۔

(۲) اس تاریخ سے پہلے کشمیر میں ہندوستانی فوج بھیجنے کا نہ کوئی پروگرام تیار کیا گیا تھا، نہ زیرِ غور تھا۔

(۳) ۲۵ر اکتوبر کی صبح کو ہمیں ہدایت دی گئی کہ کشمیر میں سڑک اور فضا کے ذریعہ فوجیں بھیجنے کا نقشہ تیار کریں، کہ بغیر اس کے قبائلی حملہ آوروں کو پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ اس موضوع سے متعلق یہ پہلی ہدایت تھی جو ہمیں موصول ہوئی۔

(۴) ۲۵ر اکتوبر کی سہ پہر کو ہم نے انڈین آرمی اور ایر فورس کا ایک ایک اسٹاف آفیسر بذریعہ طیارہ سری نگر بھیجا۔ یہ لوگ کشمیری فوج کے حکام سے ملے، یہ پہلا رابطہ تھا جو ہمارے صدر دفتر کے افسروں اور ریاست کشمیر کے افسروں کے مابین کشمیر میں ہندوستانی فوج کی ترسیل کے سلسلے میں قائم ہوا۔

(۵) ۲۵ر اکتوبر کی سہ پہر کو ہم نے ایک پیدل بٹالین کے نام احکام صادر کئے کہ مختصر نوٹس پر سری نگر پر پرواز کرنے کے لئے تیار رہے، بشرطیکہ حکومتِ ہند نے کشمیر کا الحاق منظور کرلیا، اور مدد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

(۶) ۲۶ر اکتوبر کو وہ اسٹاف آفیسر جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے سری نگر سے واپس آئے۔ اور انھوں نے ریاستی فوج کے حکام سے اپنی ملاقات کی رپورٹ پیش کی۔

(۷) ۲۶ر اکتوبر کی شام کو ہم نے کشمیر میں اپنی فوج بھیجنے کا نقشہ تیار کرلیا۔

(۸) ۲۷ر اکتوبر کی صبح کو معاہدہ الحاق پر دستخط ہو جانے کے بعد ہندوستانی فوجیں بذریعہ طیارہ کشمیر روانہ کردی گئیں۔

(۹) ہندوستانی فوجوں کو کشمیر روانہ کرنے کا کوئی پروگرام ۲۵ر اکتوبر یعنی قبائلی حملہ شروع ہونے کے تین دن بعد تک نہ بنایا گیا، نہ سوچا گیا۔"

سری نگر کے ہوائی اڈے پر قبضہ

فوری طور پر سکھ پیدل بٹالین جو داخلی تحفظ کے سلسلے میں دہلی کے قریب گڑگانواں ضلع میں متعین تھی طلب کرلی گئی۔ اس بٹالین کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل دیوان رنجیت رائے تھے۔ انھیں جو ذمہ داری

سوچی گئی وہ یہ تھی کہ سری نگر کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کریں۔ نظم و امن قائم رکھنے میں حکومت کشمیر کی مدد کریں۔ شہر میں جو قبائلی لوگ داخل ہو گئے ہوں، انھیں نکال باہر کریں۔ چونکہ دشمن کی قوت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا، نہ یہ معلوم تھا کہ ہوائی اڈہ پر اس کا قبضہ ہے کہ نہیں، لہٰذا لفٹیننٹ کرنل رائے کو ہدایت کی گئی کہ ہوائی اڈے پر پہلے چکر لگائیں، اگر معاملہ مشتبہ نظر آئے تو وہاں نہ اتریں اور جموں واپس چلے جائیں، ساڑھے دس بجے صبح کو سخت پریشانی کے عالم میں سری نگر سے وائرلیس کے ذریعہ اطلاع ملی کہ ہماری فوجوں کا پہلا دستہ بخیریت ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب سری نگر کا ہوائی اڈہ ہمارے قبضہ میں ہے۔

کرنل رائے کو ہلاک ہونے کے بعد تمغہ ملا

سری نگر پہنچنے کے بعد لفٹننٹ کرنل رائے کو معلوم ہو، کہ دشمن بارامولا میں موجود ہے اگر اسے وہاں سے آگے بڑھ کر سری نگر میں داخل ہونے کا موقع مل گیا تو پھر کچھ بنائے نہ بن پڑے گا۔ چنانچہ لفٹننٹ کرنل رائے نے فیصلہ کیا کہ بارامولا کی طرف پیش قدمی کرکے سری نگر کی طرف دشمن کی پیشقدمی روک دیں۔ سواریوں کا انتظام بخشی غلام محمد نے کیا، جو نیشنل کانفرنس کے شیخ عبداللہ کے بعد دوسرے لیڈر تھے۔

جب لفٹننٹ کرنل رائے نے قبائلی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ یہ مسلح سپاہیوں کی ایک منظم جماعت ہے، جس کے پاس ہلکے اور بھاری ہتھیار موجود ہیں۔ اس کی کمان ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو جنگ کے جدید طریقوں سے واقف ہیں۔ جنگ کے شروع کرنے کے کچھ عرصہ بعد لفٹننٹ کرنل رائے کو اندازہ ہوا کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے لہٰذا انھوں نے پٹن کی طرف پسپا ہونے کا فیصلہ کیا جو بارامولا سری نگر کے مین روڈ پر واقع ہے، جہاں سے سری نگر کا فاصلہ سترہ میل ہے۔ پسپائی اختیار کرتے وقت لفٹننٹ کرنل رائے ہلاک ہو گئے، بعد میں انھیں مہاویر چکر کا تمغہ دیا گیا۔

جناح کا حکم: کشمیر پر حملہ کردو

اس اثنا میں جناح لاہور میں تھے اور سخت پریشان تھے۔ ان کے پرائیویٹ سکریٹری خورشید سری نگر میں موجود تھے۔ ہندوستانی افواج کی آمد کے بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ پھر وہ پاکستان بھیج دیئے گئے۔ جناح کے کانوں تک جیسے ہی یہ خبر پہنچی، کہ انڈیا نے جموں اور کشمیر کا الحاق تسلیم کر لیا ہے اور ہندوستان کی فوجیں طیاروں کے ذریعے سری نگر بھیجدی گئی ہیں۔ انھوں نے پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی (Gracey)

کو حکم دیا کہ فوراً کشمیر میں فوجیں اتار دیں، گریسی نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کمانڈر کی منظوری کے بغیر اس سلسلہ میں وہ کوئی ہدایت نامہ جاری نہیں کر سکتے۔

انگریز کمانڈر انچیف نے جناح کا حکم نہ مانا

فیلڈ مارشل اکنلک (Auchinleck) ۲۸ اکتوبر کو بذریعہ طیارہ لاہور گئے اور جناح کے سامنے صورت حالات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر پاکستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہوئیں جو اب قانونی طور پر ہندوستان کا حصہ ہے تو پاکستان آرمی میں کام کرنے والا ہر انگریز افسر فوری اور قطعی طور پر ملازمت سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ آخر جناح نے کشمیر میں پاکستانی فوج کے داخلہ سے متعلق اپنا حکم واپس لے لیا۔ پھر انھوں نے اکنلک کے ذریعہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کو دعوت دی کہ وہ لاہور آئیں اور کشمیر کے معاملہ پر گفت و شنید کریں۔

نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کو سردار کی جھاڑ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن بالکل تیار تھے کہ یہ دعوت قبول کر لی جائے ان کا خیال تھا انہیں اور نہرو کو لاہور جانا چاہیئے لیکن سردار نے نہایت سختی کے ساتھ اس رائے کا اظہار کیا کہ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو میں سے کسی کو بھی لاہور نہیں جانا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان حملہ آور ہے، لہٰذا جناح کو خوش کرنے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے بھاگنا ٹھیک نہیں، اگر جناح کشمیر کے مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو انھیں خود دہلی آنا چاہیئے۔ نہرو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہم خیال تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے کشمیر میں قدم توسیع مملکت کے لئے نہیں رکھا ہے اور اگر مسئلہ کا کوئی پرامن حل نکل آئے تو وقار کو ہمارے راستہ میں سائل نہیں ہونا چاہیئے۔

لاہور جانے سے پہلے نہرو بیمار پڑ گئے

چونکہ سردار اور نہرو کے مابین اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا لہٰذا معاملہ گاندھی جی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رات کو مجھے گاندھی جی کے سکریٹری نے فون کیا اور کہا کہ گاندھی جی مجھ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا۔ نہرو کے لاہور جانے پر مجھے کیا اعتراض ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یہ سوال لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جب میرے سامنے اٹھایا تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور اپنے وجوہ بھی پیش کر دیئے تھے، دوران گفتگو میں یہ بات میں نے محسوس کی کہ نہرو

بہت زیادہ تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ان کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، انھیں سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ لہذا اب ان کا لاہور جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چند روز بعد لیاقت علی خاں نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ نہرو کی یہ بیماری حقیقی نہیں سیاسی ہے۔ لیکن واقعہ وہی ہے جو ابھی میں نے عرض کیا۔ بہرحال طے یہ پایا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن تنہا لاہور جائیں۔

حکومت پاکستان کا اشتعال انگیز بیان

عین اس وقت جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن لاہور کے سفر پر روانہ ہو رہے تھے حکومت پاکستان نے ۳۰ ر اکتوبر کو ایک بیان شائع کیا جس میں کشمیر کے الحاق کو تشدد اور فریب پر مبنی قرار دیا، اور کہا کہ حکومت پاکستان اس الحاق کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتی، اس بیان میں مجنونانہ جوش کے ساتھ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ ریاستی افواج نے سب سے پہلے ریاست کے بے گناہ مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ نیز کشمیر کی سرحد سے ملے ہوئے پاکستانی دیہاتوں کے مسلمان بھی ہدف ستم بنائے گئے تھے۔ اس بات سے مشتعل ہو کر پٹھانوں نے حملے کر دیئے تھے۔

ظاہر ہے اس بیان کے بعد دوستانہ فضا میں گفت وشنید کا جاری رکھنا آسان نہ تھا۔

عبداللہ وزیر اعظم بن گئے

اسی اثنا میں مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو عارضی حکومت قائم کرنے کی دعوت دی، انھوں نے یہ دعوت قبول کرکے حکومت بنائی۔ اس وقت تک سری نگر میں ہماری فوجی قوت کافی مستحکم ہو چکی تھی، تین مزید بٹالین سری نگر بھیجی جا چکی تھیں، بریگیڈ ہیڈ کوارٹر بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔

گلگت پر پاکستان کا قبضہ

قبل اس کے کہ جناح ماؤنٹ بیٹن گفتگو شروع ہو ایک اور ڈرامہ کھیلا گیا، میں بیان کر چکا ہوں کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد گلگت ایجنسی مہاراجہ کشمیر کو واپس کر دی گئی تھی، جہاں مہاراجہ نے فوراً ایک گورنر متعین کر دیا یہ گورنر میجر جنرل اسکاٹ (Scott) افواج کشمیر کے چیف آف اسٹاف کے ساتھ ۳۰ ر جولائی کو گلگت پہنچ گئے، یہاں آنے کے بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ تمام برطانوی حکام جو یہاں مقیم تھے آیندہ ملازمت کے لئے انھوں نے ہندوستان کے بجائے پاکستان کو منتخب کر لیا ہے، ریاست کا کوئی سول اسٹاف موجود نہ تھا جو ان احکام سے چارج لے سکتا۔ گلگت اسکاوٹس بھی پاکستان

کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے، مزید یہ کہ J & K اور ۶ پیدل بٹالین (Infantry battalion) جس کی نصف تعداد سکھوں پر اور نصف مسلمانوں پر مشتمل تھی، تنہا ریاستی فوج تھی جس کے خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس کی کمان لفٹیننٹ کرنل مجید خاں کے ہاتھ میں تھی جو بنجی میں مقیم تھے، یہ جگہ گلگت سے چونتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

۳۱ اکتوبر کی رات کو گورنر ہاؤس کا محاصرہ گلگت اسکاؤٹس نے کر لیا۔ دوسری صبح گورنر کو گرفتار کر لیا گیا اور باغیوں نے عارضی حکومت قائم کر لی، مسلمان سپاہی مع اپنے حکام کے بھاگ گئے۔ غیر مسلم سپاہی ہکا بکا رہ گئے، اس ناگہانی مصیبت سے جو لوگ بچ سکے وہ پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہوئے پھر اس کا رد وا کر ریاستی فوج کے محافظ دستے (Garrison) میں شریک ہو گئے۔

۴ نومبر کو میجر براؤن نے (Brown) جو گلگت اسکاؤٹس کے انگریز کمانڈر تھے پاکستان کا پرچم اسکاؤٹس لائن پر ایک تقریب کے بعد لہرایا۔ نومبر کے تیسرے ہفتہ میں پاکستان کا پولیٹیکل ایجنٹ گلگت میں پہنچ گیا اور وہاں کا در و بست اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جناح سے گفتگو

یکم نومبر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لارڈ اسمے کے ساتھ لاہور پر پرواز کی۔ انھوں نے جناح سے طویل ملاقات کی، جناح نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق تشدد کے ذریعے عمل میں آیا ہے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ تشدد کا ارتکاب قبائلی حملہ آوروں نے کیا تھا، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ ہندوستانی فوجوں نے سری نگر میں استحکام حاصل کر لیا ہے، لہذا اب اس کا بعید ترین امکان بھی نہیں ہے کہ قبائلی کبھی بھی سری نگر میں داخل ہو سکیں گے۔ جناح نے تجویز پیش کی کہ ہندوستانی فوجیں اور قبائلی حملہ آور فوراً اور بیک وقت اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائیں۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ سوال کیا کہ قبائلی حملہ آوروں کو واپس جانے پر کس طرح آمادہ کیا جائے گا؟ تو جناح کا جواب یہ تھا۔

"آپ ایسا کر کے دیکھئے، پھر میں سب کچھ کر لوں گا۔" لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز پیش کی کہ ریاست میں الحاق کے مسئلہ پر استصواب رائے عامہ ہونا چاہیئے، جناح نے اس تجویز پر اعتراض

کرتے ہوئے کہا۔

"کشمیر میں ہندوستانی فوج کی موجودگی اور شیخ عبداللہ کی حکومت کا قیام باشندگان ریاست کو اتنا سہما چکا ہے کہ وہ پاکستان کے حق میں رائے دینے کی جراءت کر ہی نہیں سکتے"۔ اس کے جواب میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز پیش کی کہ استصواب رائے عامہ مجلس اقوام متحدہ کی زیر نگرانی عمل میں لایا جائے گا، جناح نے زور دیا کہ استصواب رائے عامہ ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرل مشترک طور پر اپنی ذمہ داری پر اور اپنی نگرانی میں کرائیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لارڈ اسمے دونوں جناح کو یہ بتاتے ہوئے دکھ محسوس کر رہے تھے کہ وہ صرف پاکستان کے گورنر جنرل ہی نہیں مسلم لیگ کے صدر بھی ہیں جس کے باعث انہیں پاکستان میں مخصوص مرتبہ حاصل ہے، اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو یہ بات نہیں حاصل ہے، جناح مشترک نگرانی اور ذمہ داری کی پیش کش کر سکتے ہیں، لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی حیثیت صرف ایک دستوری گورنر جنرل کی ہے، وہ اس پیش کش کو قبول کرنے کا حق نہیں رکھتے ہیں بہر حال گفتگو نامکمل رہی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن دہلی واپس آ گئے۔

نشری تقریر میں نہرو کا وعدہ ۲ر نومبر کو نہرو نے ایک تقریر براڈ کاسٹ کی، انھوں نے کہا "کشمیر کے سلسلے میں ہم نے جو قدم بھی اٹھایا ہے وہ کامل غور و فکر اور تمام نتائج و عواقب پر غور کرنے کے بعد، اگر ہم یہ قدم نہ اٹھاتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ ہم اس اعتماد کو دھوکہ دیتے جو ہم پر کیا جا رہا تھا، اور بزدلی کے ساتھ تلوار کے قانون کے سامنے سر جھکا دیتے؛ جو آتش زنی، اغوا اور قتل عام کی صورت میں برسر کار تھا۔ نہرو نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ کشمیر میں حملہ آوروں کے خلاف اس وقت جو جد و جہد ہو رہی ہے اور جو تحریک جاری ہے اس کی رہنمائی عوامی قیادت کر رہی ہے۔ پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ جب امن و امان قائم ہو جائے گا اور قانون کی حکومت قائم ہو جائے گی تو وہ نہایت خوشی سے کشمیر میں استصواب رائے عامہ کسی ایسے ادارہ کی نگرانی میں کرانے پر تیار ہو جائیں گے جو مجلس اقوام متحدہ کا ہم پایہ اور ہم رتبہ ہو۔

لیاقت علی خاں کی نشری تقریر ۴ر نومبر کو لیاقت علی خاں نے لاہور سے ایک

تقریر نشر کی، انھوں نے اس غیر اخلاقی اور غیر قانونی ملکیت کشمیر پرزور دیا تھا جو ۱۸۴۶ء کے بدنام معاہدہ امرتسر کا نتیجہ تھی، انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ تاریخ کے ساتھ اس سے زیادہ بددیانتی کوئی نہیں ہوسکتی کہ غلام باشندگان کشمیر کے حریت طلب لوگوں کے جذبہ انقلاب کو دنیا کے سامنے بیرونی حملہ کا نتیجہ قرار دیا جائے، محض اس لئے کہ کچھ بیرونی لوگوں نے اپنی عملی ہمدردی کا اظہار ان لوگوں کے ساتھ کیا تھا۔ لیاقت علی نے اپنے بیان کے آخر میں کہا، کہ وہ کشمیر نہیں بلکہ لڑکھڑاتا ہوا مطلق العنانہ اور سامراجی نظام ہے جسے بچانے کے لئے حکومت ہند اپنی موج در موج فوج کے ساتھ پہنچی ہے۔ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق محض ایک فریب ہے جسے بزدل مہاراجہ نے باشندگان کشمیر پر حکومت ہند کی جارحانہ امداد سے کر زبردستی ٹھونسا ہے۔

سردار اور بلدیو سنگھ سری نگر میں

سردار اور وزیر دفاع بلدیو سنگھ ۳ نومبر کو سری نگر پہنچے، سیاسی صورت احوال پر انھوں نے وزراء ریاست سے گفتگو کی اور فوجی صورت احوال پر بریگیڈیر سین سے بات چیت کی جس کے ہاتھ میں ہماری فوج کی کمان تھی، یہ دونوں ۴ نومبر کو دہلی واپس آئے اور آتے ہی انھوں نے ڈیفنس کمیٹی کے سامنے صورت حال پر مفصل رپورٹ پیش کی، بریگیڈیر سین جو کچھ ان کے بس میں تھا کر رہے تھے۔ جو وسائل انھیں حاصل تھے ان کے مطابق جو توقع ان سے کی جاسکتی تھی وہ پوری ہورہی تھی۔ لیکن سردار اور بلدیو سنگھ کی رائے تھی کہ ابھی مزید فوج بھیجنے کی ضرورت ہے۔ یہ رائے قبول کرلی گئی، چنانچہ طے کیا گیا کہ ایک نیا ڈویژنل ہیڈکوارٹر کشمیر میں قائم کیا جائے میجر جنرل کلونت سنگھ کو اس نئے ڈویژن کی کمان سونپی گئی اور انھیں ہدایت کی گئی کہ اپنی پوری قوت صرف کرکے جس طرح بھی ہوسکے بارامولا واپس لے لیں، کیونکہ وادیٔ کشمیر کا دروازہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اگر اس پر قبضہ کرلیا جائے تو مزید قبائلی تاخت وتاراج کا امکان بہت کم ہوجائے گا۔

میجر جنرل کلونت سنگھ

میجر جنرل کلونت سنگھ دوسرے روز سری نگر روانہ ہوگئے۔ ۸ نومبر کو ان کی فوجوں نے بارامولا پر قبضہ کرلیا، ہندوستانی فوجیں جب شہر میں داخل ہوئیں تو انھوں نے دیکھا کہ قبائلی حملہ آوروں نے وہاں کی دولت کا

اور عورتوں کا صفایا کر دیا ہے۔ چودہ ہزار کی آبادی میں صرف ایک ہزار نفوس باقی رہ گئے۔ حملہ آوروں کی سفاکی اتنی لرزہ خیز تھی کہ دہلی میں نادر شاہ کا قتلِ عام بھی اس کے سامنے گرد تھا۔

عبدالرب نشتر اور چودھری محمد علی

جس روز بارامولا پر ہندوستانی فوجوں نے قبضہ کیا تو پاکستان اور ہندوستان کی مشترک ڈیفنس کونسل کا دہلی میں اجلاس ہو رہا تھا، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ جناح اور لیاقت علی خاں کو اس میٹنگ میں شرکت پر آمادہ کر سکیں، لیکن ان کی کوششیں بے نتیجہ رہیں۔ پاکستان کی نمایندگی عبدالرب نشتر اور حکومتِ پاکستان کے سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی نے کی، نہرو اس میٹنگ میں موجود تھے، بعد میں انھوں نے عبدالرب نشتر سے مسئلہ کشمیر پر گفتگو کی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ محمد علی کی موجودگی میں مجھے توقع بھی ایسی ہی تھی۔

قبائلی حملہ آوروں کی پسپائی

اسی اثنا میں ہندوستانی فوج حملہ آوروں سے کشمیر کا علاقہ خالی کرانے کی جد وجہد کرتی رہی۔ ۱۱ر نومبر کو وہ اُڑی کی بلندی پر پہنچ گئی۔ قبائلی اتنی تیزی سے پسپا ہو رہے تھے کہ انھوں نے تنگ مارگ اور گلمرگ کو ایک گولی بھی چلائے بغیر خالی کر دیا۔

نہرو کا پارلیمنٹ میں بیان

۲۱ر نومبر کو نہرو نے پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا۔ گزشتہ چار ہفتوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے اپنے اس وعدہ کا اعادہ کیا کہ باشندگانِ کشمیر کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے گا۔ ایک غیر جانبدار ٹریبونل، جیسے اقوام متحدہ کا ادارہ ہے اپنی نگرانی میں استصواب رائے عامہ کرائے گا۔

لیاقت علی خاں کا تکلیف دہ تار

دسمبر کے پہلے ہفتہ میں لیاقت علی خاں دہلی آئے۔ آمد کا مقصد مشترک ڈیفنس کونسل میں شرکت تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن بیتاب تھے کہ نہرو اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور کشمیر کے مسئلہ پر ان سے گفتگو کریں، لیکن نہرو کو ٹھیک اسی وقت لیاقت علی خاں کا ایک نہایت قابلِ اعتراض تار ملا جس میں شیخ عبداللہ کے متعلق نہایت تلخ اور تکلیف دہ الفاظ استعمال کئے گئے تھے اس تار

کے بعد وزیر اعظم پاکستان سے ملنے کا نہرو نے ارادہ ترک کر دیا، لیکن بعد میں راضی ہو گئے، ان دونوں کی ملاقات کے موقع پر لارڈ اسمے موجود تھے۔ ان سے درخواست کی گئی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے خیالات کو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں اور وہ پہلو نمایاں کریں جن پر دونوں وزراء اعظم متفق ہو سکیں۔ چنانچہ لارڈ اسمے نے اس سلسلے میں چودھری محمد علی سے اور مجھ سے ملاقات کی اور ہم نے ایک مسودہ تیار کیا جس کی بنیاد پر دونوں وزراء اعظم کے مابین گفتگو کا انعقاد طے پایا۔ مسودہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ۔

(۱) حکومت پاکستان اپنا پورا اثر استعمال کر کے آزاد کشمیر افواج کو جلد از جلد جنگ بند کرنے اور قبائلی افراد کو کشمیر کے علاقہ سے فوری طور پر واپس جانے پر آمادہ کرے گی۔

(۲) آزاد کشمیر حکومت پونچھ میں سردار ابراہیم کی سربراہی میں کام کر رہی تھی۔

(۳) مسودہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ حکومت ہند اپنی افواج کا بڑا حصہ اسی وقت واپس بلائیگی جب آزاد کشمیر کی حکومت جنگ بند کر دے گی اور قبائلی واپس جانا شروع ہو جائیں گے

(۴) البتہ سرحدی مقامات پر ہندوستانی فوج کے کچھ دستے موجود رہیں گے۔

(۵) اس مسودہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ معاندانہ سرگرمیوں کے بند ہوتے ہی ہندوستان اور پاکستان مشترک طور پر مجلس اقوام متحدہ سے درخواست کریں گے کہ اپنی نگرانی میں استصواب رائے عامہ کرانے کے لئے وہ فوراً ایک کمیشن کشمیر بھیجے جو اپنے سفارشات حکومت ہند، حکومت پاکستان اور حکومتِ کشمیر کی خدمت میں پیش کرے اور بتلائے کہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب کرانے کے لئے کونسا قدم اٹھایا جائے؟

(۶) نیز یہ کہ وہ تمام کشمیری جو قبائلی حملہ کے باعث ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے انھیں کشمیر واپس آنے کی سہولت دی جائے تاکہ استصواب کے وقت وہ اپنی رائے استعمال کر سکیں۔

(۷) جو غیر کشمیری لوگ حال میں کشمیر آکر بس گئے ہیں انھیں استصواب رائے میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۸) نیز کسی شخص کو ہدفِ انتقام نہیں بنایا جائے گا۔

(۹) جملہ اسیران سیاسی جلد از جلد رہا کر دیئے جائیں گے۔

(۱۰) کسی جائز سیاسی سرگرمی پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جائے گی۔

ہم سب نے محسوس کیا کہ ایک باعزت سمجھوتہ کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

لیاقت علی خاں کراچی واپس چلے گئے، ان کے جانے کے دوسرے تیسرے دن چودھری محمد علی بھی واپس گئے۔

سردار کا نیا شگوفہ

اسی اثنا میں سردار اور بلدیو سنگھ جو کشمیر کے دورے پر گئے ہوئے تھے، واپس آئے، انھوں نے ڈیفنس کمیٹی کو رپورٹ پیش کی کہ مغربی پاکستان کے متعدد مقامات پر قبائلی بہت بڑی تعداد میں مرتکز ہو رہے ہیں، نیز یہ کہ لیاقت علی خاں نے دہلی سے کراچی پہنچتے ہی حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی شروع کر دی ہے کہ وہ کشمیر میں داخل ہوں۔ لیاقت علی خاں نے ایسی تقریروں کا سلسلہ بھی جاری کر دیا ہے جن میں انھوں نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ پاکستان کشمیر سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ حملہ آوروں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں اور بے دردی اور شقاوت کے ساتھ ہندوؤں کا قتل عام اور ہندو لڑکیوں کا اغوا اور نیلام شروع کر چکے ہیں۔ بلدیو سنگھ اور سردار کی اس رپورٹ کی دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق ہو گئی نہرو کو دوسرے ذرائع سے جو معلومات حاصل ہوئے وہ بھی ان کی تائید میں تھے۔

اب قدرتاً حکومت ہند کا طرز عمل سخت ہو گیا، لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کوشش جاری رکھی کہ دونوں وزرائے اعظم کے مابین گفت و شنید کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے، جب لیاقت علی خاں نے گفتگو جاری رکھنے کے لئے نہرو کو تار دیا تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ۸ دسمبر کو ہونے والی مشترک ڈیفنس کونسل میں شرکت کے لئے لاہور روانہ ہو گئے۔

نہرو، لیاقت علی، ماؤنٹ بیٹن کی گفتگو

دونوں وزراء اعظم اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مابین کشمیر کے مسئلہ پر گفت و شنید کا سلسلہ تین بجے سہ پہر سے لے کر آدھی رات تک جاری رہا۔

نہرو نے مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے حکومت پاکستان کو یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ وہ اپنا پورا رسوخ استعمال کر کے حملہ آوروں کو کشمیر میں داخل ہونے سے روکے گی، اور جو داخل ہو چکے ہیں انہیں واپس ہونے پر آمادہ کرے گی کہ آیندہ کوئی حملہ آور آزاد کشمیر میں داخل ہو سکے۔

نہرو نے یہ بھی کہا کہ پاکستان نے اب تک حملہ آوروں کو پاکستانی علاقہ سے کشمیر میں داخل ہونے سے روکنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اب تک پاکستان حملہ آوروں کے اقدام و ہجوم کا فوجی صدر مقام ریاست کشمیر کے خلاف بنا رہا ہے جو ہندوستان سے اپنا الحاق کر چکی ہے اور ہندوستانی علاقہ کا ایک جزبن چکی ہے، یہ جنگی صورت حال ہے، اور پاکستانی اخبارات بھی اسی نظر سے اس ہنگامہ آرائی کو دیکھ رہے ہیں، چنانچہ ہندوستانی فوج کو وہ علی الاعلان "دشمن" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہذا استصواب رائے عامہ سے پہلے جنگ بند ہونی چاہیئے اور جنگ بند ہونے کی صورت یہ ہے کہ حملہ آوروں کو واپس بلا لیا جائے۔

لیاقت علی خاں کا جواب

لیاقت علی خاں نے کہا وہ بڑی خوشی سے حملہ آوروں سے واپس آجانے کی اپیل پر دستخط کرنے کو تیار ہیں لیکن قبائلی اس اپیل کا کوئی اثر نہیں قبول کریں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات میں مزید ابتری پیدا ہو جائے گی، دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت پاکستان کی پوزیشن کمزور پڑ جائے گی۔ پاکستان کی حکومت بالکل نئی ہے اور ابھی ابھی عالم وجود میں آئی ہے وہ اتنی مضبوط نہیں ہے کہ اس جھٹکے کو سہہ سکے۔ اردو اخبارات اب بھی اس پر سخت و شدید حملے کر رہے ہیں اور الزام لگا رہے ہیں کہ وہ آزاد کشمیر حکومت کی مدد نہیں کرتی، عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ ایک زیادہ سخت اور مضبوط حکومت پاکستان میں موجودہ حکومت کی جگہ قائم ہونی چاہیئے۔

لیاقت علی خاں نے یہ بھی کہا کہ اگر حملہ آوروں کو بزور قوت کشمیر میں داخل ہونے سے روکا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عملی طور پر پاکستان ان سے اعلان جنگ کر دے۔

لیاقت علی خاں نے تجویز پیش کی کہ ہندوستان کشمیر سے اپنی تمام فوجیں واپس بلالے۔ اور قبل اس کے کہ کشمیر میں استصواب رائے عامہ کیا جائے، وہاں کا نظم و انتظام غیر جانبدار انتظامیہ کے سپرد کر دیا جائے۔

لیاقت علی خاں کی خواہش تھی کہ شیخ عبداللہ کی جگہ کوئی غیر جانبدار شخص وزیر اعظم بنایا جائے۔

نہرو نے لیاقت علی خاں سے کیا کہا؟

نہرو نے جواب دیا کہ حکومت ہند اپنی تمام

افواج واپس نہیں بلا سکتی، اگر وہ ایسا کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ریاست کشمیر، پونچھ اور دوسرے مقامات مسلح حملہ آوروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے جائیں اور ساری ریاست میں طوائف الملوکی اور افراتفری کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

نہرو نے یہ بھی کہا کہ وہ غیر جانبدار انتظامیہ کے سلسلہ میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔ یہ معاملہ کہ وہاں کون حکومت کرے صرف باشندگان کشمیر ہی کے طے کرنے کا ہے، وہ جو چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کم وبیش پندرہ سال سے ذمہ دار حکومت کے لئے برسر جنگ ہیں۔ انھوں نے اور ان کے پیروؤں نے حصول مقاصد کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ نیشنل کانفرنس ریاست کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے اسے وہی پوزیشن حاصل ہے جو ہندوستان میں کانگرس کو اور پاکستان میں مسلم لیگ کو۔ شیخ عبداللہ کی سربراہی میں سب سے پہلی مرتبہ ذمہ دار حکومت قائم ہوئی ہے، ایسا اس سے پہلے ریاست میں کبھی نہیں ہوا تھا اس حکومت نے مہاراجہ کے مطلق العنانہ دور فرماں روائی کو ختم کر دیا ہے اور کشمیر کے باشندوں کو غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر متحد کر دیا ہے۔

اس طویل گفت وشنید کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

گفت وشنید ناکام

گفت وشنید کے ذریعہ مصالحت کی ایک اور کوشش بھی ناکام ہو گئی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز پیش کی کہ مجلس اقوام متحدہ کو دعوت دی جائے کہ وہ تیسری پارٹی کے طور پر ہندوستان اور پاکستان کے مابین واسطہ کا فرض انجام دے۔

لیکن اس تجویز کے سلسلہ میں بھی کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔

ماؤنٹ بیٹن کی تجویز مان لی گئی

لاہور میں جب دونوں وزرائے اعظم کی گفتگوئے مصالحت ناکام ہوئی تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو یقین ہو گیا کہ دونوں حکومتوں کے مابین کشمیر کے مسئلہ پر گفت وشنید کے ذریعہ کسی سمجھوتہ کا ہونا عملی طور پر قطعاً ناممکن ہے، انھیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اس مسئلہ کا اگر کوئی حل نہ دریافت ہوا تو کشمیر کی جنگ علی الاعلان ہندوستان اور پاکستان کی جنگ بن جائے گی، اور اس صورت حال سے وہ ہر قیمت پر بچنا

چاہتے تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی جی اور نہرو پر زور دیا کہ وہ ان کی سابقہ تجویز منظور کریں۔ مجلس اقوام متحدہ کے خدمات اس سلسلہ میں حاصل کریں۔

سردار خلاف تھے

نہرو نے آخر کار یہ تجویز مان لی، اگرچہ ان کے بعض رفقاء اس اقدام کو دانشمندی پر مبنی نہیں قرار دیتے تھے۔

نہرو کی فرد قرار داد جرم

مجلس اقوام متحدہ میں کسی معاملہ پر رجوع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سرکاری طور پر ایک شکایت نامہ بھیجا جائے، چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو نہرو نے بدست خود لیاقت علی خاں کو جو مشترک ڈیفنس کونسل کے اجلاس دہلی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے یہ خط دیا، جس میں انھوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ قبائلی حملہ آوروں کو پاکستان سے پوری پوری مدد مل رہی ہے خط میں تحریر تھا

(۱) "قبائلی حملہ آور پاکستانی علاقہ سے ہو کر کشمیر جاتے ہیں، وہ پاکستان کو کشمیر کے خلاف فوجی اڈے کے طور پر استعمال کرتے ہیں

(۲) ان کے پاس جدید قسم کے جو جنگی اسلحہ اور آلات ہیں وہ صرف پاکستانی ذرائع سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

(۳) موٹر ٹرانسپورٹ جنھیں قبائلی حملہ آور استعمال کرتے ہیں، اور ان موٹروں کے لئے پٹرول پاکستان ہی کا عطیہ ہے۔

(۴) غذا اور دوسری رسد بھی ان لوگوں کو پاکستان ہی سے ملتی ہے۔

(۵) معتبر ذرائع سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ حملہ آور اپنا راشن پاکستان کے ملٹری بیس سے حاصل کرتے ہیں۔

(۶) معتبر ذریعہ سے ہمیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ حملہ آوروں کی بڑی تعداد پاکستان میں فوجی تربیت حاصل کر رہی ہے۔"

ہندوستان کا پاکستان سے مطالبہ

اس خط میں حکومت ہند نے حکومت پاکستان سے باقاعدہ طور پر مطالبہ کیا تھا کہ حکومت پاکستان کو

چاہیئے کہ وہ قطعاً اور کسی حالت میں بھی حملہ آوروں کو:-

(۱) پاکستانی علاقہ سے کشمیر کی طرف جانے کی اجازت نہ دے۔

(۲) کسی طرح کی فوجی مدد اور رسد نہ پہنچائے۔

(۳) ہر وہ مدد جو اس کشمکش کو طول دینے کی موجب ہو سکے۔ قطعاً نہ دی جائے۔

لیاقت علی خاں نے وعدہ کیا کہ وہ اس کا جواب بھیجیں گے۔

(۳۱) دسمبر کو حکومتِ ہند نے مجلس اقوام متحدہ کی خدمت میں اپنی اپیل پیش کی، اس وقت تک لیاقت علی خاں کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

لیاقت علی خاں کی طرف سے جوابی الزامات

ٹھیک اسی روز جب حکومت ہند مجلس اقوام متحدہ کو اپنی شکایت بھیج چکی تھی۔ لیاقت علی خاں کا جواب موصول ہوا یہ جوابی الزامات کی ایک لمبی چوڑی فہرست تھی اس میں کہا گیا تھا کہ حکومتِ ہند، پاکستان کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ لیاقت علی خاں نے مجلس اقوامِ متحدہ کو جوناگڑھ کے مسئلہ پر بھی متوجہ کیا، جہاں قومی طور پر مسلمانوں کا وجود ختم کیا جا رہا تھا۔

میجر جنرل تھمیا کے کارنامے

میجر جنرل کلونت سنگھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو کشمیر سے رخصت ہوگئے انھوں نے انڈین آرمی میں چیف آف جنرل اسٹاف کا عہدہ سنبھال لیا۔ ان کی رخصت سے پہلے کشمیر کی فوج دو ڈویژنل کمانوں میں تقسیم تھی۔ میجر جنرل تھمیا سری نگر ڈویژن کے کرنل آفیسر کمانڈنگ مقرر ہوئے اور مرحوم جنرل آتما سنگھ جموں ڈویژن کے آفیسر کمانڈنگ تھے۔ کشمیر کی تاریخ میں میجر جنرل کلونت سنگھ کا شش ماہا دور نہایت نازک واقعات سے بھرپور تھا، نہایت سخت حالات سے انھیں عہدہ برآ ہونا پڑا تھا۔ اپنے فرائض انھوں نے نہایت قابلیت سے انجام دیئے، اپنے جانشینوں کے لئے وہ ایک محفوظ ملٹری پوزیشن چھوڑ گئے۔ بعد میں ان کے دونوں جانشینوں نے اپنی اپنی کمان میں قابل فخر اور یادگار کارنامے انجام دیئے۔

میجر جنرل تھمیا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ نہایت جرءت اور حوصلہ مندی سے

انھوں نے یہاں اور وادئ لداخ کو حملہ آوروں سے خالی کرالیا، اسی طرح مرحوم میجر جنرل آتما سنگھ اور ان کے آدمیوں نے ایک سال کی جانبازانہ جنگ کے بعد پونچھ کا علاقہ حملہ آوروں سے خالی کرانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

جنگ جواناں

کشمیر کے یہ جنگی کارنامے اس کے مستحق ہیں کہ اسے جنگ جواناں سے تعبیر کیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ دلیری اور بہادری کے اَن گنت واقعات عام سپاہیوں نے انجام دیئے، جن کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں ہے، انھوں نے نہایت نازک اور حد درجہ دشوار حالات میں ایک ایک انچ زمین کے لئے جان کی بازی لگادی۔

ایروائس مارشل مکرجی اور مہر سنگھ

انڈین ایر فورس نے کشمیر میں ایر وائس مارشل مکرجی کی کمان میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے جب کبھی بھی میں اس زمانہ کے کشمیر کو یاد کرتا ہوں تو ایک بہادر شخص کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے یعنی مرحوم ایر کموڈور مہر سنگھ، یہ شخص انڈین ایر فورس کا بہت بڑا ہیرو ثابت ہوا، اس کے ساتھی اور دوست اس کے دلیرانہ کارناموں کو اخلاص اور جذبہ تحسین کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ وہ مہر سنگھ تھا جس نے میجر جنرل تھمیا کو تیئس ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر اپنے طیارہ میں بٹھا کر ناقابل گزر پہاڑوں پر اڑان کی، جن کی نہ کوئی پیمایش ہوئی تھی، نہ کوئی نقشہ تھا۔ اور بالآخر سلامتی کے ساتھ میجر جنرل تھمیا کو لیہہ کے اس خراب وخستہ ہوائی اڈے پر اتار دیا۔ جسے ایک لداخی انجینیر نے گیارہ ہزار پانچسو چون فٹ کی بلندی پر تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد وہاں ہندوستانی فوج اور سامانِ جنگ کا پہنچانا آسان ہو گیا

جنگ بند کرنے کا اعلان

دسمبر ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں مجلس اقوام کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کا نئی دہلی و کراچی میں ورود ہوا کمیشن نے کشمیر میں نظم و ضبط اور امن و امان قائم ہونے کے بعد استصواب رائے کے سلسلے میں اپنے تجاویز پیش کیئے۔ دونوں حکومتوں نے یہ تجویزیں منظور کر لیں۔ حکومت ہند کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ اب فوراً سرحدی جنگ کا سلسلہ کیوں نہ بند کر دیا جائے، اس سلسلے میں کمیشن کے سرکاری اعلان کا انتظار کئے بغیر اس نے اپنے کمانڈر انچیف سر رائے بوچر Sir Roy Bucher

کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان کے کمانڈر انچیف سر ڈگلس گریسی (Sir Douglas Gracey) کو مطلع کر دیں کہ ہندوستانی فوج جنگ بند کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ وہ اس بات کا یقین دلائیں کہ جوابی اقدام کے طور پر اپنی طرف سے وہ بھی ایسا ہی کریں گے، سر گریسی نے ایسا ہی کیا۔

جنگ بندی کے وقت ہمارا پلہ بھاری تھا

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو دونوں ملکوں کی فوجوں نے جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس موقع پر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سارے محاذ پر ہمارا پلہ جنگ بند کرتے وقت بھاری تھا۔

کانگرس نے دو قومی نظریہ پر تقسیم منظور نہیں کی تھی

کشمیر کے سلسلے میں ہندوستان کا موقف وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو نہ سمجھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں حتیٰ کہ ہندوستان کے دوستوں اور بہی خواہوں میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ ہندوستان نے کشمیر کا الحاق کر کے غلطی کی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہوئی تھی اور چونکہ کشمیر میں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت تھی لہذا اسے پاکستان کے پاس جانا چاہیئے تھا۔

جناح اور مسلم لیگ نے تقسیم سے پہلے کسی قسم کے خیالات کی بھی تبلیغ کی ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ کانگرسی لیڈروں نے کبھی بھی دو قومی نظریہ کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر تقسیم ہند اس بنیاد پر ہوئی ہوتی کہ مسلمان ہندوؤں اور دوسری قوموں سے الگ ایک قوم ہیں۔ تو جو مسلمان ہندوستان میں اب تک موجود ہیں انھیں بھی رختِ سفر باندھنے پر مجبور کر دیا گیا ہوتا۔ یہ ایسی بات تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں اگر ملک کی تقسیم دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہوئی تھی تو صوبہ سرحد میں جہاں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد تھی استصواب کیوں کرایا گیا تھا؟ اور پنجاب اور بنگال کی مجالس قانون سے استصواب کیوں کرایا گیا تھا؟ مسلم اکثریت کے علاقوں کی ہندوستان سے علیحدگی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر نہ تھی بلکہ ایک سیاسی تقسیم تھی طے یہ پایا تھا کہ پاکستان اپنی اقلیتوں کو اپنے ہاں رکھے گا۔ اور ان کی حفاظت کرے گا، اسی طرح ہندوستان بھی

مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا؟[35] لیکن مسلمان اب بھی ہندستان کے شہری ہیں، ان کا ہندوستان میں رہنا ہی دو قومی نظریہ کی تردید ہے۔

جناح نے جودھپور وغیرہ سے ساز باز کیوں کی؟

اب دو قومی نظریہ پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے۔ کس بنیاد پر جناح نے جودھپور اور جیسلمیر جیسی ریاستوں کو جہاں غالب ترین اکثریت ہندوؤں کی تھی پاکستان سے ملحق کرنے کی کوشش کی؟ اس مقصد میں وہ کامیاب نہ ہو سکے یہ دوسری بات ہے ورنہ اپنی طرف سے انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں ریاستوں کو جغرافی اتصال کی وجہ سے انھوں نے پاکستان سے ملحق کرنے کی کوشش کی تھی تو جوناگڑھ کے بارے میں کیا کہا جائیگا؟ جب حکومت پاکستان نے جوناگڑھ کا الحاق کر لیا جہاں پچاسی فیصد ہندو تھے تو خود ہی دو قومی نظریہ کا جنازہ نکال دیا۔

الحاق کے سلسلہ میں حکومت ہند کا اصول

جوناگڑھ کا الحاق قبول کرتے ہوئے حکومت پاکستان نے اس بات پر زور دیا تھا کہ اس کی رائے میں ہر والئ ریاست کو پورا پورا حق ہے کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں سے جس کے ساتھ چاہے الحاق کرے۔ پھر جب مہاراجہ جموں و کشمیر نے ہندوستان سے الحاق کر لیا تو حکومت پاکستان نے انھیں یہ حق دینے سے انکار کر دیا، دوسری طرف الحاق کے مسئلہ پر حکومت ہند کے اصول میں ہمیشہ یکسانیت و ہم آہنگی رہی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر حکمران اور باشندگان ریاست کے مابین الحاق کے مسئلہ پر اختلاف ہو تو عوام کی رائے آخری اور فیصلہ کن ہوگی جوناگڑھ میں اسی اصول پر عمل کیا گیا، اس کے برعکس کشمیر میں مہاراجہ نے جب ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ کیا تو ریاست کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم یعنی نیشنل کانفرنس نے اس کی تائید کی، پھر بھی حکومت ہند نے یہ اعلان کرنے میں تامل نہیں کیا کہ باشندگان کشمیر ہی اپنی قسمت کا فیصلہ امن و امان بحال ہونے، نظم و ضبط قائم ہونے اور حملہ آوروں کے نکالے جانے کے بعد کریں گے، حکومت ہند کا یہ وعدہ اہل کشمیر سے تھا۔ پاکستان کا اس وعدہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

مجھے محمود غزنوی کے حملے یاد آرہے تھے

حکومت ہند سے جب میں نے یہ سفارش

کی کہ مہاراجہ کشمیر کی درخواست الحاق منظور کر لی جائے تو ذاتی طور پر میرے دماغ میں ایک خیال گردش کر رہا تھا، صرف ایک خیال، وہ یہ کہ کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ ہندوستان کی سالمیت کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، محمود غزنوی کے وقت سے لے کر تقریباً آٹھ سو سال تک ہندوستان شمال مغرب کے حملہ آوروں کی تاخت و تاراج اور یلغار کی آماجگاہ بنا رہا محمود غزنوی نے ہندوستان پر لگاتار سترہ حملے کئے، اور پاکستان قائم ہونے کے صرف دس ہفتے کے اندر سب سے پہلا کام اس نئی حکومت نے جو کیا وہ یہ تھا کہ شمال مغرب سے حملہ آوروں کو پیشقدمی کی اجازت دیدی۔ آج سری نگر، کل دلی، جو قوم اپنی تاریخ اور جغرافیہ کو فراموش کر دے وہ اپنی تباہی کی خود ہی ذمہ دار ہے۔

ہمارا مقصد توسیع مملکت نہ تھا

ہم کشمیر میں توسیع مملکت کا جذبہ لے کر داخل نہیں ہوئے تھے۔ اگر حملہ آوروں نے کشمیر پر پیشقدمی نہ کی ہوتی تو میں بے اندیشہ تردید کہہ سکتا ہوں کہ حکومت ہند کشمیر کو اس کے حال پر چھوڑ دیتی یہ بھی واقعہ ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جب انگلینڈ واپس گئے تو انھوں نے ایک پبلک بیان میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ حکومت ہند کی اجازت سے انھوں نے مہاراجہ کشمیر کو مطلع کر دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو بیشک پاکستان سے الحاق کر لیں۔

قبائلی حملہ آوروں کا نقشہ جنگ انگریزوں نے بنایا

کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ خود قبائلیوں کی اپنی تھی یہ سوچنا خوش فہمی کی انتہا ہے، یہ حملہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ساتھ پوری تیاری کے بعد ہوا تھا حکومت پاکستان کے انکار کے باوجود صیانتی کونسل کے کمیشن نے بھی یہ بات معلوم کر لی کہ ان پیشقدمیوں میں پاکستان کی باقاعدہ فوج بھی شریک تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض بڑے برطانوی افسر جو پاکستان میں ملازم تھے نقشہ جنگ کی تیاری میں شریک تھے، اگرچہ میں یہ نہیں کہتا کہ انھوں نے کوئی عملی حصہ بھی لیا۔

ہمارے مخصوص معلومات

بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ جیسے ہی ۳ رجون کے کابینہ پلان کا اعلان ہوا کشمیر بعض فوجی حلقوں میں توجہ اور مطالعہ کا موضوع

بن گیا، کیا وجہ تھی کہ سروے آف انڈیا سے کشمیر کے نقشے بڑی تعداد میں طلب کئے جا رہے تھے؟ گلمرگ کے پراسرار فوجی اقدام کا مقصد کیا تھا؟ اتفاق سے یہ احکام ان لوگوں کے ہاتھ میں پڑ گئے جن کے لیئے یہ نہیں صادر کیئے گئے تھے۔

کننگھم بھی مخبر تھا؟

میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سر جارج کننگھم Sir George Cunningham نے جو سر رابرٹ کھارٹ Sir Robert Lockhart کی جگہ صوبہ سرحد کے گورنر مقرر کیئے گئے تھے۔ جنرل کھارٹ کو جو اب ہندوستانی فوج کے کمانڈر انچیف تھے متنبہ کر دیا تھا کہ قبائلی نقل و حرکت شروع کر رہے ہیں، لیکن یہ انتباہ مبہم تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خود کننگھم کو بھی پورے طور پر حکومت پاکستان نے اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ بہر حال ان اطلاعات کی بنیاد پر حکومتِ ہند نے کوئی پیش بندی ضروری نہیں سمجھی۔ کشمیری فوج کے مسلمان سپاہیوں کا یک بیک غائب ہو جانا اور ٹھیک نفسیاتی لمحہ پر جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری کا سری نگر پہنچنا اور خود جناح کا لاہور میں موجود رہنا، کسی اتفاق پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

انگریز ہر موقع پر خضر راہ ثابت ہوئے

بالکل اسی درجہ کا واقعہ گلگت کا ہے۔ گلگت ایک سرحدی ایجنسی تھی، جیسے خیبر اور مالاکنڈ، وہ پولیٹکل ایجنسی نہیں تھی، جیسے بھوپال اور شملہ کی ایجنسیاں۔ ایک سینیئر انگریز افسر نے جو اس علاقہ سے اچھی طرح واقف تھا حکومتِ ہند کو متنبہ کر دیا تھا کہ کشمیر گلگت ایجنسی کے بڑے علاقہ پر سوات اور چترال کی مخالفت کے بعد قبضہ نہیں رکھ سکے گا، نہ داخلی امن قائم رکھ سکے گا نہ نظم و انتظام کی ذمہ داریاں صحیح طور پر انجام دے سکے گا۔ بلکہ اپنی فوج کو رسد تک نہیں بہم پہنچا سکے گا۔ جب تک اس کے پاس ہوائی فوج اور پیراشوٹ نہ ہوں وہ اپنا عملہ بھی وادیٔ کشمیر سے پرے نہیں بھیج سکے گا۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی طرح بھی ایجنسی کے کارفرماؤں اور اسکاؤٹس کو ان کی جگہ سے ہٹا نہیں سکے گا، نہ اس میں اتنی سکت ہے کہ سرحدی انتظام اور دفاع کے گراں بار معارف برداشت کر سکے۔ اس کے باوجود پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ نے ایجنسی مہاراجہ کو واپس کر دی۔ اور بالادستی ختم ہونے

کے بعد بظاہر ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ ادھر گلگت کا علاقہ مہاراجہ کو واپس کیا گیا، ادھر پاکستان نے اس پر قبضہ کر لیا۔

جنرل طارق یعنی میجر جنرل اکبر خاں

قبائلی حملہ آوروں کا قائد ایک پراسرار پاکستانی افسر تھا، جو جنرل طارق کے نام سے مشہور تھا، بعد میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ پاکستانی فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف میجر جنرل اکبر خاں تھے بعد میں ان کی جگہ میجر جنرل شیر خاں نے لے لی، ان لوگوں کی بد دبڑی قابلیت کے ساتھ محمد زماں کیانی، برہان الدین اور انڈین نیشنل آرمی کے سابق افسران کر رہے تھے، جسے سو بھاش چندبوس نے دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں ملایا میں قائم کیا تھا۔

قبائلیوں کے لالچ نے سارا کھیل بگاڑ دیا

جن لوگوں نے یہ نقشہ جنگ بنایا تھا ان کی ذہانت اور سوجھ بوجھ قابل تعریف ہے۔ جس سرعت اور تیزی سے اپنے پروگرام کو بروئے کار لائے وہ بھی سزاوار تحسین ہے۔ لیکن ان کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ یہ قبائلی حملہ آوروں کے بنیادی کردار کو نظرانداز کر گئے، انہوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ قبائلی حملہ آور لوٹ مار کے کتنے شائق ہیں۔ بارامولا میں کئی روز تک یہ لوٹ مار کرتے رہے اور یہی چند دن ان کے لئے مہلک ثابت ہوئے۔ دوسری غلطی ان لوگوں سے یہ ہوئی کہ یہ لوگ ہماری بری اور فضائی فوج کی استعداد کار اور سرعت رفتار کا اندازہ بھی نہ کر سکے، جس کی مستعدی اور قابلیت نے ہماری فوجوں کو ٹھیک اس وقت میدان میں اتار دیا جبکہ ایک ایک سیکنڈ بڑا قیمتی تھا۔

لوگ قسمت کے غلام اسی وقت بنتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو قسمت کا مالک سمجھنے لگیں۔[۱]

---

[۱] مسٹر مینن کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ مسٹر منشی کی طرح وہ شدت جذبات میں ایسی باتیں نہیں لکھتے جن میں رکاکت اور ابتذال ہو، یا جذبہ دروں اتنے بھونڈے طور پر آشکار ہو جائے کہ بات بنائے نہ بن سکے، مینن صاحب نے ہندوستان کا نقطۂ نظر اپنی کتاب میں بڑی قابلیت سے پیش کیا ہے، ان کی تحریر میں روانی اور شگفتگی کے ساتھ ساتھ متانت کو بھی برقرار رکھا ہے یہی چیز ہے جس نے ان کی تحریر میں وقار پیدا کر دیا ہے۔ ان کے خیالات اور تاثرات سے، دلائل اور مزعومات سے

توجیہات اور تعلیلات سے اختلاف ہے۔

مسٹر مینن کا یہ اسلوب تحریر ساری کتاب میں پوری یکسانیت کے ساتھ موجود ہے، لیکن کشمیر پر جو طویل باب انھوں نے سپرد قلم کیا ہے اس نے ان کے طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکال دیا ہے انھوں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اب تک قارئین کتاب کا فخر کے لہجہ میں اپنی صنعت گری کی بنیاد پر مذاق اڑا سکتے تھے کہ ـــــ آشکارا صید و پنہانم نہ دید لیکن اس باب میں اگر ان کا آشکار، پنہاں اور پنہاں آشکار ہو گیا ہے۔ وہ اتنے جذباتی بن گئے ہیں کہ نہ انھیں اپنے لب و لہجہ پر قابو رہا ہے، نہ الفاظ پر، نہ جانے کتنی شکلوں سے انھوں نے اپنا بھرم قائم کیا تھا کشمیر نے اسے چھین لیا، شاید یہ باب لکھتے وقت وہ سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا تھے ضمیر کی خلش بار بار قلم روکتی تھی، لیکن، تعصب کی لہریں اس خلش کو دبا دیتی تھیں، ضمیر پر نفس غالب آیا اور وہ بے لگام ہو گئے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ جو شخص قبائلیوں کو مظلوم کشمیریوں کے لئے برسر جنگ دیکھ کر محمود غزنوی کو دیکھنے لگے اس کے بارے میں آپ کیا رائے قائم کریں گے؟ کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ ہندو اکثریت والے جوناگڑھ کا تذکرہ کرتے ہوئے، سومنات کے برباد مندر کی تصویر کھینچتے ہوئے مینن صاحب پر محمود غزنوی کی ہیبت و جلالت، اور جرءت و عظمت اتنی مستولی نظر نہیں آتی جتنی خالص مسلم آبادی رکھنے والے کشمیر میں قبائلی حملہ آوروں کو دیکھ کر طاری ہو جاتی ہے، ایک زمانہ تھا کہ پنڈت مدن موہن مالوی نے گاندھی جی سے کہہ سن کر افغانی ہوّے کے ڈر سے آزادی ہند کی تحریک بند کر دی تھی، اور شدھی سنگٹھن کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ اور اب پچیس تیس سال بعد، جب دنیا پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کر چکی تھی، مینن صاحب کو قبائلی ہوّا نظر آیا، اور وہ کہہ اٹھے ـــــ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں!

مینن صاحب نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ فرمایا ہے کہ دو قومی نظریہ کی بنا پر کانگرس نے تقسیم ہند نہیں قبول کی تھی، صرف سیاسی بنیاد پر اس نے تقسیم کا اصول مانا تھا۔

ممکن ہے مینن صاحب اس طرح غلط بیانی کر کے اپنے دل کو تسلی دے لیں، لیکن ساری

دنیا کو بے وقوف بنانے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر سایہ کام کرنے کا شرف مسٹر ہمین کو حاصل ہو چکا ہے۔ مولانا نے انڈیا ونس فریڈم India Wins Freedom کے نام سے جو مبنی بر حقائق کتاب لکھی ہے، ہمین صاحب نہ اس کے وجود سے ناواقف ہو سکتے ہیں، نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اسے شرف مطالعہ نہیں بخشا اس کتاب میں مولانا نے صاف، واضح، اور غیر مشتبہ الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ جب نہرو اور پٹیل نے تقسیم ہند کا اصول مان لیا، تو مولانا نے ان دونوں سے فرمایا کہ اگر دو قومی نظریہ پر کانگرس تقسیم ملک تسلیم کرتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب تک قومیت متحدہ اور وحدتِ ہند کے سلسلہ میں کانگرس جو کچھ کر چکی ہے اب خود اس کی نفی کر رہی ہے۔ تو جواہر لال نے جواب دیا۔

حقائق کا انکار کرنے سے کیا فائدہ؟

اور سردار پٹیل نے فرمایا۔

ہم اور آپ زبان سے دو قومی نظریہ کی چاہے جتنی مخالفت کریں، لیکن اس حقیقت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ اور جداگانہ قومیں ہیں۔

یہ جواب لاجواب سن کر مولانا، گاندھی جی کے پاس پہنچے، وہی گاندھی جی، جو اب تک یہ فرما رہے تھے کہ ہندوستان کی تقسیم میری لاش ہی پر سے ہو سکے گی، جو تقسیم ہند کو گئو ماتا کے دو ٹکڑے کر دینے سے تعبیر کر رہے تھے۔ گاندھی جی سے مولانا نے اپیل کی کہ وہ پٹیل اور نہرو کو روکیں، اور ہندوستان تقسیم نہ ہونے دیں، گاندھی جی خود ایک ساتھی کی ضرورت محسوس کر رہے تھے انھوں نے پوچھا

مولانا کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟

مولانا نے خوش ہو کر فرمایا۔

اور میں آپ کس لئے ہوں؟

مولانا کے بعد پٹیل نے گاندھی جی سے ملاقات کی، پٹیل کے بعد پھر مولانا نے گاندھی جی سے ملاقات کی تو معلوم ہوا دنیا بدل چکی ہے۔ گاندھی جی بھی پٹیل کی زبان میں بولنے لگے تھے!

کیا اس کے بعد بھی ہمین صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ کانگرس نے دو قومی نظریہ کی بنا پر تقسیم

ہند نہیں قبول کی تھی؟

۱۶ رجون ۱۹۴۶ء کے کابینہ پلان کی رو سے آسام جیسا چھوٹا سا صوبہ عارضی طور پر یعنی صرف انتخاب جدید تک کے لئے مسلم بلاک میں شامل کیا گیا تھا۔ گاندھی، پٹیل، نہرو کانگرس کی مجلس عاملہ، سب نے کابینہ پلان بغیر کسی شرط کے منظور کر لیا تھا، لیکن جب باردولائی نے توجہ دلائی اس طرح آسام کے ہندو، بنگالی مسلمانوں کے رحم وکرم پر ہو جائیں گے تو فوراً گاندھی جی نہرو، پٹیل، سب یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ آسام مسلم بلاک میں شامل نہیں ہوگا۔ بات اتنی بڑھی کہ آخر عارضی طور پر آسام نہ دے کر مستقل طور پر پاکستان دینا پڑا۔

کیا پھر بھی میمن صاحب فرمائے جائیں گے کہ کانگرس نے دو قومی نظریہ نہیں مانا تھا؟

مسلم لیگ نے، پورے بنگال اور پورے پنجاب کا مطالبہ کیا تھا۔ اس لئے کہ ان دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن کانگرس نے سنگ گراں بن کر کہا کہ بنگال اور پنجاب کے جن علاقوں میں ہندو اکثریت ہے، وہ پاکستان میں شریک نہیں ہوں گے۔ اور مشرقی پنجاب و مغربی بنگال کے صوبے بنا کر ایسا ہی کیا گیا۔

کیا یہ دو قومی نظریہ پر کانگرس کا عمل نہ تھا؟ میمن صاحب کے پاس کوئی جواب ہے اس سوال کا؟

مشرقی اور مغربی پنجاب میں جب خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی، انسانیت ذبح کی جا رہی تھی بے گناہوں کی گردنیں کاٹی جا رہی تھیں، بچوں اور عورتوں کو ہدف ستم بنایا جا رہا تھا اس وقت وہ پنڈت جواہر لال نہرو تھے جنھوں نے انخلائے آبادی کی تجویز پیش کی، قائد اعظم اور لیاقت علی خاں اس تجویز پر رضامند نہ تھے، لیکن بالآخر انہیں رضامند ہونا پڑا۔ تجویز یہ تھی کہ جالندھر ڈویژن تک کا علاقہ مسلمانوں سے خالی کرا لیا جائے۔ جب اس تجویز پر عملدرآمد شروع ہوا تو کانگرس اور نہرو کی تحریک پر مزید وسعت کے ساتھ یہ تجویز پیش کی گئی یعنی سارا مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی کرا لیا جائے، مسلم لیگ، قائد اعظم اور لیاقت علی خاں کی مخالفت کے باوجود سارا مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی کرا لیا گیا، جن مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے ترک وطن کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو صدر صوبہ کانگرس کمیٹی۔ خواجہ

غلام السیدین مشیر تعلیمات حکومتِ ہند، اور یادش بخیر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مجلس احرار کے امام حاضر الوقت بھی تھے۔

کیا مسٹر مین بتائیں گے کہ اگر کانگرس دو قومی نظریہ کی حامی نہیں تھی تو مشرقی پنجاب کے وہ مسلمان جو اپنے وطن میں رہنا چاہتے تھے کیوں خانماں برباد کئے گئے۔ دلی میں جب مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو وہاں کی غالب ترین مسلم آبادی رکھنے والے محلے، قرولباغ، پہاڑ گنج اور سبزی منڈی وغیرہ بھی بنوکِ سنگین مسلمانوں سے خالی کرائے گئے اور ٹھٹھرا دینے والی سردی میں مسلمانوں کو جن میں دولت مند بھی تھے اور غریب بھی، تاجر بھی تھے اور مزدور بھی، شاندار حویلیوں کے مالک بھی تھے اور خس پوش جھونپڑیوں میں رہنے والے بھی بچے بھی تھے اور عورتیں بھی، جوان بھی اور بوڑھے بھی، بیمار بھی اور ضعیف بھی، ان سب کو رگید رگید کر پرانے قلعہ کے کھلے میدان میں بھیڑ بکری کی طرح بھر دیا گیا جہاں نہ پانی کا کوئی انتظام تھا، نہ طہارت کا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بڑے دردناک انداز میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

مسٹر مین ارشاد فرمائیں کہ اگر کانگرس دو قومی نظریہ پر ایمان نہیں رکھتی تھی تو دہلی کے مسلمانوں کو دہلی ہی میں کیوں خانماں برباد کیا گیا۔

مسٹر مین کو معلوم ہونا چاہیئے، بلکہ انھیں معلوم ہے مگر وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں کہ ہندوستان میں جو مسلمان رہ رہے ہیں وہ ایک قومی نظریہ کی بنا پر نہیں ہیں اور پاکستان میں جو ہندو موجود ہیں ان سے دو قومی نظریہ کی تردید نہیں ہوتی، سوال یہ تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی جہاں ان کی غیر معمولی اکثریت ہے اور وہ آزادانہ حیثیت سے اپنا وجود محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور ان کا یہ علاقہ غیر ممالک سے براہ راست سلسلہ مواصلات قائم رکھ سکتا ہے، وہ ایک قوم کی حیثیت سے اپنا جداگانہ تشخص قائم رکھنے کا حق رکھتے ہیں لیکن جہاں یہ صورت نہیں ہے، جہاں ان کی آبادی بکھری ہوئی ہے، جہاں وہ غیر ممالک سے براہ راست سلسلہ مواصلات قائم نہیں رکھ سکتے، وہاں وہ ایک قوم (Nation) نہیں ہیں۔ وہاں وہ ضمنی قوم (Sub-nation) ہیں۔ یوپی میں نوے لاکھ اور بہار میں ساٹھ لاکھ کی

تعداد رکھنے کے باوجود مسلمان اتنے بکھرے ہوئے تھے کہ کسی ایک شہر میں بھی ان کی اکثریت نہیں تھی۔ لہٰذا ایک قوم کی حیثیت سے اپنے جداگانہ وطن کا وہ مطالبہ نہیں کر سکتے تھے، یہی صورت ان ہندوؤں کی تھی جو پاکستان میں رہ گئے تھے، اور اسی بدقسمتی کے باعث سکھ اپنا جداگانہ وطن نہیں بنا سکے، ورنہ نیپال، بھوٹان اور سکم جیسی چھوٹی ریاستیں اپنی جداگانہ حیثیت قائم کریں۔ مگر یوپی اور بہار کے مسلمان اور پنجاب کے سکھ عظیم تعداد کے باوجود اس سے محروم رہ جائیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ مسٹر مینن نے اسی باب میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ جو لوگ کسی مسئلہ کو نہ سمجھنا چاہیں انھیں کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ یہی الفاظ میں مسٹر مینن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مسٹر مینن نے بزعم خود قائد اعظم پر بہت بڑا اور سنگین اعتراض یہ کیا ہے کہ دو قومی نظریہ کے مبلغ ہونے کے باوجود انھوں نے جودھپور، جیسلمیر اور جوناگڑھ وغیرہ کو پاکستان سے ملحق کرنے کی کوشش کیوں کی؟ مسٹر مینن کا خیال ہے کہ یہ الزام اٹھائے نہیں اٹھ سکے گا، لیکن وہ اسے بھول جاتے ہیں کہ قائد اعظم نے صرف ان ریاستوں کا پاکستان سے الحاق کرنے پر آمادگی ظاہر کی جو از روئے آئین و دستور آزاد تھیں، ہندوستان کا ایک جزو نہ تھیں اور سرحدی اعتبار سے وہ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی سلسلۂ مواصلات قائم رکھ سکتی تھیں جودھپور، جیسلمیر اور جوناگڑھ کی یہی صورت تھی، ورنہ کپورتھلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر قائد اعظم نے اس طرف رخ بھی نہیں کیا، حیدرآباد بجائے خود ایک مملکت تھی اور حکومت برطانیہ اپنے سرکاری کاغذات میں ہمیشہ اس کے لئے ڈومینین (Dominion) کا لفظ استعمال کرتی رہی، مگر قائد اعظم نے کبھی بھی پاکستان سے اس کا الحاق نہ چاہا، حالانکہ حیدرآباد کے ارباب کار و ارباب اقتدار ایسا چاہتے تھے۔ بھوپال اور دوسری مسلم ریاستوں کے ساتھ بھی قائد اعظم کا یہی رویہ رہا۔ وہ اگر چاہتے تو بڑی آسانی سے دستاویز الحاق پر ان سے دستخط کرا سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

مینن صاحب نے مہاراجہ کشمیر کی معذوریاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مہاراجہ محسوس کرتے تھے کہ اگر انھوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا تو ریاست کے ہندو، لداخ کے بدھ

اور نیشنل کانفرنس کے مسلمان اس اقدام کی سخت مخالفت کریں گے، اگر یہ اعتراض وزنی ہے تو نظام کو بھی اس عذر پر عمل کرنے کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ ریاست کے پندرہ پیس فیصد ہندوؤں بدھوں اور کانگرسی مسلمانوں کی ناراضامندی کے ڈر سے اگر اسی فیصد مسلمان رعایا کے جذبات کچلے جا سکتے تھے تو نظام بھی ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔

مینن صاحب اور دوسرے حضرات لیس پوت کرنے کی کتنی ہی کوشش کریں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ کشمیر پر قبضہ کا پروگرام تقسیم ہند سے پہلے ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی رہنمائی میں حکومتِ ہند نے تیار کر لیا تھا۔

کشمیر ہندوستان سے بالکل منقطع تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہندوستان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا، نہ اس راستے کی اسے ضرورت تھی، لیکن چونکہ ہندوستان کی یہ خواہش تھی کہ کشمیر کو ہتھیالے، اس لئے مہاراجہ کشمیر کو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو شریک سازش کرکے نقشۂ عمل یوں بنایا گیا۔

(۱) گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور تقسیم کے شرائط کے لحاظ سے اسے پاکستان میں آنا چاہیئے تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم کا جو اعلان کیا، اس میں گورداسپور پاکستان میں شامل رکھا گیا تھا۔

(۲) لیکن ریڈ کلف (Radcliffe) کو جب ثالث بنایا گیا تو اس نے گورداسپور پاکستان سے چھین کر ہندوستان کے حوالے کر دیا، اور اس طرح کشمیر میں داخلہ کا راستہ ہندوستان کے لئے پیدا کر دیا۔

(۳) پنڈت رام چندر کاک جو کشمیر کے وزیر اعظم تھے ایک حقیقت پسند آدمی تھے۔ ان کی رائے تھی کہ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ الحاق کر لینا چاہیئے۔ اسی جرم میں وہ وزارتِ عظمیٰ سے الگ کیے گئے۔

(۴) مہر چند مہاجن کشمیر کے نئے وزیر اعظم بنائے گئے، جن کی مہاسبھائی اور مخالفِ پاکستان ذہنیت عالم آشکار تھی۔ انھوں نے مہاراجہ کو سبق دیا کہ کشمیر کا پاکستان سے الحاق نہ کریں۔

(۵) کشمیر کا ہندوستان سے الحاق اگر صرف مہاراجہ کرلیتے تو قیامت برپا ہوجاتی لہذا مہاراجہ کو مشورہ دیا گیا کہ جس عبداللہ کو غداری اور بغاوت کے الزام میں انھوں نے نذر زنداں کر رکھا تھا، اسے رہا کر کے قلیل وزارت کی ذمہ داری سونپ دیں۔ تاکہ دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالی جاسکے اور یہ باور کرایا جاسکے کہ کشمیر خود ہمارے پاس آیا ہے، ہم اس کے پاس نہیں گئے۔ ورنہ سوچنے کی بات ہے، بغیر کسی وجہ اور سبب کے دفعتہً ایک غدار اور باغی شخص کو جیل کی کوٹھڑی سے نکال کر وزارت عظمیٰ کے ایوان میں پہنچانا کیا معنی رکھتا ہے؟

مسٹر مینن نے بڑے حسرت انگیز لہجہ میں فرمایا ہے کہ پاکستان کی دراز دستیوں سے تنگ آکر مہاراجہ نے وزیر اعظم برطانیہ سے فریاد کرتے ہوئے تار بھیجا، مگر انھوں نے جواب تک نہیں دیا۔

ہندوستان کی دراز دستیوں سے تنگ آکر جب نظام نے اسی طرح کا تار وزیر اعظم برطانیہ کو دیا تھا تو نہرو، پٹیل اور دوسرے وزراء عالی مقام چراغ پا ہوگئے تھے۔ وہی بات اگر نظام کریں تو معیوب، مہاراجہ کشمیر کریں تو مستحسن۔

مینن صاحب نے مہاراجہ کشمیر کی اس شکایت کو بڑے شد و مد سے پیش کیا ہے کہ حکومت پاکستان نے اشیاء ضروری کی رسد پہنچانے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ حالانکہ انھیں حکومت پاکستان کے اس جواب کا علم تھا کہ یہ تاخیر مشرقی پنجاب کے ہولناک حوادث کے باعث سلسلہ مواصلات۔ درہم برہم ہونے کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ اس معقول جواب کو عذر لنگ سمجھ کر ہندوستان سے الحاق کرلینا مہاراجہ کے تدبر کا شاہکار ہے۔

مینن صاحب قبائلی حملہ آوروں کی تاخت و تاراج کا افسانہ سن کر جب کشمیر پہنچے اور انھوں نے مہاراجہ کو حواس باختہ اور سراسیمہ پایا تو فرماتے ہیں۔

"میں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً جموں تشریف لے جائیں اور اپنے ساتھ تمام گراں مایہ چیزیں بھی لیتے جائیں۔!"

مسٹر مینن کا یہ مشورہ یقیناً خلوص اور ہمدردی پر مبنی ہوگا۔ لیکن بیرونی حملہ آوروں کی تاخت و تاراج سے سراسیمہ ہو کر نواب جوناگڑھ جب اپنی قیمتی چیزیں لے کر پاکستان

چلے گئے تو وہ بھی ہمدردی کے مستحق تھے، مگر ان کے لئے تو مینن صاحب کے پاس طنز و تعریض کے سوا کچھ نہیں ہے۔!

مینن صاحب نے فرمایا ہے کہ جب کشمیر میں ہندوستانی فوجیں بھیجنے کا سوال پیدا ہوا تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کشمیر کی حیثیت اس وقت آزاد ملک کی ہے، لہٰذا وہاں ایک غیر ملک یعنی ہندوستان کی فوجیں بھیجنا مناسب نہ ہوگا۔

لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے اس نظریہ کو اس وقت بالکل فراموش کر گئے جب ان کی زیر صدارت حیدرآباد کی آزاد مملکت کے خلاف پولیس ایکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

مسٹر مینن کی اس تحریر سے ایک بہت دلچسپ بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور انڈین آرمی، نیوی اور ایر فورس کے تینوں انگریز چیف آف اسٹاف نے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ ہندوستان کا کشمیر میں فوجی مہم بھیجنا بہت بڑے خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے تو نہرو نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قبائلی حملہ آور سری نگر میں مقیم انگریز باشندوں کو ہلاک کر دیں گے۔

گویا کشمیر میں فوجی مہم بھیجنے کا ایک سبب انگریزوں کی جان بچانا بھی تھا، بہت خوب۔

گرداب دار یار تیرے صدقہ جائیے

دریا کا پھیر پایئے تیرا نہ پایئے

مسٹر مینن نے تحریر فرمایا ہے کہ کشمیر کے عوامی لیڈر شیخ عبداللہ کے خلاف لیاقت علی خاں نے جب تند و ترش بیان دیا تو نہرو اتنے خفا ہوئے کہ ان سے ملاقات کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

لیکن کشمیر کے وہی عوامی لیڈر شیخ عبداللہ ہیں جو کئی سال سے پنڈت نہرو کی قید میں ہیں اور ان کا جرم یہ ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق کیوں نہیں پسند کرتے جب تک وہ نہرو کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ اس وقت تک وہ کشمیر کے سب سے بڑے لیڈر تھے لیکن جب انھوں نے کشمیر کے حق خود ارادیت کا مطالبہ کیا جس کی ضمانت بار ہا خود نہرو دے چکے تھے تو معتوب بن گئے، اسیر زنداں کر دیئے گئے۔ اور غداری کے الزام میں ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔

زیبِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا؟
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

مینن صاحب نے بتایا ہے کہ لیاقت علی خاں نے ایک مطالبہ یہ کیا تھا کہ استصواب رائے سے پہلے شیخ عبداللہ کی جگہ کوئی غیر جانبدار وزیر اعظم مقرر کیا جائے۔ نہرو نے جواب دیا کہ غیر جانبدار وزیر اعظم کے تقرر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ وزارت کا قیام تمام تر عوام کے فیصلہ پر منحصر ہے اور شیخ عبداللہ عوام کے نمایندہ ہیں۔

اصولی اعتبار سے یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کے منتخب کئے ہوئے وزیر اعظم شیخ عبداللہ کو مین اُس وقت جب کشمیر اسمبلی کا اعتماد انھیں حاصل تھا اور کشمیر کے عوام انھیں بت کی طرح پوج رہے تھے ایک بیک کس جرم میں وزارت سے معزول کر کے گرفتار کیا گیا؟ اور غیر معین مدت کے لئے جیل میں ڈال دیا گیا، لیاقت علی خاں کا مطالبہ اگر نا قابل تسلیم تھا تو نہرو کا یہ فیصلہ کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ کس اصول سے؟

مینن صاحب نے حکومت ہند کا یہ اصول بڑے زور شور سے پیش کیا ہے کہ اگر کسی ریاست میں فرماں روا اور عوام کے مابین الحاق کے مسئلہ پر اختلاف ہو تو عوام کا فیصلہ تسلیم کیا جائیگا اسی اصول کی بنا پر انھوں نے حیدر آباد، جوناگڑھ، اور مانگرول وغیرہ کا جبری الحاق جائز قرار دیا ہے لیکن کشمیر میں جب یہی صورت پیدا ہوئی اور عوام نے ہندوستان سے الحاق نہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ نیز عوامی لیڈر اور وزیر اعظم شیخ عبداللہ بھی بالآخر اس مطالبہ کے علمبردار بن گئے تو حکومت ہند نے کشمیر کا الحاق مسترد کیوں نہیں کیا؟ کیا جو اصول حیدر آباد اور جوناگڑھ میں صحیح ہے کشمیر میں آکر حرف غلط بن جاتا ہے؟

مینن صاحب کو کشمیر کے ان مسلمانوں سے جو فوج، پولیس اور سیکریٹریٹ میں ملازم تھے یہ شکایت ہے کہ انھوں نے مہاراجہ کا ساتھ نہ دیا۔

لیکن اگر یہ شکایت سچی ہے تو کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ مہاراجہ کشمیر کے ظلم و استبداد نے لوگوں کو ان سے متنفر کر دیا تھا؟ وہ قوم اس مہاراجہ کی کس طرح وفادار رہ سکتی تھی جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ کچلا ہو ان کے حقوق چھینے ہوں عزت اور سربلندی کے دروازے

ان پر بند کر دیئے ہوں ان کی مسجدوں اور خانقاہوں پر قبضہ کر لیا ہو انہیں تبلیغ اسلام کے حق سے محروم کر دیا ہو۔ اور اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جائے تو ضبطیٔ جائداد کے علاوہ اس کے لئے اور بھی سزائیں نافذ کر دی ہوں۔ مہاراجہ کشمیر کی ان ستم رانیوں کا نظام حیدرآباد کی رواداری سے موازنہ کیجئے، پھر سوچئے، ملازمین ریاست کیوں مہاراجہ سے بددل اور متنفر تھے۔

مینن صاحب نے اس باب میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ پنڈت نہرو نے بار بار مجلس اقوام متحدہ کے ذریعہ استصواب رائے عامہ کا وعدہ کیا۔

اس سلسلے میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ہندوستان سے کشمیر کا الحاق ایک صحیح اور درست فعل تھا تو حکومت ہند نے استصواب رائے عامہ پر آمادگی کیوں ظاہر کی؟ استصواب کے لئے حکومت ہند کا تیار ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے موقف کی کمزوری کو محسوس کر رہی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اب تک بارہ سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود یہ وعدہ پورا کیوں نہیں کیا گیا؟ مجلس اقوام متحدہ نے بار بار اپنے مبصر بھیجے، ناظم استصواب کا تقرر کیا غیر جانبدارانہ استصواب کی ضمانت کے لئے متعدد تجویزیں منظور کیں، لیکن پنڈت نہرو نے جس طرح اپنا وعدہ خود اپنے پاؤں سے روند ڈالا اسی طرح مجلس اقوام متحدہ کا وقار بھی خاک میں ملا دیا۔ آج کشمیر ان کے قبضہ میں ہے شیخ عبداللہ جیل میں ہیں لیکن وہ وقت آئے گا اور جلد آئے گا جب حق کو فتح ہو گی اور باطل ناکام ہو گا کہ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے، اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔

مسٹر مینن نے ہندوستانی فوج کے ان سرفروش اور جانباز افسران کی کارگزاریوں کا ذکر فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے، جنھوں نے میدان جنگ میں "دشمن" سے لڑتے ہوئے جان دیدی۔

یقیناً اس سلسلہ میں مسٹر مینن کے جذبات قابلِ احترام ہیں، لیکن ایک سوال اس جگہ پھر بڑا ٹیڑھا پیدا ہوتا ہے۔

ایک ہندو مہاراجہ کو بچانے، اس ہندو مہاراجہ کی مسلمان رعایا کو کچلنے، اور ان کاموں کو

انجام دینے کے لئے ہندو حکومتِ ہند کے احکام کی تعمیل کرنے کے سلسلہ میں، جن ہندو افسران نے جان کی بازی لگا دی، وہ یقیناً مستحق تبریک و ستائش ہیں۔

لیکن مینن صاحب اس جاں باز اور سرفروش مسلمان کو بھول گئے، جس کا نام بریگیڈیر عثمان تھا، جو کانگریس کے معمار، اور محسن، گاندھی اور پنڈت نہرو کے مستقل میزبان، اور نیشنلسٹ، قومیت متحدہ کے علمبردار، اور قافلہ سالار ڈاکٹر انصاری کے بھانجے تھے، جنھوں نے مسلمان ہونے کے باوجود، کشمیر کے مورچہ پر، ہندو مہاراج، اور ہندو حکومت کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کی، اور اتنی بہادری کے ساتھ لڑے کہ آخر اپنی جان تک قربان کر دی، جن کی لاش فوجی اعزاز کے ساتھ دہلی لائی گئی، اور جامع مسجد سے جن کا جنازہ بڑی دھوم سے جامعہ ملیہ (اوکھلہ) پہنچایا گیا، اور ڈاکٹر انصاری کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

یہ سارے واقعات مسٹر مینن کے سامنے کے ہیں کیونکہ وزارت امورِ ریاست کے سکرٹری کی حیثیت سے وہ دہلی ہی میں تشریف فرما تھے۔

لیکن یہ کتاب لکھنے جب بیٹھے تو انھیں کلونت سنگھ، آتما سنگھ، ہرچند، مکرجی، اور دوسرے بہت سے بے نام و نشان جوان تو یاد آ گئے جنھوں نے کشمیر کے مورچہ پر داد شجاعت دی تھی۔ لیکن نہ یاد آیا تو وہ جان نثار عثمان ——— مینن صاحب سے کہیں زیادہ انسانیت تو ان مرحوم میں تھی، جو کھلم کھلا ہند و مسلم جنگ لڑنے میدان میں اترے تھے، لیکن اپنے میر آتش ابراہیم گاردی کو ہمیشہ ممنونیت کے ساتھ انھوں نے یاد رکھا، بیچارے عثمان کی قسمت میں یہ بھی نہ تھا۔

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

(۳۲)

کشمیر اور فیلڈ مارشل آکنلک

تقسیم ہند کے بعد سپہ سالار اعلیٰ (Supreme Commander) کے منصب پر فیلڈ مارشل آکنلک فائز ہوئے تھے، گویا ہندوستان اور پاکستان کے مشترک فوجی سربراہ، ان کا صدر دفتر دہلی میں تھا، یہ بھی، پاکستان کے مخالف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسی طرح آلۂ کار تھے جس طرح دوسرے انگریز۔

ابھی حال میں فیلڈ مارشل کی تنقیدی سوانحعمری جو اہم دستاویزات پر مشتمل ہے لندن سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں کشمیر کے متعلق بعض اہم حقائق درج ہیں۔ میں نے یہ کتاب خرید لی تھی اور اس باب کا ترجمہ کر کے شامل کتاب کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ ایک مقامی معاصر میں اس باب کا ستھرا ترجمہ نظر سے گزرا، ذیل میں شکریہ کے ساتھ اسے درج کرتا ہوں:

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قائم مقام انگریز کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی نے قائداعظم کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ پاکستانی فوج کشمیر میں داخل کی جائے۔ اور اپنے اس فیصلے کی اطلاع دہلی میں سپریم کمانڈر، فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک کو دی تھی۔ آکنلک نے جنرل گریسی کے اس فیصلے کی حمایت کرتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر پاکستان نے کشمیر میں فوج بھیجی

تو انگریز افسر مستعفی ہو جائیں گے۔ دوسری طرف ہندوستان میں اسی انگریز سپہ سالار نے بھارتی فوج سری نگر بھیجدی تھیں اور آکنلک نے اس کی تعریف کی تھی۔

فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک کی سوانح حیات مصنفہ جان کرنل کے صفحات ۹۳۲، ۹۳۰ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس میں اس فرنگی سیاست اور ہندو سے سازش کا انکشاف ہوتا ہے۔ خود جان کرنل نے بھی فیلڈ مارشل کو اس "تدبر" کے لئے خراج تحسین پیش کیا ہے جس کا ۲۷ اکتوبر کو مظاہرہ کیا گیا۔ ان سطور سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں نے عمداً اور ملی بھگت کے تحت کشمیر بھارت کے حوالے کیا۔

قضیہ کشمیر کی سیاسی اور دستوری پیچیدگیوں کو کچھ دیر کے لئے نظر انداز کر دیجئے۔ تقسیم ہند سے قبل کشمیر ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی ریاست تھی اور چونکہ اس ریاست کی سرحدیں تبت چین اور سوویت یونین سے ملتی ہیں اس لئے یہ ریاست عسکری نقطۂ نظر سے کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ اس کی چالیس لاکھ سے زائد آبادی میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہندو تھے۔ باقی ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی لیکن یہ ہندو اقلیت مہاراجہ سر ہری سنگھ کے تحت ایک چھوٹی سی عدیدہ یا چند سری حکومت در Oligarchy تھی ریاست کی دولت انہی ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ اقتدار انہی کے پاس تھا اور خصوصی مراعات انہی کو حاصل تھیں۔ جواہر لال نہرو اسی عدیدہ کی ایک شاخ یا جزو تھے۔ آزادی اور اقتدار کی منتقلی کے فوری بعد دیسی ریاستوں پر بڑی سختی اور بے رحمی سے یہ دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی ڈومینین میں شامل ہو جائیں کشمیر کا مسئلہ بہر صورت ذرا مختلف نوعیت کا تھا۔ ۱۲ اگست کو مہاراجہ کشمیر نے بھارت اور پاکستان کے ساتھ معاہدۂ جاریہ پر دستخط کئے۔ اس طرح انھوں نے ہندو کی حیثیت سے بھارت کے ساتھ الحاق اور اپنی مسلم رعایا کی پاکستان کے ساتھ الحاق کی خواہش کے بین بین سمجھوتے کی صورت نکالی اس کے بعد انھوں نے اس مسئلہ کو کھٹائی میں ڈال دیا اور کسی قطعی فیصلہ پر پہنچنے سے انکار کر دیا۔ اگست کے خاتمہ سے پہلے دلارڈ، اسمے سے جو کچھ عرصہ کے لئے چھٹیاں منانے کشمیر گئے ہوئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ وہ مہاراجہ کو کسی فیصلے پر پہنچنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ کسی ڈومینین میں جسے وہ اور ان کی رعایا پسند کرے کشمیر کو شامل کرا دیں۔

لیکن مہاراجہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور جب وہ محض اپنے مفاد کے لئے پس و پیش کر رہے تھے

یا سازش میں مصروف تھے دوسروں نے ان پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کی۔ اگست کے آخر میں پونچھ (مغربی کشمیر کا وہ ضلع جو پاکستان کی سرحد پر واقع ہے) کے قبائلی اٹھ کھڑے ہوئے اور علم بغاوت بلند کر کے انھوں نے اپنی ایک آزاد کشمیری حکومت قائم کر لی۔ ۲۴ر اکتوبر کو پانچ ہزار کے قریب چھاپہ مار قبائلیوں نے جن کی اکثریت پٹھانوں پر مشتمل تھی صوبہ سرحد سے کشمیر کی سرحد کو عبور کیا تاکہ اپنے بھائیوں کی امداد کو پہنچیں۔ اتوار ۲۶ر اکتوبر کو مہاراجہ نے بڑی عجلت میں اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا کہ وہ فوری طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کریں گے اور اس کے ساتھ ہی مہاراجہ نے بھارتی افواج کی فوری امداد طلب کی۔ اسی روز پاکستان کے گورنر جنرل قائد اعظم جناح لاہور روانہ ہوئے جہاں انھوں نے پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی کے ساتھ قیام کیا۔ ۲۷ر اکتوبر پیر کی صبح کو مہاراجہ کی اپیل پر بھارتی حکومت نے پیادہ فوج کی ایک بٹالین کشمیر بھیجی۔ ان افواج نے دارالحکومت سری نگر کے مغرب میں وادی کے اندر مورچے سنبھال لئے تاکہ مسلح قبائلیوں کا جو شہر سے ۳۵ میل دور تھے مقابلہ کر سکیں۔

اس وقت تک پاکستان اس جھگڑے میں براہ راست اور کھلے طور پر ملوث نہیں ہوا تھا لیکن کسی کی جانب سے کوئی احمقانہ قدم دونوں مقبوضات میں خفیہ اور غیر تسلیم شدہ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف کھلے تصادم کی صورت پیدا کر سکتا تھا۔ اس صورتِ حال سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی یعنی یہ کہ دونوں طرف کی افواج سے فوری طور پر تمام کمانوں سے تمام انگریز افسر جو فوج میں ملازم تھے ہٹا دیئے جائیں (قائداعظم، جناح نے اس پر اپنے احکام واپس لے لئے لیکن وہ بہت غصے میں تھے اور ساتھ ہی اس امر پر متردد بھی تھے کہ ہندوستان نے کشمیر کے الحاق کے لئے ان کے خیال میں بڑی چال بازی سے کام لیا۔ میری رائے میں اس وقت صورتِ حال حد درجہ دھماکہ خیز اور خطرناک یوں بن گئی ہے کہ غیر منظم قبائلی کچھ اور آگے بڑھ گئے ہیں۔ ادھر ریاستی افواج اور بھارتی افواج جموں و کشمیر کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں ان سے دونوں ملکوں میں ایسی صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے کھلے طور پر نبرد آزما ہو جائیں۔

برطانوی سپہ سالار لاکہارٹ نے ہندوستان کی دفاعی کمیٹی کی ہدایت پر ہندوستانی فوجی دستوں کو کشمیر پر پرواز کرنے کی اجازت دی یہ ایک قطعی مناسب اور آئینی اقدام تھا۔ پاکستان کا انگریز

سپہ سالار سر وے چھٹی پر تھا اور ان کی جگہ ان کا چیف آف سٹاف ڈگلس گریسی قائم مقامی کر رہا تھا۔

فیلڈ مارشل آکنلک کا خط چیف آف سٹاف کے نام مورخہ ۲۸ اکتوبر۔

(اقتباس) ۲۷، ۲۸ اکتوبر کی رات کو ایک بجے گریسی نے فون پر مجھے مطلع کیا کہ انھیں (قائداعظم) جناح سے ایسے احکام ملے ہیں جن کی وہ تعمیل کریں تو اس سے (stand Down) آرڈر کی خلاف ورزی ہوگی۔

۲۸ اکتوبر کی صبح لاہور پرواز کی اور گریسی سے ملاقات کی جنھوں نے بتایا کہ جن احکام کی انھوں نے تعمیل نہیں کی وہ یہ تھے کہ کشمیر میں پاکستانی افواج بھیجی جائیں تاکہ بارامولا، سری نگر اور بانہال سرنگ پر قبضہ کر لیا جائے اور یہ کہ جموں کے ضلع میرپور میں بھی افواج بھیجی جائیں۔

(قائداعظم) جناح سے جو لاہور ہی میں مقیم تھے ملاقات کی اور ان سے واضح طور پر انگریز فوج نے انگریز افسروں کے تعلق سے تفصیلی بات چیت کی۔ گریسی نے پاکستان کی فوجی کمزوری پر بھی زور دیا اور میں نے اس کی وضاحت کی۔ کشمیر کے اچانک الحاق کے بعد جو علاقہ اب بھارت کا جز و ہو چکا ہے اس پر فوج کشی کے کیا کیا ناقابل بیان نتائج برآمد ہوں گے۔

(قائداعظم) جناح میری اس تجویز پر رضامند ہو گئے کہ وہ اور ان کے وزیراعظم دونوں ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور مہاراجہ کشمیر اور ان کے وزیراعظم کے ساتھ ایک گول میز کانفرنس میں ملاقات کریں اور موجودہ خطرناک صورت حال سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نکالیں۔ یہی تجویز میں نے ماؤنٹ بیٹن کے آگے رکھی اور وہ بھی اس پر اصولاً آمادہ ہو گئے۔ اب گویا سارا مسئلہ دونوں گورنر جنرلوں کے ہاتھ میں ہے۔

اگر انگریز افسروں کے ضمن میں صورت حال نازک ہو جائے تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔

یکم، ۲ جولائی ۱۹۴۲ء کو العالمین کی پہلی لڑائی میں رومیل کو شکست دینے کے بعد آکنلک نے دوسری جنگ عظیم کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ ۲۸ اکتوبر کو آکنلک کا بحیثیت سپاہی ایک اہم فیصلہ یہ تھا کہ بھارت اور پاکستان میں جنگ کے امکان کو انھوں نے رکوا دیا۔

آکنلک نے ماؤنٹ بیٹن کو پہل کرنے کے سلسلہ میں جو مشورہ دیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے بے تاب تھے۔ ۲۸ اکتوبر کی صبح کو انھوں نے ہندوستان کی دفاعی کمیٹی کو ترغیب

دی کہ وہ لاہور کا دعوت نامہ قبول کرلیں لیکن اسی دوپہر کو کابینہ کے اجلاس میں اس تجویز کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا اور لاہور جانے کی دعوت کو ۱۹۳۸ء میں نیول چیمبرلین کے ہٹلر سے گوڈسبرگ میں ملاقات سے تشبیہ دی گئی۔ ولبھ بھائی پٹیل نے بالخصوص گورنر جنرل کی اس تجویز سے شدید اختلاف کیا۔ نہرو اچانک بیمار پڑ گئے۔ اور ماؤنٹ بیٹن تنہا رہ گئے۔ اس کے بعد نہ جنگ ہوئی نہ میوزیم کا اعادہ ہوا۔

۱؎ جناح مصنفہ ہیکٹر بولیتھو صفحہ ۲۰۶

۲؎: جنرل سر ڈگلس گریسی (۵۱ — ۱۹۴۸) سپہ سالار عساکر پاکستان

Stand Down حکم کے معنی تھے۔ برطانوی افسروں کا فوج سے فوری انخلاء دلوائے وقت ۱۲ رجون ۱۹۶۰ء

(۳۳)

بڑودہ اور جوناگڑھ کا فرق

گراں بہا ترکہ

ہندوستان میں کسی والیٔ ریاست کو بھی ترکہ میں وہ دولت نہیں ملی ہوگی جو میجر جنرل فرزند خاص دولت انگلیشیہ سر پرتاپ سنگھ گائیکواڑ سینا خاص خیل، شمشیر بہادر مہاراجہ بڑودا کو حاصل ہوئی تھی، اس کے علاوہ انھیں نام نیک، وقار و سربلندی، وسائل و ذرائع اور حسنِ انتظام کی دولت بھی وراثت میں ملی تھی، لیکن چند ہی سال کے اندر یہ گراں مایہ میراث انھوں نے اس طرح برباد کر دی کہ حکومت ہند کو ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہونا پڑا۔

مہاراجہ اور سیتا دیوی

سر پرتاپ سنگھ اپنے دادا سر سایاجی راؤ کے جانشین ۱۹۳۹ء میں ہوئے، جب یہ تخت نشین ہوئے تو ریاست کی سالانہ آمدنی سات کروڑ تھی، اور رقبہ آٹھ ہزار دو سو چھتیس مربع میل، کچھ عرصہ تک یہ اپنے نامور دادا کے نقش قدم پر چلتے رہے، لیکن چند سال بعد خود غرض مشیروں کے جھرمٹ میں پھنس گئے، دوسری شادی انھوں نے ایسے حالات میں کی، جنھوں نے ان کی پوزیشن پر بہت برا اثر ڈالا۔ ۱۹۲۹ء میں ان کی شادی کولھاپور کے شاہی خاندان کی شاہزادی مہارانی شانتا دیوی سے ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں انھوں نے مدراس کے ایک بڑے زمیندار کی لڑکی سیتا دیوی سے شادی کرلی،

سیتا دیوی کی پہلی شادی ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی، پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہوا تھا، لیکن ۱۹۴۳ء میں سیتا دیوی نے اسلام قبول کر لیا اور عدالت سے تبدیل مذہب کے باعث فسخ نکاح کا اجازت نامہ لے لیا۔

۲۶ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ء کی کسی تاریخ میں انھوں نے آریہ سماج کے ذریعہ پھر ہندو مت قبول کر لیا، جس کے بعد سرتاپ سنگھ نے ان سے شادی کر لی، اس شادی کو قانونی حیثیت دینے کے لیے سرتاپ سنگھ نے ایک غیر معمولی قدم یہ اٹھایا کہ بڑودا کے قانون امتناع تعدد ازدواج میں یہ ترمیم کر ڈالی کہ ہز ہائی نس کی ذات اس سے مستثنیٰ ہوگی، یہ دوسری شادی بجائے خود کچھ کم برہم کن نہ تھی، لیکن جن حالات میں یہ کی گئی اس کا ریاست کے عوام پر اور زیادہ برا اثر پڑا، نہ حکومت برطانیہ نے اور نہ حکومت ہند نے اس شادی کو قانونی طور پر تسلیم کیا،

مہاراجہ کی شرط تعاون

سرتاپ سنگھ کی حمایت میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بڑودا پہلی ریاست تھی جس نے ۱۹۴۷ء میں اپنے نمائندے ہندوستان کی کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں بھیجے، انھیں یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد الحاق پر دستخط کر کے انھوں نے دوسرے والیان ریاست کے لئے ایک قابل تقلید مثال پیش کی، لیکن جب ملک ایک کٹھن دور سے گزر رہا تھا، انھوں نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لیے سودے بازی شروع کر دی، ستمبر ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان سے جوناگڑھ نے الحاق کیا تو حکومت ہند ہمارے کاٹھیاواڑ کے متعلق اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہوگئی، کاٹھیاواڑ کے والیان ریاست نے خلوص کے ساتھ حکومت ہند سے تعاون کیا، لیکن جب ہم سرپرتاپ سنگھ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ایسے شرائط پیش کر دیے جو ہمارے لئے قطعاً ناقابل قبول تھے،

مہاراجہ گجرات کے بادشاہ بننا چاہتے تھے

۲۔ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اپنے ہاتھ سے مہاراجہ نے سردار کو ایک خط لکھا،

"کل میرے وزیر اعظم بڑودا آئے انھوں نے مجھ سے ملاقات کی اور جوناگڑھ کے

حالات بنائے، بڑودا نظم و قانون کی بحالی اور سارے کاٹھیاواڑ اور گجرات میں حسب ذیل شرائط پر اپنے سر ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔

۱۔ حکومت ہند شاہی اختیارات کے ساتھ حسب ذیل چھ ایجنسیاں بڑودا کو واپس کر دے، ماہی کنٹا، دبوا کنٹا، بسر کنٹا، پالن پور، ویسٹرن انڈیا اسٹیٹ اور گجرات اسٹیٹ،

۲۔ اگر کبھی ضرورت ہو اور ہنگامی حالات پیش آئیں تو حکومت ہند حکومت بڑودا کو مطلوبہ فوجی امداد دے،

۳۔ فرماں روائے بڑودا کو گجرات اور کاٹھیاواڑ کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائے اور اُسے تمام شاہی اختیارات حاصل ہوں۔

۴۔ حکومت ہند اگر یہ شرائط تسلیم کر لے تو حکومت بڑودا انڈین ڈومینین کے وفادار اتحادی کی حیثیت سے امور سہ گانہ دفاع، معاملات خارجہ اور مواصلات کے سلسلہ میں اپنے فرائض اچھی طرح سے انجام دے گی۔"

سردار کا کورا جواب

سردار نے جواب دیا، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں، اپنے خط میں سردار نے یہ بھی لکھا کہ بڑی مشکل سے وہ اپنے آپ کو اس بات کا یقین دلا سکتے ہیں کہ سر پرتاپ سنگھ نے سنجیدگی کے ساتھ ایسی تجویزیں پیش کی ہیں، آخر میں سردار نے سر پرتاپ سنگھ کو متنبہ کیا کہ توسیع مملکت کے اس جذبہ سے تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ سر پرتاپ مغربی ہندوستان میں دوسرے نظام بننے کی فکر میں تھے، وہ چاہتے تھے کہ جس طرح نظام برطانیہ کے یار وفادار اور آزادی اور خود مختاری کے مدعی ہیں اسی طرح مغربی ہندوستان میں وہ وہی پوزیشن حاصل کر لیں جو دکن میں نظام کی تھی۔ بعد میں جب سر پرتاپ سنگھ نے دیکھا کہ بات بگڑ گئی تو انھوں نے سارا الزام اپنے وزیر اعظم سر بی ایل متر پر رکھ دیا، لیکن وزیر اعظم کو ان الزامات کے تسلیم کرنے سے قطعی انکار تھا۔

ذمہ دار حکومت کا قیام

مئی ۱۹۴۸ء میں سردار کے ایک جھنجھوڑ دینے والے خط کے بعد مہاراجہ نے ڈاکٹر جیوراج مہتا کو ریاست کی عبوری حکومت

کا وزیر اعظم بنایا اور یورپ چلے گئے، جانے کی اتنی جلدی تھی کہ دوسرے نام بھی منظور نہیں کئے، ڈاکٹر مہتا نے اگر کوئی خط لکھا تو اس کا جواب بھی نہیں دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزارت کا قیام معطل رہا۔

وزیر اعظم بڑودہ سے انکشافات

ڈاکٹر مہتا نے وزارت عظمیٰ کا چارج لینے کے بعد یہ انکشاف کیا کہ سر پرتاپ سنگھ بہت بڑی بڑی رقمیں ریاست کے خزانہ سے اور ریزرو فنڈ سے نکال رہے ہیں، نیز جواہرات کا بھی بڑا حصہ انھوں نے خرد برد کر دیا ہے، شروع شروع میں یہ رقمیں جو انھوں نے نکالیں قرض کے نام سے وصول کیں، لیکن ۱۹-اپریل کو، یعنی ڈاکٹر مہتا کے چارج لینے سے چند روز پہلے انھوں نے فرمان نافذ کیا کہ ان کے نام پر قرض کے کھاتے میں جو رقومات درج ہیں وہ قلم زد کر دی جائیں، ان رقموں کی میزان دو کروڑ بیس لاکھ تھی، ۲۹-مئی کو ایک کروڑ پانچ لاکھ کی رقم انھوں نے پھر ریاست کے خزانہ سے وصول کی، چھیاسٹھ لاکھ بغیر سودی قرض کے طور پر، اور چالیس لاکھ اپنی بیٹی کی شادی کے لئے۔

مہاراجہ کی معزولی کا مطالبہ

ڈاکٹر جیوراج مہتا نے ریاست کی مالی صورت حال اسمبلی کے سامنے رکھی، چونکہ اسمبلی مہاراجہ کے خلاف کوئی تجویز منظور نہیں کر سکتی تھی لہٰذا ممبران اسمبلی نے جداگانہ طور پر ایک تجویز منظور کی کہ چونکہ مہاراجہ نے ساڑھے تین کروڑ روپے سے زیادہ خرد برد کر دیا ہے، لہٰذا انھیں معزول کر دیا جائے اور ایک کونسل آف ریجینسی قائم کر کے بڑے لڑکے کو والی بنا دیا جائے، اور مالی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی جائے۔

اس صورت حال نے مہاراجہ کی آنکھیں کھول دیں، وہ یورپ سے سیدھے دہلی پہنچے اور سردار کی خدمت میں حاضر ہوئے، میری اور سردار کی موجودگی میں مہاراجہ نے وعدہ کیا کہ وہ فوراً ریاست میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کر دینگے، انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ خزانہ سے انھوں نے جو رقومات لی ہیں انھیں واپس کر دیں گے، انھوں نے اس سے بھی اتفاق کیا حکومت ہند جواہرات اور مالیات سے متعلق ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کر دے،

مہاراجہ نے خزانہ اور جواہر صاف کر دیا

حکومت ہند نے انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹ

سروس کے ایک سینئر افسر کو تحقیقات کے کام پر مامور کیا، لیکن سردار پرتاپ سنگھ نے اس سے کوئی تعاون نہیں کیا، اپنی رپورٹ میں اس نے لکھا کہ مہاراجہ کوئی حساب نہیں دیتے، نہ جواہرات کی فہرست تیار کرنے میں انھوں نے کوئی تعاون کیا، کئی قیمتی جواہرات جواہر خانہ سے غائب ہیں، بہت سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور ان کے نئے زیورات بنا لئے گئے ہیں، علاوہ ازیں ڈیڑھ کروڑ کی مالیت کے جو نئے زیورات خریدے گئے تھے جواہر خانہ کے رجسٹر میں ان کا اندارج بھی نہیں ہے، غیر قانونی طور پر تحفہ تحائف کے نام سے بھی بہت سی چیزیں غائب ہیں،

اس رپورٹ سے کئی اور بھی چونکا دینے والی باتیں معلوم ہوئیں، سر پرتاپ سنگھ نے تقریباً چھ کروڑ روپے کی رقم ریاست کے ریزرو فنڈ سے ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان وصول کر لی، یہ رقم پچاس لاکھ سالانہ کی پریوی پرس کے علاوہ تھی، علاوہ ازیں نہایت قیمتی کئی جواہرات بھی، جن میں موتیوں کا ست لڑا ہار بھی تھا، اور ایک جواہرات کا ہار، جس میں ستارۂ دکن، شاہ اکبر ابوجیین نامی تین نایاب ہیرے بھی شامل تھے، جواہرات سے نکال کر انگلستان بھیج دیے گئے، ہر ریاست کی طرح بڑودہ میں بھی دستور تھا کہ صرف خاص خاص تقریبات پر یہ چیزیں استعمال کی جاتی تھیں، اور پھر جواہر خانہ میں واپس کر دی جاتی تھیں،

عوامی وزارت سے مہاراجہ کی ان بن

مہاراجہ کے تعلقات عوامی وزارت سے بہت ناخوشگوار تھے۔ انھوں نے کئی بار مجھ سے شکایت کی کہ ان سے کسی معاملہ میں مشورہ نہیں لیا جاتا، میں نے ان سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ بڑودہ کو بمبئی میں مدغم کر دینے پر راضی ہو جائیے، اس طرح آپ کی پریوی پرس محفوظ ہو جائے گی، کیونکہ آپ مرہٹہ ہیں اور رعایا کا بڑا طبقہ گجراتی ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب لسانی چپقلش شروع ہو جائے، اس صورت میں آپ کی پوزیشن بالکل غیر محفوظ ہو گی، سر پرتاپ سنگھ نے پہلے تو کوئی وعدہ نہیں کیا، لیکن بعد میں ان کا ایک خط پا کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ ادغام پر راضی ہو گئے،

جب معاہدۂ ادغام پر مہاراجہ نے دستخط کئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، میں نے انھیں دلاسا دیا کہ انکی پریوی پرس، ان کی ذاتی عظمت اور ان کی جائداد بالکل محفوظ رہے گی، ۲۸ جنوری ۱۹۴۹ء کو مہاراجہ کی ایگزیکٹو کونسل نے بھی اس فیصلہ کی توثیق کر دی، یکم مئی ۱۹۴۹ء

کو حکومت بمبئی نے بڑودا کو اپنی تحویل میں لے لیا،

مہاراجہ کی بے اعتدالیاں

کسی آدمی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات مشکل نہیں کہ وہ اس کی مدد کرنا چاہے جو خود اپنی مدد نہ کرنا چاہتا ہو، متعدد یاددہانیوں کے باوجود مہاراجہ نے اپنے بہت سے وعدوں میں سے ایک وعدہ بھی تو پورا نہیں کیا، انھوں نے نہ صرف جواہر خانے سے لئے ہوئے ہیرے نہیں واپس کئے بلکہ مزید ہیروں کو لندن بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا،

نومبر ۱۹۴۹ء میں ایک مرتبہ پھر میں نے مہاراج سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ اگر وہ لندن سے ہیرے واپس نہ لائے تو حکومت مجبور ہو کر کوئی سخت قدم اٹھائے گی، انہوں نے پانچ ہفتے کی مہلت مانگی، میں نے یہ مہلت دے دی اور اس خیال سے کہ اب وہ جواہر خانہ سے کچھ اور نہ لے سکیں اسے سربمہر کر دیا، جنوری میں بعض خاص جواہرات وہ انگلستان سے واپس لے آئے لیکن گراں بہا موتیوں کا بہت بڑا ہار غائب تھا، جس کے بارے میں انھوں نے وعدہ کیا کہ دوسرا ویسا ہی بنوا دیں گے، تجربہ کار اور ماہر فن جوہریوں نے مجھے بتایا کہ اس ست لڑے ہار کا بدل نہیں پیدا کیا جا سکتا، اگر کوشش بھی کی جائے تو برس ہا برس اس کی تیاریوں میں صرف ہو جائیں گے، اور بے انتہا مشقت الگ برداشت کرنا پڑے گی، اور لاکھوں روپے خرچ ہو جائیں گے، ہیروں کا ہار واپس ملا، لیکن شکستہ حالت میں، لیکن خوش قسمتی سے تینوں مشہور ہیرے اس میں سلامت تھے، موتی جڑے ہوئے دو غالیچے بھی مہاراجہ نے واپس ہی نہیں کئے۔

صدر جمہوریہ کی خدمت میں معروضہ

شروع دسمبر ۱۹۵۰ء میں مہاراجہ نے صدر جمہوریۂ ہند کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا، جس میں بمبئی سے بڑودا کے ادغام کو چیلنج کیا گیا تھا، ۲۷-دسمبر کو میں نے اس کا تردیدی جواب دیا،

لیکن مہاراجہ نے ان باتوں کو ایک کان سے سنا دوسرے سے اڑا دیا، بعض سیاست داں ان سے بڑھ چڑھ کر وعدے کر رہے تھے اور سبز باغ دکھا رہے تھے، ان لوگوں کے ہاں ایک ایسا شخص آ گیا تھا، جو اپنی موہوم امیدوں کے لئے بے دھڑک خرچ کر سکتا تھا،

وہ اسے ہنکاتے تھے، اور ان کے کہے میں آکر اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ اس نے دلیل اور منطق کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لی تھیں،

مہاراجہ نے عوام کی تنظیم شروع کر دی

ریاست بڑودہ کے دیہاتوں کا مہاراجہ نے دورہ شروع کیا، اور عام جلسوں میں تقریریں تک کرنے لگے۔ حکومت بمبئی نے ان سرگرمیوں کو بہت سنگین سمجھا، اور ہم سے درخواست کی کہ سرپرتاپ سنگھ کو حدود ریاست بڑودہ میں تقریریں کرنے، جلسوں میں شریک ہونے اور پروپیگنڈا کرنے سے باز رکھا جائے، راجستان میں مہاراجہ کو ایک نہایت طاقتور اتحادی مہاراجہ جودھ پور کی صورت میں حاصل تھا، ایک مہاراجہ نے مجھے بتایا کہ اگر ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑی تو بعض والیان ریاست اپنی ریاستوں پر دوبارہ قبضہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

حکومت ہند کا انتظام ناقص تھا

یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ اگر ان سرگرمیوں کو شروع ہی میں نہ کچل دیا گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نہایت نازک اور خطرناک صورت احوال پیدا ہو جائے گی۔ ابھی سردار کو مرے ہوئے صرف چار مہینے ہوئے کہ اس طرح کے فتنے سر اٹھانے لگے، موقع ایسا نہیں تھا کہ ہم ذرا بھی کمزوری دکھاتے۔

میں نے گوپال سوامی آئنگر سے مہاراجہ اور ان کے رفقاء کی عافیت سوز سرگرمیوں پر گفتگو کی، اور کہا کہ حالت یہ ہے کہ بعض ریاستی یونینوں اور مدغم ریاستوں میں انتظامات اب تک درست نہیں ہوئے ہیں، وہاں کے لوگوں میں بے اطمینانی عام ہے، بعض ریاستی یونینیں اور مدغم ریاستیں اچھے انتظام اور کارروائی سے بالکل محروم ہیں، ان حالات میں ہم والیان ریاست کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ آگے بڑھیں اور موقع سے فائدہ اٹھائیں، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ہم مہاراجہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں(۱)، کیونکہ حکومت ہند

---

(۱) مہاراجہ کو نہ تسلیم کرنا De-recognising. یہ مطلب رکھتا تھا کہ ان کی پریوی پرس بند کر دی جائے خطابات واپس لے لیے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان کا بڑا بیٹا گدی نشین کر دیا گیا، جس کے ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ کی پریوی پرس دی گئی، حالانکہ معزول مہاراجہ کو ۲۶ ½ لاکھ ملتے تھے۔

ہر سال انھیں ایک رقم خطیر دیتی ہے اس کے بدلے میں ان سے اگر وفاداری اور خیر خواہی نہ ملے، تو کیوں یہ بکھیڑا مول لیا جائے، اگر وہ اپنے حاصل شدہ حقوق سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، تو وہ حقوق ہی کیوں نہ چھین لئے جائیں ان سے۔

گوپال سوامی آئنگر (وزیر امور ریاست) نے میری اس رائے سے اتفاق کیا اور مجھے ہدایت کی کہ میں وزیر اعظم کی منظوری کے لئے ایک مسودہ تیار کروں۔

دوسرے دن میں نے مسودہ تیار کر لیا، پھر ہم دونوں (میں اور گوپال سوامی آئنگر) نہرو کے پاس گئے، انھوں نے مسودہ دیکھ کر کہا کہ غور کرنے کے بعد وہ کوئی فیصلہ کریں گے،

دوسرے دن ہم دونوں پھر نہرو کے پاس پہنچے، پھر میں صدر راجندر پرشاد کے پاس گیا اور انھیں صورت احوال سے مطلع کیا،

مہاراجہ کی معزولی کا فیصلہ

دوسرے دن نہرو، راج گوپال اچاری (وزیر داخلہ) گوپال سوامی آئنگر اور میں پھر جمع ہوئے، اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر لگائے گئے الزامات کی ایک ایک شق پر غور کیا،

کامل غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ سر پرتاپ سنگھ کو معزول کر دیا جائے اور ان کے بڑے لڑکے یوراج فتح سنگھ کو گدی نشین کر دیا جائے۔ حکمنامہ پر میں نے صدر مملکت سے بھی دستخط کرا لئے۔

مرارجی ڈیسائی کا خط

۲۱- اپریل کو وزیر امور ریاست کے دو افسر سر پرتاپ سنگھ سے اس حکمنامہ پر دستخط کرانے کے لئے بھیج دیے گئے۔

اس سلسلہ میں مرارجی ڈیسائی وزیر داخلہ حکومت بمبئی نے نہرو کو ایک خط لکھا کہ اگر مخالف ادغام سرگرمیاں اسی طرح جاری رکھنے کا سلسلہ جاری رہتا تو یہ تحریک زور پکڑ جاتی، اور پھر اس پر قابو پانا دشوار تر ہو جاتا، حکومت ہند کے اس اقدام سے دوسرے والیان ریاست کے کان کھڑے ہو گئے،

بڑودہ کا انجام دیکھ کر دوسرے ڈر گئے

حکومت ہند کے اس اقدام کا حسب دل خواہ اثر ہوا، جن والیان ریاست نے اپنی ایک الگ جماعت بنائی تھی، وہ جلد جلد اس سے کنارہ کش ہو گئے اور پھر کبھی ادغام یا الحاق کے بارے

میں کسی مخالفانہ جدوجہد یا اقدام کی اطلاع کسی والی ریاست کی طرف سے سننے میں نہیں آئی۔

صدر جمہوریہ سے فریاد

۱۰۔ اپریل کو سرپرتاپ سنگھ نے ایک طویل یادداشت صدر کے روبرو پیش کی اور ان الزامات سے انکار کیا جو ان کے خلاف عائد کئے گئے تھے، اور تجویز پیش کی تھی کہ اگر ان کا یہ بیان صفائی حکومت ہند کے لئے قابل قبول یا قابل اطمینان نہیں ہے تو انڈین کانسٹی ٹیوشن کی دفعہ ۱۴۳ کے مطابق سپریم کورٹ سے فیصلہ کرایا جائے۔

صدر مملکت کی رائے تھی کہ حکومت کے فیصلہ میں کوئی ایسا قانونی یا واقعاتی سقم نہیں ہے کہ عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے، حکومت کا یہ فیصلہ تمام تر سیاسی وجوہ پر مبنی ہے، اور سیاسی معاملات کے سلسلہ میں دستور کی رو سے قائم شدہ، صرف سیاسی مشیروں ہی کے فیصلہ پر عمل کیا جا سکتا ہے ——— !

مہارانی شانتا بائی

ہندوستانی عورت کی شوہر پرستی کا یہ واقعہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا کہ مہاراجہ سرپرتاپ سنگھ کے ہاتھوں اتنے دکھ اٹھانے کے بعد بھی وہ صرف مہارانی شانتا دیوی ہی تھیں جو شوہر کو مصیبت میں دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں، اور میرے پاس ان کی سفارشی بن کر آئیں، میں نے سرپرتاپ سنگھ کے کارناموں سے انھیں اچھی طرح باخبر کیا، اور پھر پوچھا، آپ ہی بتایئے اس طرح کے حالات میں حکومت ہند اور کیا کر سکتی تھی؟ گو مہارانی نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا، لیکن میں نے اندازہ کر لیا کہ وہ میری بات چیت سے مطمئن ہو گئیں،

مہاراجہ نے ہتھیار ڈال دئے

بعد میں سرپرتاپ سنگھ اور مہارانی نے صدر مملکت سے بھی ملاقات کی، اس موقع پر نہرو اور گوپال سوامی آئنگر بھی موجود تھے، ۵۔ مئی ۱۹۵۰ء کو دوبارہ ملاقات ہوئی، اس موقعہ پر بھی گوپال سوامی آئنگر موجود تھے، اب مہاراجہ کی التجا یہ تھی کہ انھیں ایک موقع اور دیا جائے، اور یہ کہ آئندہ اپنے طرز عمل سے وہ ہرگز حکومت کو کسی شکایت کا موقعہ نہیں دیں گے۔

مہارانی شانتا بائی کی اپیل

اس موقع پر ایک مرتبہ پھر مہارانی نے اپنے شوہر کے لئے بڑے زور دار اور دردمندانہ انداز میں اپیل کی، انھوں نے کہا سرپرتاپ سنگھ کو سبق مل چکا، لہٰذا اب ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے. مہارانی نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے شوہر کی طرف سے اطمینان دلاتی ہیں بلکہ وہ اس پر بھی آمادہ ہیں کہ ایک کمیٹی ان کی ذاتی جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر دی جائے، نیز یہ کہ اب وہ کبھی ہندوستان سے باہر نہیں جائیں گے، نیز یہ کہ اگر حکومت ہند نے کبھی مناسب سمجھا تو وہ رضاکارانہ طور پر اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔

مہارانی کے ان جذبات سے صدر مملکت بہت متاثر ہوئے، لیکن سرپرتاپ سنگھ کے بادوسِ کُن ماضی کی روشنی میں یہ التجا منظور نہ کی جا سکی، چنانچہ ۲۰ مئی کو صدر نے سرپرتاپ سنگھ کا معروضہ آخری طور پر مسترد کر دیا۔

آخر میں اتنا اور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بعد میں حکومت ہند نے انھیں "ہز ہائی نس" کا خطاب استعمال کرنے کی اجازت دے دی اور ان کے ذاتی گزارے کے لئے الاؤنس بھی مقرر کر دیا![1]

---

(۱) مہاراجہ بڑودہ کے بارے میں مینن صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بہت زیادہ دلچسپ اور بہت زیادہ سبق آموز ہے، چند نکات خاص طور پر قابل غور ہیں:

۱۔ تخت حکومت پر بیٹھتے ہی کانگرس نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا، جب دیکھا مہاراجہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے تو دھمکی دی، تم مرہٹہ ہو، رعایا گجراتی ہے، اس طوفان کا مقابلہ کر سکو گے؟ ——— بیچارے مہاراجہ نے ہتھیار ڈال دیے

۲۔ مہاراجہ نے جب صدر کے پاس اپنا معروضہ پیش کیا کہ ان کی ریاست کا بمبئی میں ادغام ان کی مرضی کے خلاف کیا گیا ہے، تو صدر نے جواب دے دیا جو کچھ ہوا ہے ٹھیک ہوا ہے۔ !

۳۔ مہاراجہ نے اپنی معزولی کے خلاف جب احتجاج کیا اور کانسٹی ٹیوشن کی دفعہ ۱۴۳ کے مطابق مطالبہ کیا کہ معاملہ سپریم کورٹ کے سپرد کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اسے تسلیم کر لیا

جائے، تو کہدیا گیا یہ ایک خاص سیاسی معاملہ ہے، اور سیاسی نوعیت کے معاملات عدالت میں نہیں پیش کئے جاتے، قابل غور بات یہ ہے اگر سیاسی نوعیت کے معاملات میں سپریم کورٹ سے رجوع نہیں کیا جا سکتا تو پھر دستور کی دفعہ ۳۴۴ کی تنسیخ کا اعلان کئے بغیر۔ اس پر عمل نہ کرنا کس اصول کے ماتحت تھا۔

۴۔ کانگرس ہمیشہ اپنی عوامیت پر فخر کرتی رہی اور اعلان کرتی رہی کہ عوام کے مطالبات پر سر جھکا دینا ہی اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

لیکن مہاراجہ نے جب استاد کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا اور عوامی لیڈر بن کر، حدود ریاست میں عام جلسوں کو خطاب کرنا، اور اوعام کے خلاف منظم کرنا شروع کیا، تو حکومت بمبئی بھی حرکت میں آگئی، اور حکومت ہند بھی، حالانکہ ان دونوں کو عوام کا فیصلہ تسلیم کر لینا چاہیے تھا، مہاراجہ نے اگر حکومت ہند کے خلاف کوئی خفیہ سازش کی ہوتی، یا اس کا تختہ الٹنے کی تیاریاں کی ہوتیں۔ یا اس کے دشمنوں سے ساز باز کیا ہوتا، پھر اگر حکومت ان کے خلاف کوئی اقدام کرتی تو کسی کو اعتراض کا حق نہ تھا، لیکن مہاراجہ کو عوامی عدالت کے ایوان میں نہ گھسنے دینا یہ کون سا اصول تھا؟ کیا عوام بھی دو قسم کے ہیں؟ کانگرس کے اور والیان ریاست کے اور؟ اگر کانگرس اپنے عوام سے کوئی فیصلہ کرائے تو وہ جائز، درست، اور قابل نفاذ، اگر والیان ریاست عوام کی بارگاہ سے سند قبول لائیں تو معتوب و مقہور؟

۵۔ ایک اور بات بھی خاص طور پر غور طلب ہے، یہ کہ مہاراجہ کے جرائم، نواب دوجانہ، اور نواب جوناگڑھ سے کہیں زیادہ سنگین تھے،

مہاراجہ نے ریاست کے خزانہ سے کروڑوں روپیہ نکالا، اور انگلستان پہنچا دیا،

مہاراجہ نے کروڑوں روپے کے ہیرے اور موتی کے ہار، جواہر خانے سے نکالے، اور لندن منتقل کر دیے،

مہاراجہ نے توشہ خانہ ریاست سے قیمتی قیمتی قالین اور غالیچے لئے اور یورپ لے کر پہنچ گئے۔

نواب جوناگڑھ نے حکومت ہند سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا لیکن مہاراجہ نے بار بار حکومت

سے وعدے کئے اور توڑے، انھوں نے زائد رقم واپس کرنے کا وعدہ کیا لیکن ایک حبہ بھی واپس نہ کیا، انھوں نے جواہر خانے سے جو قیمتی جواہرات ہیرے اور موتی لے لئے، بڑی مشکل سے صرف ان کا کچھ حصہ واپس کیا، گوہر نایاب کا وہ ست لڑا ہار، جو ریاست کا قابل فخر سرمایہ تھا۔ ایسا گیا کہ پھر واپس نہ ملا، ہیروں کا وہ ہار جو اپنی گراں مائگی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، ناقص حالت ہی ملا، جس کا مثنیٰ تیار کرنے سے جوہریوں نے معذرت کردی کہ بڑے وقت، بڑی محنت اور بڑے صرف کا کام ہے، لیکن یہ تمام باتیں حکومت ہند برداشت کرتی رہی" اور مہاراجہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔

اقدام اس وقت کیا جب وہ والیان ریاست کی تنظیم کے لئے میدان میں آئے، انھوں نے ادغام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور حکومت بالادست کی دراز دستیوں کے خلاف رائے عامہ منظم کرنے کی کوشش کی، !

حالانکہ مہاراجہ اگر معزولی کے مستحق تھے تو اس وقت جب وہ ریاست کا خزانہ لوٹ رہے تھے جب ریاست کے جواہر خانے سے پشت ہا پشت کے جمع کئے ہوئے زیورات، ہیرے اور جواہرات پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

گویا حکومت ہند کے نزدیک ہر جرم قابل معافی تھا، والیان ریاست کی ہر زیادتی سے وہ درگزر کر سکتی تھی، لیکن اگر کوئی جرم ناقابل معافی تھا تو انفرادیت کے قیام پر اصرار، حق خود ارادیت کا مطالبہ حالانکہ دنیا کے کسی قانون کی رو سے بھی یہ کوئی جرم نہ تھا۔

بہرحال، ریاستیں ختم ہوگئیں والیان ریاست سرنگوں ہوگئے، شاید ریاستیں زندہ رہنے کا حق بھی نہیں رکھتی تھیں، والیان ریاست نے من حیث المجموع خود ہی اپنے محضر قتل پر دستخط کر دیے تھے، لیکن کانگرس نے یہ کام جس طرح کیا وہ اس کے روایات اور اصولوں کے قطعاً منافی تھا، !

(۳۴)

جھلکیاں

میں نے مسٹر مینن کی کتاب کے صرف انہی حصص کا ترجمہ کیا ہے جو مسلمان ریاستوں، یاان ہندو ریاستوں سے متعلق تھے جو پاکستان میں شامل ہونا چاہتی تھیں - یا پاکستانی سرحد کے قریب واقع تھیں - دوسری ریاستوں سے نہ مجھے خاص دلچسپی تھی نہ میرے قارئین کو ہو سکتی ہے -

لیکن اس کتاب میں مختلف مواقع پر کچھ ایسے واقعات آگئے ہیں جو اپنی دلچسپی، افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے غیر معمولی نوعیت کے حامل ہیں - ان سے بہت سے اسرار درونِ پردہ بے نقاب ہوتے ہیں، کانگریس کی ذہنیت حکومت کی بے اصولی، والیان ریاست کی بے بسی، باشندگان ریاست کے جذبات، مختلف ہندو طبقات کی کشمکش اور بہت کچھ،

یہ واقعات مختلف صفحات سے یکجا کر کے میں نے مرتب کر دیئے ہیں -

رئیس احمد جعفری

(۱)

کانگریسی لیڈر بھی روڑا اٹکاتے تھے

کمل نائن بجاج (گاندھی جی کے دست راست جمنالال بجاج کے بیٹے) حکومت ہند اور ریاست ہائے گجرات ودکن کے مابین واسطہ کا فریضہ انجام دے رہے تھے، لیکن انہی کی وجہ کانگریس بہت دیر میں اپنا مقصد حاصل کر سکی۔ صفحہ ۲

(۲)

مسٹر منشی آزاد گجرات کے حامی تھے

کے ایم منشی جن کا شمار کانگریس کے سربرآوردہ لیڈروں میں ہوتا ہے اور جو بمبئی کی پہلی کانگریس منسٹری میں وزارت داخلہ کے منصب پر فائز تھے۔ اس کام پر مامور کئے گئے کہ ریاست ہائے گجرات ودکن اور حکومت ہند کے مابین الحاق کا ایک معاہدہ تیار کریں، منشی نے بڑا مفصل معاہدہ تیار کر ڈالا جس کی رُو سے متحدہ ریاست ہائے گجرات ودکن کا قیام عمل میں لایا جانا مقصود تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے ایک راج منڈل (مجلس والیان ریاست) تمام معاہد ریاستوں کی تجویز کی گئی تھی۔ جس کے صدر اور نائب صدر ممبران میں سے باری باری ہر سال منتخب ہوتے رہتے، علاوہ ازیں ایک ہائی کورٹ کا قیام ایک جوڈیشل کمشنر کا تقرر، ایک کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کا انعقاد اور ایک عبوری حکومت کی تشکیل بھی لازمی تھی صفحہ ۲

(۳)

سردار نے مجوزہ معاہدہ نہیں مانا

مسٹر منشی کے مجوزہ معاہدہ کے مطابق ۱۹ر جنوری ۱۹۴۷ء کو جبکہ سردار بمبئی میں تھے، راج منڈل کا ایک وفد ان سے ملنے آیا اور ان کی خدمت میں اپنے معروضات

پیش گئے۔

سردار نے راج منڈل کے وفد کو بتایا، چونکہ حکومت ہند نے متحدہ ریاست ہائے گجرات و دکن کا فارمولا تسلیم نہیں کیا ہے، لہٰذا مجوزہ معاہدہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ہر ریاست کو ملحقہ صوبوں میں مدغم ہو جانا چاہیئے۔ ص ۲۰۲

(۴)

مرہٹہ برہمن فساد

گاندھی جی کے قتل کے بعد بعض ریاستوں میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی، اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ حملہ آور مہاراشٹر کا ایک برہمن تھا۔ مرہٹوں کی ایک جماعت نے جو غیر برہمن فرقہ سے متعلق تھی۔ کشت و خون، آتش زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا ان لوگوں کا شکار برہمن اور بنیئے تھے، یہ آگ سارے مہاراشٹر میں عام طور پر اور کولہاپور وغیرہ میں خاص طور پر بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل گئی،

اس واقعہ نے چھوٹی ریاستوں کو اتنا ہراساں کیا کہ وہ معاہدہ پر دستخط کرنے سے پہلے ہی صوبہ بمبئی میں مدغم ہو جانے پر رضامند ہوگئیں۔ ص ۲۰۳

(۵)

عبرت

ریاست ہائے گجرات و دکن کے بعض فرمانرواؤں نے کہا کہ چونکہ وہ اختیارات حکومت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اور عملی طور پر بے روزگار ہو گئے ہیں لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ انھیں ہمدردی کے ساتھ برسر روزگار کرنے کی کوشش کرے۔

ان والیان ریاست میں بعض فوجی تربیت حاصل کر چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے انھیں فوج میں داخلہ مل جائے۔ بعض کی خواہش تھی، انھیں فارن سروس میں لے لیا جائے۔

ص ۲۰۴

(۶)

سبق آموز واقعہ

مرہٹہ ریاست ساونت واڑی نے ، جس کا فرمانروا ایک نوجوان مرہٹہ تھا - اور جس کی کولھاپور اا اور بڑودا سے عزیزداری تھی ، کولھاپور سے ادغام کا فیصلہ کیا۔

فوراً ہی ریاست میں ہنگامے شروع ہو گئے ۔ ریجنل کمشنر نے جب ، ریاست میں قدم رنجہ فرمایا تو دیکھا ایک متوازی حکومت قائم ہو چکی ہے اور عملی طور پر حکومت کے تمام معاملات پر اس کا قبضہ ہے ، ان حالات میں راجہ ساونت واڑی مجبور ہو گئے کہ انتہائی تعجیل کے ساتھ بمبئی سے ادغام کے معاہدہ پر دستخط کر دیں ۔ صد ۲۰۴

(۷)

مثال بھی کام نہیں دیتی تھی

مہاراجہ لوناواڑا ریاست ہائے گجرات کی طرف سے بطور نمائندہ میرے پاس دہلی تشریف لائے ، سوراشٹرا یونین کے قیام نے ریاست ہائے گجرات کے فرمانرواؤں میں یہ امید پیدا کر دی تھی کہ اگر انھوں نے بڑودا کے ساتھ مل کر ایک یونین بنالی تو ان کا جداگانہ وجود قائم رہے گا ۔ مہارانا نے اپنی گفتگو میں اس بات پر زور دیا ۔

میں نے نہایت صفائی سے یہ بات واضح کر دی کہ ریاست ہائے گجرات کے لئے بمبئی میں مدغم ہو جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے ۔ صد ۲۰۵

(۸)

اشک شوئی

ریاست ہائے گجرات ودکن کے فرمانرواؤں نے مجھ سے شکایت کی بمبئی سے ادغام کے سلسلہ میں انھیں بالکل مہلت نہیں دی گئی ، اتنی بھی نہیں کہ حکومت بمبئی کی تحویل

میں اپنی ریاستیں دینے سے پہلے وہ اپنے معاملات ہی نپٹا سکیں، میں نے کہا معاہدہ ادغام پر دستخط ابھی ہو جانے چاہئیں، ریاستوں کی حوالگی میں گیارہ ہفتے کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ اس اثنا میں تمام معاملات نپٹا لئے جائیں ص ۲۰۷

(۹)

کولھاپور پر کس طرح قبضہ کیا گیا

کولھاپور کے ادغام کے سلسلہ میں استصواب رائے کا مطالبہ ہوا، ہم نے سوچا کہ اگر کوئی قدم جلد بازی سے اٹھایا گیا تو علاقائی (مرہٹہ برہمن) فسادات اٹھ کھڑے ہوں گے، لہذا جب تک خود مہاراجہ رضامند نہ ہو جائیں ادغام کی کارروائی عمل میں نہ آنی چاہیے۔

چنانچہ مہاراجہ کو دہلی بلایا گیا، کچھ عرصہ پہلے ہمیں ایک درخواست موصول ہوئی تھی جس میں حکومت ہند سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ایک کمیشن قائم کر کے اس امر کی تحقیق کرے کہ مہاراجہ کو جو متبنیٰ بنایا گیا تھا یہ کارروائی درست ہے یا نہیں۔ مہاراجہ اس واقعہ سے باخبر تھے، ڈرے کہیں ایسا نہ ہو کہ مہاراجگی کا خطاب اور ریاست کی گدی خطرہ میں پڑ جائے، لہذا غیر متوقع تعجیل کے ساتھ انھوں نے معاہدۂ ادغام پر دستخط کر دئے، ص ۲۰۹

(۱۰)

سردار معاہدہ بھی منسوخ کر دیتے تھے

سردار کا خیال تھا کہ وندھیا پردیش یونین اپنا جداگانہ وجود قائم نہیں رکھ سکتی ان کا یہ خیال بھی تھا کہ مستقبل قریب یا بعید میں یہاں کوئی ایسا آدمی بھی دستیاب نہیں ہو سکے گا جو کاروبار چلانے کی اہلیت رکھتا ہو، انھوں نے مجھے حکم دیا کہ اس یونین کی تحلیل اور یونین میں شامل ریاستوں کو صوبہ متحدہ اور صوبہ متوسط میں تقسیم کر دینے کا مسودہ تیار کر دوں،

سردار نے یہ نہایت ناخوشگوار فرض میرے ذمہ عاید کیا، ابھی اس معاہدہ کی سیاہی بھی

خشک نہیں ہوئی تھی جس کی رُو سے وندھیا پردیش کی یونین قائم کی گئی تھی کہ ہم متعلقہ والیان ریاست سے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ سابقہ معاہدہ منسوخ کر کے یہ ریاستیں صوبوں میں مدغم کر دیں، اس بات کو نہ والیان ریاست خوشی سے مان سکتے تھے، نہ مقامی سیاستدان اس کی تائید کر سکتے تھے،

جب وندھیا پردیش یونین کو تحلیل کرنے کا پروگرام لوگوں کے علم میں آیا تو وہاں کی کانگرس کمیٹی نے بھی اس تجویز کے خلاف شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ ص ۲۱۹،۲

(۱۱)

انگریزوں کی تقلید

ریاستہائے مالوا کو مدھیا بھارت یونین میں منتقل کرنے کا جب سوال پیدا ہوا تو اس میں گوالیار اور اندور کی ریاستیں بھی شامل تھیں، ہم نے سوچا اگر گوالیار نے مجوزہ یونین سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا تو حکومت ہند اندور کی سربراہی میں یونین قائم کر دے گی، اس صورت میں گوالیار کے وہ مقبوضات جو مالوا میں ہیں ہاتھ سے نکل جائیں گے، چنانچہ میں نے مہاراجہ کو بتایا کہ ان کی ریاست مختلف ٹکڑوں میں بکھری ہوئی ہے، ریاست کا بڑا حصہ شمال میں ہے لیکن بہترین اور سرسبز و شاداب حصہ مالوا میں ہے، میں نے کہا اگر آپ مجوزہ یونین سے الگ رہے تو آپ کے وہ علاقے جو مالوہ میں واقع ہیں، مالوہ یونین میں شرکت پر اصرار کریں گے اور جہاں تک حق خود ارادیت کا تعلق ہے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کیا جائے گا، اس صورت میں ریاست کا بہترین علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا،

میری اس گفتگو نے مہاراجہ کی آنکھیں کھول دیں۔ ص ۲۲۸

(۱۲)

جادو کی چھڑی

اندور اور گوالیار الگ الگ یونین بنانے پر مصر تھے، سردار کا خیال تھا کہ ایک

ہی یونین ہونی چاہیے، میں نے کہا یہ مسئلہ آپ ہی طے کر کے کوئی حل تلاش کر لیجیے، دو روز تک اندور اور گوالیار کے وزراء حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے، ۱۸ اپریل کو انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ کافی بحث و گفتگو کے باوجود ہم میں اتفاق رائے نہ ہو سکا، ہمارا خیال ہے کہ مسئلہ کا حل صرف یہ ہے کہ دو یونینیں قائم کی جائیں۔

میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں سے مزید بحث و گفتگو کرنا وقت اور قوت کا ضائع کرنا ہے، میں انھیں سردار کے پاس لے گیا، تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد ان وزراء نے سردار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، ص ۲۳۲،

(۱۳)

شاہنشاہِ جہانگیر کا عطیہ

مادھو سنگھ مہاراجہ بوندی کے دوسرے لڑکے کو شاہنشاہِ جہانگیر نے براہِ راست ایک علاقہ مرحمت کیا، یہی علاقہ اب ریاست کوٹہ ہے، ص ۲۵۵

(۱۴)

شاہجہان کا عطیہ

سنہ ۱۶۲۹ء میں شاہجہان نے پھلیا کا پرگنہ جو اجمیر کی شاہی جاگیر میں شامل تھا اودے پور کے خاندان شاہی کے ایک فرد سجن سنگھ کو عطا کیا، جو اب راجستان کی ریاست شاہ پورہ ہے، ص ۲۵۶

(۱۵)

سرکاری ملازمت

جھالاوار مہاراج رانا دور اندیش اور روشن دماغ آدمی تھے، انھوں نے محسوس کیا کہ ان کی ریاست کا کوئی مستقبل نہیں، لہذا خود ہی اسے حکومت ہند کی تحویل میں دے دیا، اور اپنے لیے ایک ملازمت کی درخواست کی، چنانچہ انھیں فارن سروس میں ایک جگہ مل گئی، ص ۲۵۶۔

(۱۶)

"مرزا" راجہ جے سنگھ

مہاراجہ جے پور راجپوتوں کے کچھواہا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ وہ کُش کی اولاد ہیں جو رام کیا کا بیٹا تھا،

یہ خاندان مدت مدید تک گوالیار کے قریب ایک مقام نروار میں رہتا رہا، لیکن بارہویں صدی عیسوی میں اس خاندان کے ایک فرد تیج سنگھ کرن نے ایک چھوٹی سی ریاست جے پور کے قریب قائم کرلی، یہ ریاست بہت معمولی تھی، اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی، لیکن مغلیہ سلطنت کے مشہور جنرل مرزا راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں یہ بہت بڑی ریاست بن گئی، ص ۲۶۲

(۱۷)

خلافِ قانون

والیان ریاست کی پوزیشن اور پریوی پرس کا فیصلہ کرنے کے بعد ہم نے اس بات پر توجہ کی کہ ریاستوں کی جو یونینیں قائم ہوئی ہیں، ان پر حکومت ہند کا تسلط کس طرح قائم رہے، یہ یونینیں حکومت ہند ہی کے ایماء پر قائم ہوئیں، لہٰذا وہ انھیں ان کے حال پر نہیں چھوڑ سکتی تھی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اگر کوئی یونین غلط راستہ پر جا پڑے تو قانونی طور پر حکومت ہند کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، لہٰذا ان یونینوں کا کنٹرول کانگرس پارٹی اور سردار کی شخصیت کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ ص ۲۶۵

(۱۸)

سردار کی خود اعتمادی

میں جے پور میں سردار پٹیل کی آمد کا انتظار کر رہا تھا، لیکن طیارہ کی آمد میں تاخیر

ہو تی گئی، میں نے نہرو کو فون کیا، انھوں نے مجھے فوراً دہلی واپس بلایا، جب میں دہلی پہنچا تو نہرو نے بتایا سردار جے پور پہنچ چکے ہیں، واقعہ یہ ہوا تھا کہ سردار جس طیارہ میں آرہے تھے اس کا انجن خراب ہو گیا اور جے پور سے چند میل دور ایک خشک دریا کی سطح پر طیارچی نے اسے اتار دیا، یہ صرف اس کی حاضر دماغی اور مہارت فن تھی جو کام آئی؛ ورنہ ایک بہت بڑا المیہ رونما ہو کر رہتا،

دوسرے دن صبح میں نے دہلی سے پرواز کی اور جے پور پہنچ گیا، جب سردار سے ملا تو انھوں نے فرمایا۔

"دہلی جانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم جانتے نہیں مجھے کچھ نہیں ہو سکتا؟"

یہ کہہ کر سردار نے مجھ سے معانقہ کیا،

جذبات سے میں اتنا زیادہ مغلوب کبھی نہیں ہوا تھا جتنا آج،

ص ۲۶۸

(۱۹)

مہاراجہ پٹیالہ سے گفتگو

ہماری گفتگو کے دوران میں مہاراجہ پٹیالہ نے ایک سے زائد بار اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ سکھ سیاست کو ہموار کرنے کی شدید ضرورت ہے،

میں نے جواب میں کہا ریاست ہائے پنجاب کی ایک جداگانہ یونین سکھ فرقہ کے سمجھ دار اور معاملہ فہم طبقہ کو قطعاً مطمئن کر دے گی، اور انھیں موقعہ دے گی کہ خالص غیر فرقہ وارانہ بنیاد پر اپنی سرگرمیاں مرتکز کر لیں۔

آخر مہاراجہ نے میری رائے مان لی، اور ریاست ہائے پنجاب کی یونین میں شرکت پر راضی ہو گئے۔

ص ۳۴۵

(۲۰)

گورنر جنرل کی بات نہیں مانی گئی

ٹراونکور کوچین ادغام کے سلسلہ میں سردار نے مجھے ہدایت کی کہ میں ٹریونڈرم جاؤں اور مہاراجہ ٹراونکور سے ملوں، مہاراجہ جب دہلی آئے تھے تو انھوں نے ایک بہت اہم سوال اٹھایا تھا، انھوں نے بتایا کہ چونکہ ان کی ریاست شری پدمانا بھا کی خدمت میں شروع ہی سے نذر کی جا چکی ہے لہذا ان کی مخصوص وفاداری اس دیوتائی نظام سے وابستہ ہے، اس لیئے وہ ایسا حلف وفاداری نہیں اٹھا سکتے جو اس مذہبی وفاداری پر اثر انداز ہوتا ہو۔ حکومت ہند مہاراجہ کی اس تجویز کو منظور کرنے میں متامل تھی، میں جب ٹریونڈرم کے لئے دہلی سے روانہ ہوا تو دہلی میں یہ افواہ گرم تھی کہ مہاراجہ الحاق کے مقابلہ میں تخت حکومت سے دستبردار ہونے کو ترجیح دیں گے،

گورنر جنرل سی راجگوپال آچاری نے مجھ سے کہا کہ اگر مجوزہ یونین، مہاراجہ کی تخت سے دستبرداری پر منتج ہوتی ہے تو پھر یہ تجویز ختم کر دینی چاہئے، راجہ جی نے یہ بھی فرمایا کہ بہت کافی ریاستیں رضاکارانہ طور پر ہندوستان سے ملحق ہو چکی ہیں، ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنی نئی پوزیشن کو مستحکم کریں اور ان باتوں سے احتراز کریں جو تلخی اور بدمزگی پیدا کرنے کی موجب ہوں، ٹراونکور اور کوچین کے حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ مہاراجہ ٹراونکور کی پوزیشن کا احترام کیا جائے، ورنہ نظم و انتظام کا چلانا مشکل ہو جائے گا۔

میں نے گورنر جنرل کو یقین دلایا کہ ہم پوری کوشش کریں گے کہ معاملہ باعزت طور پر طے ہو جائے۔

۲۱- مئی کو میں ٹریونڈرم پہنچا، مہاراجہ سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، میں نے ان سے کہا کہ جب ہم دونوں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مہاراجہ سربراہ حکومت کی حیثیت سے حلف وفاداری لینے

پر تیار نہ تھے، وہ سری پدما نابھا کی دیوتائی عظمت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ ریاست کے فرمانروا کی حیثیت سے برسرِ حکومت نہیں ہیں، بلکہ دیوتا کے ایک خادم کی حیثیت سے دیوتائی سرپرستی کے ماتحت حکومت کر رہے ہیں۔

ایک طرف مہاراجہ کی یہ ضد تھی، دوسری طرف حکومت ہند بھی بہر حال ان سے یہ ضمانت چاہتی تھی کہ وہ ہندوستان کے دستور اور نئی یونین کے وفادار رہیں گے، آخر اس دشواری کا حل میں نے یہ نکالا کہ مہاراجہ مجھے حسب ذیل خط لکھیں۔

"ریاستہائے متحدہ ٹراونکور اور کوچین کے راج پرمکھ کی حیثیت سے میں حکومت ہند کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے امکان بھر دستور ہند کی پابندی، محافظت اور مدافعت کروں گا، اور باشندگان ہند کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھوں گا۔"

مہاراجہ بجائے حلف وفاداری لینے کے یہ خط مجھے لکھ دیں اور چیف جسٹس مہاراجہ کی موجودگی میں یونین کے افتتاح کے وقت اسے پڑھ کر سنا دیں۔ صفحہ ۸۱ — ۲۸۰

(۲۱)

مہاراجہ کوچین کی یادِ خدا!

۲۹-مئی کو میں ارنا کلم مہاراجہ کوچین سے ملنے گیا، کوچین، ٹراونکور کا مجوزہ معاہدہ میں نے ان کے سامنے دستخط کے لئے رکھا، جیسے ہی میں نے معاہدہ ان کے سامنے رکھا، انھوں نے دستخط کرنے کے لئے فونٹن پن کی کیپ اٹھائی، لیکن دستخط کرتے کرتے دفعتہً انھوں نے پھر کیپ چڑھالی، قلم رکھ دیا، بے حس و حرکت ہو کر بیٹھ گئے، کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے مہاراجہ کو یاد دلایا کہ انھیں معاہدہ پر دستخط کرنا ہیں، لیکن میں نے ان کے ہونٹوں کی جنبش سے محسوس کیا کہ وہ کوئی اشلوک پڑھ رہے ہیں، اس حرکت نے مجھے کافی چکر میں ڈال دیا، بہر حال اشلوک کے اختتام تک مجھے انتظار کرنا پڑا، پھر انھوں نے دستخط کر دیے،

صفحہ ۲۸۹

(۲۲)

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا

خاسی ہل اسٹیٹس ——— یہ آسام کا قبائلی علاقہ ہے، یہاں پچیس قبیلے بستے ہیں، ہر قبیلہ ایک ریاست ہے، انھیں سیم کہتے ہیں، ان کا انتخاب عوام کرتے ہیں، ان کی بڑی تعداد عیسائیوں پر مشتمل ہے، ان ریاستوں نے اپنی ایک فیڈریشن بنالی تھی، یہ ریاستیں بعض انفرادی طور پر، بعض مجموعی طور پر چند مستثنیات کے ساتھ انڈین یونین سے ملحق ہوگئیں۔

ہندوستان کے نئے دستور کے ماتحت ان ریاستوں کا مستقبل وزارت امور ریاست سیم، نیز ان کے مشیروں کے مابین ایک طویل بحث و گفتگو کا موضوع بن گیا، پادری نکولس وائے ان کے ترجمان خصوصی تھے، ان ریاستوں کو اصرار تھا کہ اپنے روایات، دستورِ حیات اور خودمختاری قائم رکھیں، آسام میں مکمل الحاق سے انھیں شدید اختلاف تھا،

آخر حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ قبائلی علاقہ کی اضلاعی کونسلوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختارانہ اختیارات دیے جائیں، چنانچہ دستور ہند کے شیڈول نمبر ۶ میں یہ بات درج کردی گئی۔

صفحہ ۱۲ — ۳۱۱

(۲۳)

حیدرآباد کا اصول الگ، کشمیر کا الگ

سردار اس فیصلہ پر نہایت مضبوطی سے قائم تھے کہ اگر نظام انڈین یونین سے الحاق نہیں کرتے تو فیصلہ کے لئے انھیں اپنی رعایا کے پاس جانا چاہیئے اور اس کا فیصلہ تسلیم کرلینا چاہیئے۔ حکومت ہند بھی ہر صورت میں استصواب کا فیصلہ تسلیم کرلے گی اور اگر استصواب کا نتیجہ یہ نکلا کہ حیدرآباد ہندوستان سے ملحق نہ ہو تو برار بھی حیدرآباد کو دے دے گی -

ص ۳۲۲

(۲۴)

کشمیر اور حیدر آباد کا فرق

میں نے نواب معین نواز جنگ سے کہا، اگر حیدر آباد انڈین یونین سے الحاق پر رضامند نہیں ہوتا تو ریاست سے ہندوؤں کی یہ شکایت بالکل حق بجانب ہوگی کہ مسلم اقلیت کے ہاتھ میں ان کی قسمت کا فیصلہ ہے، اگرچہ دباؤ کی وجہ سے کھلم کھلا یہ بات وہ نہ کہہ سکیں گے اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ ہندوستان کی رائے عامہ مشتعل ہو جائے گی، ص ۳۳۲

(۲۵)

کشمیر کے مسلمان اور حیدر آباد کے ہندو

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے نظام کو صلاح دی کہ حیدر آباد کے ہندوؤں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے جو کچھ بھی ان کی طاقت میں ہے کر گزریں، ص ۳۳۳

(۲۶)

ریاست ہائے ہند کا انجام

ہندوستان کی ساڑھے پانچ سو چالیس ریاستوں میں صرف حیدر آباد اور میسور کو ان کے حال پر رکھا گیا، دو سو سولہ ۲۱۶ ریاستیں متصلہ صوبوں میں مدغم کر دی گئیں، پانچ ریاستوں کو حکومت ہند کی براہ راست نگرانی میں چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا، پنجاب کی اکیس ۲۱ کوہستانی ریاستیں ہماچل پردیش کا صوبہ بنیں تین سو دس ۳۱۰ کو چھ یونینوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس طرح الحاق اور ادغام کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی ۵۵۴ ریاستیں چودہ واحدوں میں ضم ہو گئیں۔ ص ۴۳۵

(۲۷)

عجیب انکشاف

اگرچہ کل ہند انجمن رعایائے ریاستہائے ہند ۱۹۲۷ء میں قائم ہوئی تھی، لیکن اکثر ریاستوں میں

یہ اپنی کوئی جگہ نہ بنا سکی۔ ص ۳۳۶

(۲۸)

ملحقہ ریاستوں کے بدقسمت باشندے

جو ریاستیں انڈین یونین سے ملحق ہو گئیں تھیں ان کے باشندوں نے الحاق کے عمل کو نہ خوشگوار پایا، نہ ہم آہنگ۔ دفعتاً انھوں نے محسوس کیا کہ قوت کا مرکز راتوں رات ایک دور دراز شہر میں منتقل ہو گیا ہے، جس سے ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا ہے، ص ۴۳۹

(۲۹)

تلوّن کیشیاں

راجستانی ریاستوں کا عمل الحاق بڑا دشوار ثابت ہوا، یونین کی پہلے پہل جب تشکیل ہوئی تو صدر مقام کوٹہ قرار پایا، جب اودے پور بھی شریک یونین ہوا۔ تو اودے پور کو مرکز بنا دیا گیا، جب گریٹر راجستان کا قیام جے پور کے اشتراک سے عمل میں آیا تو جے پور کو صدر مقام بنا دیا گیا۔ ص ۴۴۲

(۳۰)

یہ تھا ریاستوں کا حال!

ہندوستانی ریاستوں کی جو یونینیں قائم ہوئیں وہ داخلی طور پر نہ مضبوط تھیں نہ مستحکم، الحاق کی تحریک حکومت ہند کی طرف سے ہوئی تھی، سردار اور ہز دو شخصیتیں اس کی پاسبان تھیں، لیکن صورت حال یہ تھی کہ عملی طور پر ان یونینیوں میں کوئی ایسا سیاسی ادارہ نہیں تھا جو جذبۂ محبت کے ساتھ اس کام کو جاری رکھ سکتا، خود کانگرس کمیٹیوں کا یہ حال تھا کہ ان کی جڑیں ان علاقوں میں کھوکھلی تھیں، یہی حال پرجا منڈل کا تھا ریاستی ملازموں کا یہ عالم تھا کہ عام مقصد کے لئے بھی باہم مل کر کام نہیں کر سکتے تھے، رشک و حسد اور سازش ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، ص ۴۴۵

(۳۱)

اعتراف قصور

مجھے اس بات کا انتہائی مایوسی کے عالم میں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تمام یونینوں میں ہم وہی انتظامی مالی اور عدالتی نظام قائم کرسکتے تھے جو صوبوں میں تھا، لیکن حکومت ہند کی وزارت امور ریاست اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام نہ دے سکی۔ ص ۴۴۵

(۳۲)

غلام کی آزادی

ہندوستان کا دستور جب آخری مراحل طے کر رہا تھا اس وقت تک حیدرآباد میں کوئی مجلس آئین ساز قائم نہیں ہوسکی تھی، حیدرآباد کی لیجسلیٹو اسمبلی دسمبر ۱۹۴۸ء میں نظام کے فرمان کے مطابق برخواست ہوچکی تھی۔ فیصلہ کیا گیا کہ حیدرآباد کی مجلس قانون ساز کے انعقاد کے بجائے حیدرآباد کی مجلس دستور ساز طلب کی جائے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ اسی سے کرایا جائے، ۱۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد کے ملٹری گورنر نے ایک ریگولیشن کے ذریعہ فہرست رائے دہندگان مرتب کرنے کا حکم صادر کر دیا، لیکن مشکل یہ تھی کہ مارچ ۱۹۵۰ء سے پہلے کسی طرح بھی مجلس دستور ساز کا اجلاس نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا پوزیشن یہ تھی کہ ہندوستان کا دستور منظور کرتے ہوئے نظام نے جو فرمان شائع کیا تھا وہ کسی منتخب ادارہ کے فیصلہ کی بنا پر نہ تھا، بلکہ ذاتی تھا۔ ص ۴۶۹

(۳۳)

کشمیر کی سعادت مندی

ریاست کشمیر وجموں کے ایجنٹ یوراج کرن سنگھ نے دستور ہند کے نفاذ کے وقت ایک اعلان شائع کیا کہ ہندوستان کا دستور جہاں تک کشمیر پر منطبق ہوتا ہے وہی ہندوستان اور ریاست

کے دستوری تعلقات کی بنیاد ہوگا، ص ۴۷

(۳۴)

صیاد کا اقبال

دستور ہند کی دفعہ ۳۶۶ ضمن ۲۲ والیان ریاست کو تسلیم کرنے سے متعلق ہے۔

اگرچہ والیان ریاست اپنی ریاستوں اور اختیارات سے محروم ہو گئے تھے ـــــــ لیکن اپنی سابقہ ریاستوں میں انھیں اب تک عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، ہم نے ان کے لئے پریوی پرس اور دوسرے حقوق کی ضمانت دی تھی، اس کے جواب میں انھوں نے دستور ہند سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔

اس امر کا تحفظ کرنے کے لئے کہ اگر اکا دکا کچھ واقعات ایسے پیش آئیں کہ کوئی والیٔ ریاست اس مخصوص مرتبہ کا غلط استعمال کرے جو اسے دیا گیا ہے تو اس کے لئے یہ دفعہ رکھی گئی کہ جب تک صدر تسلیم نہ کرلے کوئی والیٔ ریاست اپنے منصب پر برقرار نہیں رہ سکے گا، یا اگر تسلیم کر لینے کے بعد کسی وجہ سے وہ اسے والیٔ ریاست نہ تسلیم کرے تو بھی وہ اپنے پریوی پرس اور دوسرے حقوق سے محروم ہو جائے گا۔

اسی دفعہ کے ماتحت پرتاپ سنگھ گائیکواڑ آف بڑودا معزول کئے گئے۔

اسی دفعہ کے ماتحت یہ بھی لازمی قرار پایا کہ گدی نشینی اسی وقت جائز ہوگی جب صدر مملکت اسے تسلیم کرلے۔ ص ۴۷۳

(۳۵)

ایک اور عہد شکنی

دستور ہند کے بعد ایک اور مسئلہ جو درپیش ہوا وہ ریاست جموں و کشمیر کا تھا، والیٔ ریاست نے ہندوستان سے الحاق صرف تین معاملات یعنی دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل میں کیا تھا، دستور ہند کے آخری مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوا کہ یا تو ہم کشمیر کو دستور سے باہر رکھیں یا اسے پارٹ بی

اسٹیٹس کی حیثیت سے دستور میں شامل کر لیں۔

چونکہ قانونی طور پر ریاست کا ہندوستان سے الحاق بحث و سوال سے ماورا تھا لہٰذا ہم نے اسے پارٹ بی اسٹیٹس کا ایک جزو بنا لیا۔ ص ۴۷۴

(۳۶)

وعدے! جو فراموش کر دئے گئے

فروری ۱۹۴۷ء میں نہرو نے ایوان والیان ریاست کی مجلس گفت و شنید کو یقین دلایا تھا کہ ریاستوں کا شاہی نظام اور ان کا انفرادی وجود کسی حالت میں بھی متاثر نہیں ہوگا، چند ماہ بعد ۵۔ جولائی کو بیان دیتے ہوئے سردار نے بھی اس ضمانت کا اعادہ کیا۔ انھوں نے کہا ہم ریاستوں کا الحاق صرف تین امور میں چاہتے ہیں، پھر انھوں نے یقین دلایا، دوسرے تمام معاملات میں پوری قطعیت کے ساتھ ہم ریاستوں کی خود مختاری کا احترام کریں گے، ۲۵۔ جولائی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایوان والیان ریاست میں ایک تقریر کرتے ہوئے ان ضمانتوں کی تجدید کی، انھوں نے کہا سوا دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل کے کسی دوسرے معاملہ میں مرکزی حکومت ہند کو کوئی حق نہ ہوگا کہ ان کی داخلی آزادی اور خود مختاری پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے۔

ان واضح اور غیر مبہم ضمانتوں کے پس منظر میں وزارت امور ریاست نے مکمل الحاق کی پالیسی پر عمل در آمد شروع کر دیا، ص ۴۷۶

(۳۷)

نظام سے حسن سلوک

دستور ہند کی دفعہ ۱۵۸، اور ۱۳۸ کی رو سے راج پرمکھ اور اپ راج پرمکھ معینہ الاؤنس لینے کے مجاز تھے، لیکن نظام کو راج پرمکھ کی حیثیت سے کوئی الاؤنس نہیں دیا گیا، گویا سربراہ مملکت پر حیدر آباد گورنمنٹ نے ایک پائی بھی صرف نہیں کی، ص ۴۷۹

(۳۸)

نظام پر عنایتوں کی بارش

نظام نے سنہ ۱۹۴۹ء میں وزارت امور ریاست کے حسب ہدایت اپنی تمام ذاتی جائداد سے سے دستبرداری اختیار کر لی، جس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ چوبیس لاکھ تھی۔

اس کے معاوضہ میں نظام کو حکومت ہند نے پچیس لاکھ سالانہ تاحیات وظیفہ دینا منظور کیا۔

نظام اس تجویز سے بھی متفق ہو گئے کہ چند سالوں تک یعنی جب تک تنگ بھدرا کا منصوبہ مکمل نہ ہو جائے پچاس لاکھ سالانہ حکومت کو قرض دیتے رہیں گے۔

علاوہ ازیں نظام اس پر بھی رضامند ہو گئے کہ اپنی ذاتی آمدنی میں سے چالیس کروڑ روپے کی حکومتی کفالتیں خرید لیں۔

نیز نظام نے اپنے جواہرات سے متعلق ایک ٹرسٹ بھی قائم کر دیا، اور طے پایا کہ اگر کوئی جواہر کبھی فروخت کیا جائے گا تو اس کی رقم بھی حکومت ہند کی کفالتوں میں لگائی جائے گی، نظام نے ایک خیراتی وقف بھی پانچ کروڑ روپے کے سرمایہ سے قائم کیا، یہ رقوم حیدرآباد اور حیدرآباد سے باہر ذات اور مذہب اور نسل کا امتیاز کئے بغیر خرچ کی جائیں گی۔

نظام نے مجھ سے استدعا کی کہ اس ٹرسٹ کا ایک ٹرسٹی میں بھی بن جاؤں، ص ۸۲-۸۳

(۳۹)

شر میں خیر کا پہلو

برطانوی حکومت کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی بالادستی کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیتی کہ اب بالادستی کسے حاصل ہے؟، انگریزوں کے جانے کے بعد حکومت ہند کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہوئے جو برطانیہ کو تھے، ایک سو پچاس سال کی مدت میں انگریز حکمرانوں نے بڑی محنت سے جو نظام قائم کیا تھا اسے خود راتوں رات تہ و بالا کر دیا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی نظر میں رکھنا چاہئے کہ اگر انگریزوں نے اپنی بالادستی آزاد ہندوستان کو تمام معاہدات اور ذمہ داریوں اور سندات کے ساتھ منتقل کردی ہوتی تو ہمارے لئے ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کا حل کرنا بہت دشوار ہو جاتا، کم از کم اس مسئلہ کو ہم اس طرح حل نہ کر سکتے جس طرح کیا ہے بالادستی ختم ہونے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے سادہ سلیٹ پر جو چاہا لکھا، بغیر گذشتہ معاہدوں کی پابندی کو مد نظر رکھتے ہوئے، صـ ۴۸۵-۴۸۴

(۴۰)

شیخ عبداللہ کا جرم

ریاستوں کی عوامی وزارتوں کے بارے میں جو اندیشے تھے وہ بالکل بے بنیاد نہیں ثابت ہوئے، کشمیر کی مثال لیجئے، جیسے ہی شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں مکمل اختیارات آئے انھوں نے اعلان کر دیا کہ حدود کشمیر سے باہر مہاراجہ صاحب کہیں اور تشریف رکھیں، بڑی مشکل سے سردار نے مہاراجہ کو اس بات پر رضا مند کیا۔

حکومت ہند نے مہاراجہ کی پریوی پرس اور دوسرے معاملات سے متعلق ایک تصفیہ کرکے معاہدہ کر لیا، لیکن شیخ عبداللہ نے اس معاہدہ پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، اور حکومت ہند اب تک مہاراجہ کو پریوی پرس اپنے خزانہ سے ادا کر رہی ہے، صـ ۴۸۶

(۴۱)

مطلق العنانی کی تعریف

میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو فیض رساں مطلق العنانی میں بھی کوئی بھلائی نہیں دیکھتے، مجھے بیکانیر کا وہ سفر یاد ہے جب ہزارہا ہزار شرنارتھی بہاولپور سے ہندوستان پہنچ رہے تھے، مہاراجہ اور ان کے دیوان پانیکار سے میں اسی سلسلہ میں گفتگو کرنے گیا تھا، کہ ان خانہ بدوشوں کے لئے بیکانیر میں بھی کچھ کیا جائے، صرف ایک دن میں مہاراجہ نے تمام ضروری انتظامات مکمل کر لئے، جس میں ان کے لئے عمارتوں کا حاصل کرنا، اناج کا مہیا کرنا، ضروری مصارف کے لئے نقد رقم کا دینا بھی شامل تھا۔

اس شاندار مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیض رساں مطلق العنانی، بھلائی اور بہتر نتائج پیدا کرتے ہیں

کتنی مفید ثابت ہوتی ہے۔

یہ دشواری ضرور ہے کہ ایسا مطلق العنان شخص جو فیض رساں بھی ہو ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہے۔ موروثی فرمانرواؤں میں ایک نقص یہ بھی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کے جانشین بھی مطلق العنان ہونے کے ساتھ فیض رساں بھی ہوں، لیکن مطلق العنانی کا دَور خواہ وہ فیض رساں ہو یا تکلیف دہ اب واپس نہیں آسکتا، ص ۴۸۷

(۴۲)

قیمتِ خرید

والیانِ ریاست کو پریوی پرس اس معاوضہ میں دی گئی تھی کہ وہ اپنی انفرادیت، جداگانہ وجود اور اختیاراتِ حکومت سے دستبردار ہو گئے تھے، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ انگریزوں نے مرہٹوں کے اس طرح کے معاملات میں بے تحاشا خرچ کیا تھا اور وہ رقم اب بھی ہم انگریزوں کی طرف سے ملپشن کی صورت میں ان مرہٹہ فرماں رواؤں کو ادا کر رہے ہیں جنھوں نے انگریزی حکومت کے قیام واستحکام کے لئے جدوجہد کی تھی، پھر اگر ہم نے ایک چھوٹی سی رقم ایک ایسے انقلاب کے معاوضہ میں ادا کر دی جس میں خون کا ایک قطرہ نہیں بہا اور جس کا اثر کروڑوں آدمیوں کی قسمت پر پڑا تو کون سا تیر مارا۔ ص ۴۸۸

(۴۳)

اصُول میں لچک

جب ہم ٹراونکور کوچین کے باہمی ادغام کے مسئلہ پر غور کر رہے تھے تو مطالبہ کیا گیا کہ مالابار کے متصلہ اضلاع نئی یونین میں شامل کر دیے جائیں تاکہ ملیالم بولنے والے لوگوں کا ایک مستقل صوبہ وجود میں آجائے۔ کانگرس نے نہرو، سردار اور پٹابھی سیتارامیہ پر مشتمل لسانی بنیاد پر صوبوں کی تشکیل کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی۔ کمیٹی کی سفارش یہ تھی کہ لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم جدید پر دس سال تک غور نہ کیا جائے، البتہ اندھرا کا صوبہ لسانی بنیاد پر بنا دیا جائے۔

ص ۴۹۲

(۴۴)

کانگرس کی بے بسی

حق رائے دہی بالغاں کے اصول پر تمام ریاستوں میں بغیر کسی دشواری کے عام انتخاب ہوئے، اس مہم میں کانگرس کامیاب ہوئی، یہ کامیابی نتیجہ تھی ملک کے عوام میں اس ادارہ کی مقبولیت اور خاص طور پر نہرو کی شخصیت کا، لیکن اس کے باوجود ٹراونکور، کوچین، مدراس، اڑلیسہ، راجستان، پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں کانگرس واضح اکثریت نہیں حاصل کر سکی، بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ ان مقامات پر نہایت چوکس رہنے کی ضرورت تھی، ایک مشکل یہ بھی کہ پارٹی کی ریاستوں میں کانگرس خود مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ؂ ۱۹۳ء



ہندوستانی ریاستوں کی بڑی تعداد بمبئی اور یو۔پی سے ملحق کردی گئی، بنگال محروم رہا۔

(۲۵)

ہندوستان کی خاص خاص ریاستیں

رقبہ ـــــ آبادی ـــــ آمدنی

(۱)

ریاست جوناگڑھ

رقبہ	۳۳۷ مربع میل
آبادی	۶۷۰٬۷۱۹ نفوس
آمدنی	ایک کروڑ سے زیادہ

(۲)

اڑیسہ کی ریاستیں

رقبہ	۵۶ ہزار مربع میل
آبادی	۴۰ لاکھ سے زیادہ
آمدنی	۲ کروڑ سے اوپر

(۳)

ریاست ہائے دکن

رقبہ	۷٬۸۱۵ مربع میل
آبادی	۱۶ لاکھ، ۹۳ ہزار ایک سو ۱۷

آمدنی — ایک کروڑ، ۴۲ لاکھ، ۱۵ ہزار ۵ سو، ۹۹

(۴)

ریاست ہائے گجرات

رقبہ — ۲۷ ہزار مربع میل

آبادی — ۲۶ لاکھ ۲۴ ہزار

آمدنی — ایک کروڑ ۶۵ لاکھ

(۵)

بندیل کھنڈ کی ریاستیں

رقبہ — ۱۲ ہزار مربع میل

آبادی — ۱۷ لاکھ سے زیادہ

آمدنی — ایک کروڑ کے لگ بھگ

(۶)

ریاست ریوا

رقبہ — ۱۲۰۰۰ مربع میل

آبادی — ۱۷ لاکھ

آمدنی — تقریباً ایک کروڑ

(۷)

باگھیل کھنڈ اور متعلقہ ریاستیں

رقبہ — ۲۴ ہزار ۵ سو ۹۸ مربع میل

آبادی — ۳۵ لاکھ ۶۹ ہزار ۴ سو ۵۵ نفوس

آمدنی — ۲ کروڑ ۳۴ لاکھ ۳۰ ہزار ۷ سو ۴۳ روپے

(۸)

مالوہ کی ریاستیں

رقبہ ۴۷ ہزار مربع میل

آبادی ۷۰ لاکھ سے زیادہ

آمدنی ۴ کروڑ کے لگ بھگ

(۹)

پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کی ریاستیں

رقبہ ۱۰ ہزار ۹۹ میل

آبادی ۳۴ لاکھ ۲۴ ہزار، ۶۰ نفر

آمدنی ۵ کروڑ سے کچھ زیادہ

(۱۰)

متسیا یونین

رقبہ ۷ ہزار ۵ سو ۸۹ مربع میل

آبادی ۱۸ لاکھ ۳۷ ہزار، ۹ سو ۹۴

آمدنی ایک کروڑ ۴۳ لاکھ،

(۱۱)

راجستھان یونین

رقبہ ۲۹ ہزار ۹ سو ۷۷ مربع میل

آبادی ۴۲ لاکھ ۶۰ ہزار ۹ سو ۱۸ نفر

آمدنی ۳ کروڑ ۱۶ لاکھ،

(۱۲)

گریٹر راجستھان یونین

رقبہ	۱ لاکھ ۴۲ ہزار ۴ سو ۴۲ مربع میل
آبادی	۱ کروڑ ۵۳ لاکھ
آمدنی	۱۸ کروڑ

(۱۳)

ٹراونکور۔کوچین یونین

رقبہ	۹ ہزار ۱ سو ۵۵ مربع میل
آبادی	۷۵ لاکھ
آمدنی	۱۳ کروڑ، ۵۰ لاکھ

(۱۴)

ریاست کچھ

رقبہ	۸ ہزار ۴ سو ۶۱ مربع میل
آبادی	۵ لاکھ سے زیادہ
آمدنی	۸۰ لاکھ کے لگ بھگ

(۱۵)

ریاست تری پورہ

رقبہ	۴ ہزار ۱ سو ۱۶ مربع میل
آبادی	۵ لاکھ سے زیادہ

(۱۶)

ریاست منی پور

رقبہ ۸ ہزار ۶ سو ۲۸ مربع میل

آبادی ۵ لاکھ سے زیادہ

(۱۷)

ریاست بلاسپور

رقبہ ۴ سو ۵۳ مربع میل

آبادی ایک لاکھ کے قریب

(۱۸)

پنجاب ہل اسٹیٹس

رقبہ ۱۱ ہزار مربع میل

آبادی ۱۰ لاکھ سے زیادہ

(۱۹)

ریاست پڈوکوٹائی

رقبہ ۱ ہزار ۱ سو ۷۰ مربع میل

آبادی ۵ لاکھ سے زیادہ

(۲۰)

ریاست بنگناپلائی

رقبہ	۲۷۵ مربع میل
آبادی	۴۰ ہزار سے زیادہ

(۲۱)

ریاست سندور

رقبہ	۱۶۹ مربع میل
آبادی	۱۶ ہزار

(۲۲)

ریاست کوچ بہار

رقبہ	۱۳۱۸ مربع میل
آبادی	۷ لاکھ کے قریب

(۲۳)

ریاست دوجانہ

رقبہ	۱۰۰ مربع میل
آبادی	۳۰ ہزار کے لگ بھگ

(۲۴)

ریاست لوہارو

رقبہ	۲۲۶ مربع میل

آبادی	۲۸ ہزار کے قریب

(۲۵)

ریاست پٹودی

رقبہ	۵۳ ہزار مربع میل
آبادی	۲۰ ہزار

(۲۶)

ریاست رام پور

رقبہ	۹۰۰ مربع میل
آبادی	۵ لاکھ کے قریب
آمدنی	۱ کروڑ ۱۰ لاکھ سالانہ سے زیادہ

(۲۷)

ریاست بنارس

رقبہ	۸۷۵ مربع میل
آبادی	۴ لاکھ

(۲۸)

ٹھری گڑھوال

رقبہ	۴ ہزار ۵ سو مربع میل
آبادی	۴ لاکھ

(۲۹)

ریاست حیدرآباد

رقبہ	۸۲ ہزار مربع میل
آبادی	ساٹھ لاکھ
آمدنی	۲۶ کروڑ سالانہ

(۳۰)

ریاست بڑودا

رقبہ	۸ ہزار ۲ سو ۳۶ مربع میل
آبادی	۲۰ لاکھ سے زیادہ
آمدنی	۷ کروڑ سالانہ

تقسیم ہند کی صورت میں ہندوستان نے کھویا،

۳ لاکھ ، ۶۴ ہزار ، ۷ سو ، ۳۷ مربع میل

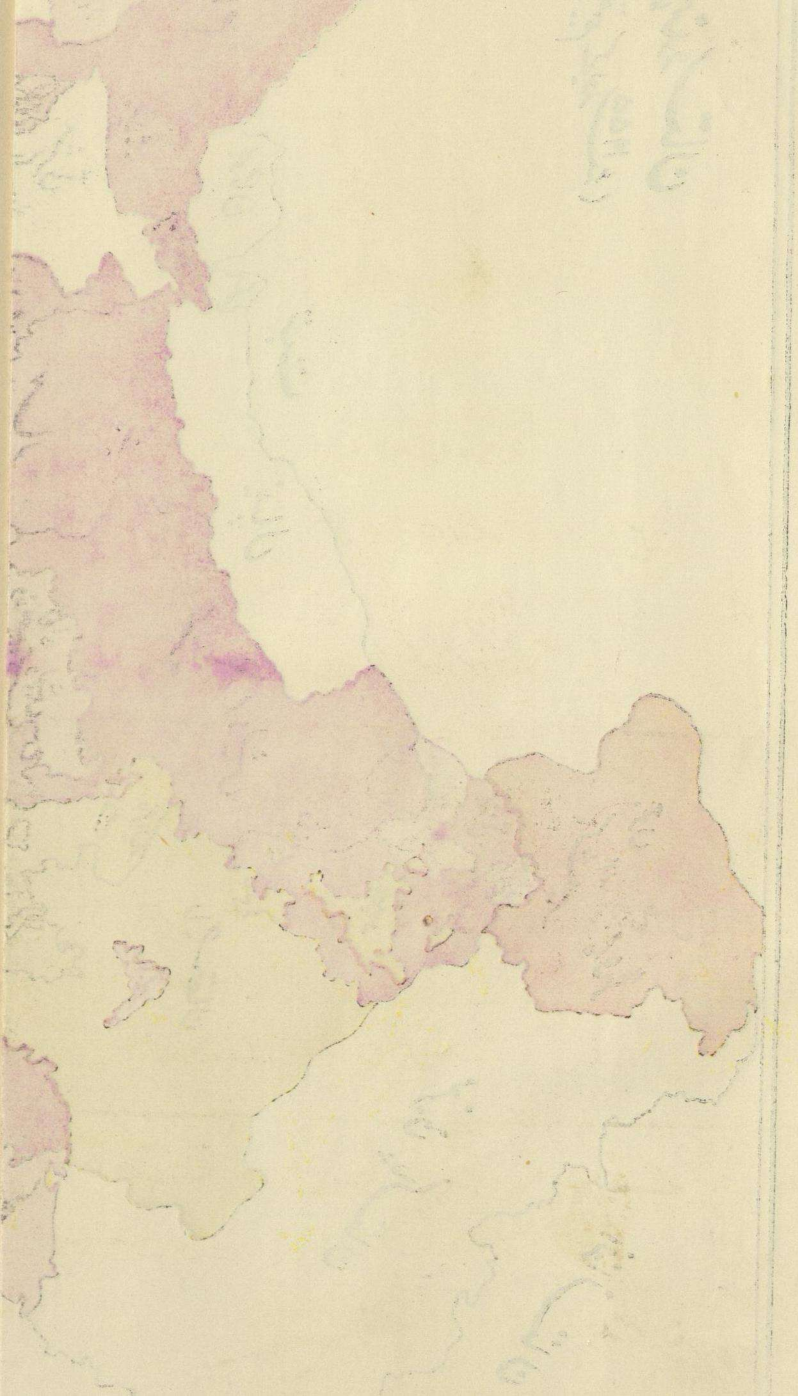
اور ریاستوں کے ادغام والحاق کی صورت میں حاصل کیا،

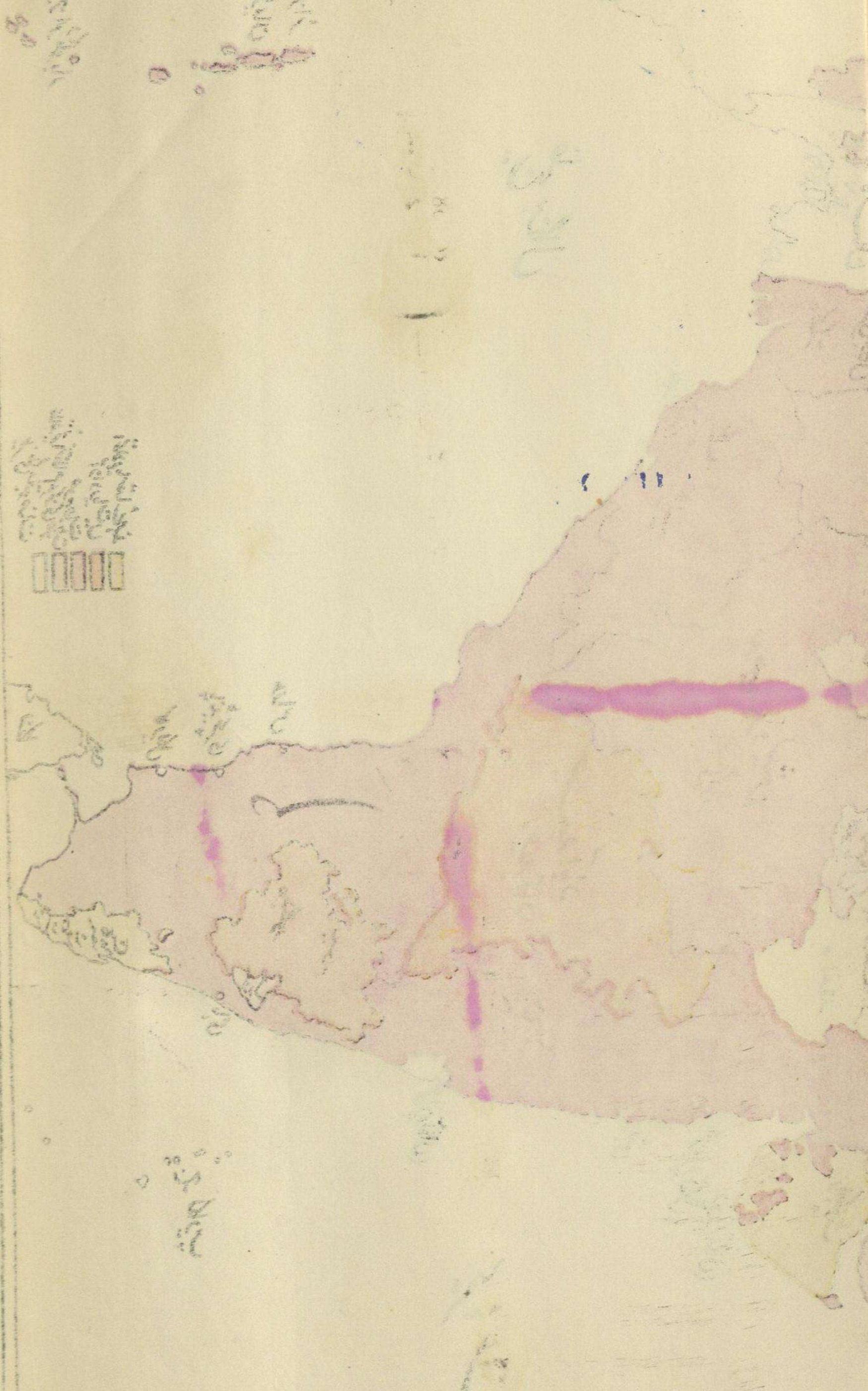
۵ لاکھ مربع میل

اس میزان میں کشمیر شامل نہیں ہے ،

مذکورہ فہرست میں نے مینن صاحب کی کتاب کے مختلف ابواب سے تیار کی ہے ۔

رئیس احمد جعفری





رئیس احمد جعفری

کی

تصانیف و تراجم ـــــ تالیفات و تلخیصات

جو

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ کتاب منزل، لاہور

نے شائع کی ہیں!

• علم و معرفت

تلخیص البخاری (ترجمہ مع متن)	۱۲/۰
نہج البلاغت (ترجمہ مع متن)	۲۵/۰
کامل صحیح مسلم (ترجمہ مع متن)	۳۰/۰

• ادبیاتِ عالیہ

فسانۂ آزاد (تلخیص) دو جلدیں	۱۰/۰
طلسم ہوش رُبا (تلخیص)	۲۲/۸

• فلسفہ و نفسیات

نفسیاتی علاج	۳/۰
فلسفۂ تعلیم و تربیت	۳/۱۲
تکلیف و اذیت	۳/۰

• اقبالیات

اقبال اور عشقِ رسولؐ	۶/۱۲
اقبال اپنے آئینہ میں	۷/۰

• سوانح و تاریخ

بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد	۲۰/۰
واجد علی شاہ اور اُن کا عہد	۱۲/۸
سیرت محمد علی	۶/۰
انوارِ اولیاء	۱۰/۰
دید و شنید	۶/۸
سیرتِ آئمہ اربعہ	۷/۸
فاطمہؓ بنت محمدؐ	۳/۴
تاریخ تصوفِ اسلام	۳/۴
حیدر آباد ـــ جو کبھی تھا	۱۰/۰
کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	۶/۰

• منظومات و ادب

ریاضِ رضوان	۱۵/۰
گل کدہ	۱۰/۰

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ کتاب منزل لاہور، بندر روڈ کراچی